لُبِ تاریخ سندھ

تالیف

خان بہادر خداداد خان

سندھی ادبی بورڈ

جام شورو سندھ

۲۰۰۹ء

لُبِ تاریخ سندھ

تالیف

خان بہادر خداداد خان

(سال ۱۳۱۸ھ مطابق سال ۱۹۰۰ع)

مترجم

مختیار احمد حاجانو شکارپوری

سندھی ادبی بورڈ

جام شورو سندھ

۲۰۰۹ء

[کتاب ہذا کے جملہ حقوق سندھی ادبی بورڈ کے پاس محفوظ ہیں]

اشاعت اول　　　　سال 2009ء　　　　تعداد ایک ہزار

کتاب ہذا کے کسی بھی حصے کو، ادارہ کی اجازت کے بغیر، الیکٹرانک یا کسی دوسرے طریقے، جس میں اسٹوریج یا ریٹریول سسٹم شامل ہو، بروئے کار نہیں لاسکتا۔

قیمت: دوسَو پچاسی روپے
[Price Rs. 285-00]

خریداری کیلئے

سندھی ادبی بورڈ کتاب گھر

تلک چاڑھی، حیدرآباد سندھ

(فون وفیکس: 0222-633679)

Email Address: sindhiab@yahoo.com
Website: www.sindhiabAdabiBoard.Org

یہ کتاب سندھی ادبی بورڈ جام شورو کی طرف سے سیکریٹری پروفیسر سید زوار حسین شاہ نقوی نے شائع کی اور سندھیکا اکیڈمی کراچی میں طبع ہوئی۔

عرضِ ناشر

سندھی ادبی بورڈ اپنے پروگرام ''قومی تاریخ اور ادب کی نشر و اشاعت' کے تحت کتب شائع کرتا رہا ہے اسی سلسلہ میں یہ کتاب بھی تصحیح وترجمہ کے ساتھ شائع کی جارہی ہے۔

قارئین کرام سے مخفی نہیں ہوگا کہ سندھ کے علماء کرام نے عربی اور فارسی زبانوں میں تاریخ، سیرت، حدیث، تصوف، ادب، شعر اور دیگر علمی موضوعات پر کئی ایک قیمتی اور یادگار تصانیف چھوڑی ہیں، جن میں سے کچھ ابھی تک قلمی مسودوں کی صورت میں شخصی کتب خانوں کے گوشوں میں پڑی ہوئی ہیں۔سندھی ادبی بورڈ کا اوّلین مقصد یہ ہے کہ ایسے علمی اور ادبی سرمایہ کو تاریکی اور گمنامی سے نکال کر، اسے اہل علم اور اہل ذوق تک پہنچائے۔

یہ کتاب، جو قارئین کرام کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے، وہ فارسی کتاب ''لُب تاریخ سندھ'' کے سندھی ترجمے سے اردو میں ترجمہ کروائی گئی ہے، جس کا فارسی متن سندھی ادبی بورڈ نے ۱۹۵۹ع میں اپنے دس سالہ پروگرام (۱۹۵۱ع سے ۱۹۶۰ع تک) کے سلسلے میں چھپوایا تھا، اُس دور میں بورڈ نے ۱۱۵ اہم کتب کو چھپوانے کی منصوبہ بندی اس طرح سے کی تھی کہ اس عرصے کے دوران عربی کی ۱۴، فارسی میں تاریخی کتب ۳۰، فارسی میں شعر و ادب کی ۵۷، اردو کی ۷، اور انگریزی کی ۷ کتب چھپوا کر شایع کیں، اور اب ان ہی چھپوائی ہوئی کتب میں سے ''لُب تاریخ سندھ'' اردو ترجمہ شایع کیا جا رہا ہے۔ جو حضرات

فارسی اور سندھی زبان سے اچھی طرح آشنا نہیں ہیں، ان کے لئے یہ اردو ترجمہ بہت مفید ثابت ہوگا۔

تاریخ کے مختلف ادوار میں سندھ کے علماء کرام نے عربی اور فارسی میں بے شمار اور بے بہا کتب تاریخ، سیرت، تفسیر، حدیث، تصوف، طب، ادب او رشعر کے علمی موضوعات پر لکھی ہیں جو صدیوں سے سندھ کے مختلف علمی خاندانوں اور مکاتیب فکر کے کتب خانوں میں سندھ کی اعلیٰ علمی و ادبی تاریخ کے ترکہ و میراث کے طور پر پڑی ہوئی ہیں، اُن میں ''لُب تاریخ سندھ'' ایک اہم کتاب ہے جو سندھ کے تاریخی ماخذ میں پندرھویں نمبر پر ہے۔ اس کتاب کا فارسی متن ۱۹۵۹ء میں سندھی ادبی بورڈ نے شایع کیا جس کی تصحیح ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ نے کی تھی، جسکا سندھی ترجمہ حافظ خیر محمد اوحدی نے کیا جو کہ سال ۱۹۸۹ء میں بورڈ نے شایع کیا۔اب اس کا اردوترجمہ بھی شائع کیا جارہا ہے۔ تاریخ کی یہ کتاب برطانوی عہد کے سولہویں کمشنر تک کا مطالعہ پیش کرتی ہے اس کتاب کے مصنف سکھر کے رہنے والے تھے،اور برطانوی دورِ حکومت میں منشی کے اہم عہدے پر فائز تھے۔ اس وجہ سے یہ کتاب سندھ کے تمام تواریخی ادوار پر روشنی ڈالتی ہے اور خاص طرح سے تالپور اور برطانوی دور کا ایک نہایت ہی اہم مطالعہ پیش کرتی ہے۔ سندھی ادبی بورڈ کے لیے اس کتاب کا ترجمہ محترم مختار احمد حاجانو نے کیا ہے، جو کہ تصحیح کروانے کے بعد اب پیش کیا جارہا ہے۔ امید ہے کہ سندھ کی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے برصغیر پاک و ہند کے علمی حلقوں میں اس کتاب کی پذیرائی سندھ کے تمام مشہور تاریخی کتب کی طرح ہوگی۔

جام شورو، سندھ	پروفیسر سید زوار حسین شاہ نقوی
۷۔جولاءِ ۲۰۰۹ء	سیکریٹری
۳۔رجب المرجب ۱۴۳۰ھ	سندھی ادبی بورڈ

دیباچہ از طرف مؤلف

اس بے مثل مالک کی حمد وثنا کے بعد، جو ''توتی الملک من تشاءُ و تنزع الملک ممّن تشاءُ'' اس کی کامل قدرت کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے، اور اس خاتم المرسلین کی تعریف اور توصیف کے بعد، جس کی شان ''لولاک لما خلقت الافلاک'' کے ارشاد سے ظاہر ہے، میں ان صحابہ کرام کے خوبصورت اوصاف کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں، جو دین متین کے ستون اور شریعت محمدی کو اجاگر کرنے والے ہیں۔

میں انگریز سرکار کی کیا تعریف کروں، بس، صرف اتنا کہنا کافی سمجھتا ہوں، کہ اس دور میں انصاف، شفقت اور رعیت پروری میں اس کا کوئی بھی مقابل اور ثانی نہیں۔

اما بعد یہ عاجز خان بہادر خداداد خان ولد مرحوم راضو خان یا رضا محمد خان پٹھان حال ساکن پرانا سکھر، تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں سے گذارش کرتا ہے، کہ میں نے فرصت کا زیادہ تر وقت سندھ کی تاریخ پڑھنے میں گذارا تھا، جو اب میرا وطن ہے، اور مجھے یقین ہے کہ کئی لوگ میرے اس شوق کو پسند فرمائیں گے، ایک ہندوستانی دانشور کے بقول:

بیٹھ کر سیر ملک کی کرنا،
یہ تماشا کتاب میں دیکھا۔

ایسی کتاب، تاریخ کی کتاب ہی سمجھنی چاہئے۔ اس سے متعلق اور بھی کئی اقوال ہیں۔ اس لئے میں تاریخ کی اکثر کتب جیسا کہ ''چچ نامہ''، ''تاریخ معصومی''، ''ارغون نامہ''، ''بیگلارنامہ''، اور انگریزی کی تاریخ اور سندھ کی مختصر تاریخ کے مطالعے میں وقت صرف کرتا تھا، جو سب کی سب سندھ کے حالات پر مشتمل ہیں۔ مؤلفین، مصنفین اور مؤرخین نے مذکورہ بالا تاریخی کتب میں پوری فراست، فصاحت اور بلاغت سے ایسے حالات بیان کئے ہیں جو ضروری بھی تھے اور تاریخ سے متعلق بھی۔ مثلاً، ہر قسم کی فتحمندی کا احوال، ہر طرح کی عجیب اور دلچسپ باتیں، اور اس زمانے کے حکمرانوں کے اوصاف اور ان کے ضروری اور تفصیلی حالات وغیرہ۔

الغرض، ان مؤرخین نے ایسی فصاحت اور تفصیل سے کام لیتے ہوئے، تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کے دل خوش کر دیئے ہیں اور انہیں اپنا گرویدہ اور مداح بنا دیا ہے۔ ان تاریخی کتب کے مصنفین بڑی تعریف کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل و کرم سے نوازے۔

اگرچہ مذکورہ بالا تاریخ میں سے سندھ کے تفصیلی حالات معلوم ہوتے ہیں، مگر پچھلے زمانے کے کچھ ضروری حالات، جنہیں اس کتاب میں درج کرنا انگریز سرکار کے نقطۂ نگاہ سے بہت ضروری ہے، ان بڑی اور ضخیم کتب میں ملنا ناممکن ہے۔ اس لئے کچھ دوستوں اور خاص طور پر مسٹر جیمس صاحب بہادر کمشنر سندھ، کے مشورے پر ''چچ نامہ''، ''تاریخ معصومی''، 'طاہری نسیانی''، ''ارغون نامہ''، ''بیگلار نامہ'' اور ''تحفۃ الکرام'' میں سے، جو سب کی سب معتبر اور آخری کتب ہیں، بڑی مدد لی گئی ہے، اور اسے ترتیب وار مرتب کر کے، اور اپنے پچاس سالہ قلمی نوٹس میں سے کچھ خاص، ضروری اور متعلقہ باتیں اخذ کر کے، ''لُب تاریخ سندھ'' (سندھ کی تاریخ کا خلاصہ) کے نام سے، اللہ سے امید پر، سندھ کی یہ تاریخ رقم کی گئی ہے۔

قارئین سے امید ہے کہ اگر مجھ سے کوئی کوتاہی سرزد ہوگئی ہو، تو اسے خاطر میں لانے کے بجائے، محض اپنے مقصد پر نظر رکھیں اور مجھے اچھے الفاظ سے یاد کریں۔ کیونکہ کہا گیا ہے کہ:

''برا کہنا برے لوگوں ہی کا شیوہ ہے۔''

۔و باللہ التوفیق۔

از طرف مترجم

تاریخ کا علم، اتنا ہی کہنہ ہے جتنا اس زمین پر انسان ذات کا وجود ہے، تاریخ ہمیشہ سے سبق آموز رہی ہے اور تاریخی کتب کی اہمیت بھی ہمیشہ قائم و دائم رہتی ہے، یہ وہ کتب ہیں جو ہمیشہ یادگار رکھتی ہیں۔

"لُب تاریخ سندھ" سندھ کے تاریخی ماخذ میں سب سے آخری کتاب ہے، سندھی ادبی بورڈ نے اس کا فارسی متن اور اس کا سندھی ترجمہ سال ۱۹۵۹ء اور ۱۹۸۹ء میں اشاعتی پروگرام کے تحت چھپوایا ہے، یہ کتاب میری فرمائش پر بورڈ کی پبلیکیشن کمیٹی نے اردو ترجمے کے لیے منظور کی اور مجھے بڑی خوشی ہے کہ میں نے یہ ترجمہ ایک مختصر مدت میں مکمل کر کے بورڈ کے حوالے کیا۔

سندھی ادبی بورڈ نے اس کتاب کی اشاعت اور ترجمے کے نقائص کو بڑی جانفشانی سے دور کیا ہے، اس سلسلے میں، میں بورڈ کے پبلیکیشن شعبے کا انتہائی مشکور ہوں جس سے مجھے گاہے بگاہے رہنمائی ملتی رہی امید ہے کہ اہل علم و اہلِ بصیرت حلقوں میں اس ترجمے کو اصلی کتاب کی حیثیت میں اہمیت اور وقعت ملی گی۔

مختار احمد حاجانو

شکارپور، سندھ

فہرست

باب اول	سندھ کا نام، حدود، دارالحکومت اور اس کے صوبوں کا بیان	11
باب دوم	سندھ کے حکمران گھرانوں کے طبقات	22
پہلا طبق	برہمن گھرانہ	23
دوسرا طبق	اُموی گھرانہ	24
تیسرا طبق	عباسی گھرانہ	34
چوتھا طبق	غزنوی گھرانہ	36
پانچواں طبق	غوری گھرانہ	37
چھٹا طبق	سومرہ گھرانہ	44
ساتواں طبق	سمہ گھرانہ	48
آٹھواں طبق	ارغون گھرانہ	57
نواں طبق	کوکلتاش اور ترخان	64
دسواں طبق	سندھ کے مختلف حاکموں اور اس زمانے کی مختلف اقوام اور ذاتوں کا تفصیلی احوال	99
گیارہواں طبق	کلہوڑہ گھرانہ	103
بارہواں طبق	تالپور گھرانہ	126
باب سوم	انگریز سرکار کے عملداروں کی حکومت	141
سندھ کے گورنر کا مرکز کراچی		141
پہلا کمشنر	مسٹر پرنگل	143
دوسرا کمشنر	سر بارٹل فریئر	143
تیسرا کمشنر	جنرل جان جیکب	145
چوتھا کمشنر	مسٹر انوار ریٹی	150
پانچواں کمشنر	مسٹر ایس۔ مینسفیلڈ	155
چھٹا کمشنر	مسٹر ایڈی رابرٹس	159

ساتواں کمشنر	ہیولاک	162
آٹھواں کمشنر	سر ولیم میری ویدر	167
نواں کمشنر	مسٹر ایف۔ڈی۔میلول (ایکٹنگ)	176
دسواں کمشنر	مسٹر ایچ۔این۔بی ارسکین	176
گیارہواں کمشنر	سر چارلس پرچرڈ	184
بارہواں کمشنر	آنریبل مسٹر ٹریور	196
تیرہواں کمشنر	آنریبل مسٹر ایچ۔ایچ۔ایم جیمس	196
چودھواں کمشنر	سر چالس اولینٹ	215
	مسٹر جیمس کا دوسری مرتبہ آنا	222
پندرہواں کمشنر	مسٹر ونگیٹ (ایکٹنگ)	224
	مسٹر جیمس کا تیسری مرتبہ آنا	226
سولہواں کمشنر	مسٹر آر۔جائیلس (ایکٹنگ)	228
	مسٹر جیمس کا چوتھی مرتبہ چارج لینا	229
	مسٹر جائیلس کا تیسری مرتبہ ایکٹنگ کمشنر بننا	232
	مسٹر جیمس کا پانچویں مرتبہ چارج لینا	237
	مسٹر جائیلس چوتھی مرتبہ ایکٹنگ کمشنر بنا	239
	مسٹر جیمس کا چھٹی بار چارج لینا	242

ایکٹنگ کمشنر صاحبان (جو چھ مہینوں سے کم عرصہ رہے) 252

اختتام 254

کاتب کی طرف سے اختتامی نوٹ 261

کتاب کی تصحیح 262

ضمیمہ 263

فہرست (اسمائے رجال، عمارات، تعمیرات، شہر، بندرگاہ، ممالک و علائقہ جات و کتب) 271

☆ فہرست اسمائے رجال 273

☆ فہرست عمارات، تعمیرات، شہر، بندرگاہ، ممالک و علائقہ جات 298

☆ فہرست کتب 313

باب اول

سندھ کا نام، حدود، دارالحکومت اور اس کے صوبوں کا بیان

سندھ پر، ''سندھ'' نام پڑنے کی وجہ تاریخی کتب سے عیاں ہے۔ بالخصوص 'بیگلارنامہ'، 'تحفتہ الطاہرین' اور 'تحفتہ الکرام' میں سے، جن میں درج ہے کہ ''ہند'' اور ''سندھ'' حام بن نوح علیہ السلام کے بیٹوں کے نام تھے (جو ان ملکوں پر مقرر کئے)۔ صحیح علم اللہ کو ہے۔

ہند اور سندھ کی حدود اکثر تاریخ کے مطابق حسب ذیل تھیں:

۱-مشرقی حد کشمیر اور قنوج تک، جو اس وقت سندھ کی موجودہ حدود سے ہزاروں میل دور ہیں۔

۲-مغربی حد۔مکران اور سمندر کے کنارے تک یعنی لاہوری اور دیول (دیبل بندر) تک، جو فی الوقت بھی سندھ کی حد ہے۔

۳- شمالی حد۔ قندھار، سیستان، جبل سلیمان اور کیکانان تک، جو فی الوقت سندھ سے سینکڑوں میل کے فاصلے پر ہیں۔

۴-جنوبی حد۔سورت بندر تک، جو فی زمانہ سندھ سے سینکڑوں میل دور ہے۔

سندھ کی موجودہ حدود آگے چل کر موقع کی مناسبت سے بیان کی جائیں گی۔

انگریز مؤرخین کے مطابق سکندر ذوالقرنین ۳۲۸ ق۔م میں پنجاب سے دریاء کے راستے سندھ میں داخل ہوا تھا۔ اس زمانے میں سندھ میں کوئی مستقل بادشاہ نہیں تھا، اور سندھ علیحدہ علیحدہ حکمرانوں کے قبضے میں تھا۔ سکندر مہران (دریائے سندھ) میں بیڑے چلاتے ہوئے، سمندر تک جا پہنچا تھا۔ اس کی آمد سے متعلق مذکورہ بالا سن کے ساتھ ہجری سن کا ذکر نہیں کر سکیں گے، کیونکہ ہجری سن تب شروع ہی نہیں ہوا تھا۔

اس دور میں سندھ کا دارالخلافہ اور اس کے صوبوں سے متعلق بیان (بمطابق چچنامہ)

دارالخلافہ ''الور'' (اروڑ) جہاں اس زمانے کا بادشاہ یا راجا خود جلوہ افروز ہوتا

تھا،مہران کے کنارے پر واقع تھا۔

(۱) ''برہمن آباد'' (بانبران)، ''نیرون کوٹ'' (حیدرآباد)، ''دیول''، (ٹھٹہ)، ''لوہانہ''،''لاکھہ''،''سمہ'' اور مہران کی ساری وادی ایک حاکم کے ماتحت ہوا کرتی تھی۔

(۲) ''سیوستان''، (سہون)،''جنکان''،''کوہ پایہ'' اور ''رونجھان'' مکران کی حدود تک، کا علاقہ ایک اور حاکم کے ماتحت تھا۔

(۳) ''اسکلندہ'' کا قلعہ،''بانیہ''،''تلوارہ''،''چچپور'' اور ہندن (؟) کی حدود تک، کا علاقہ تیسرے حاکم کی عملداری میں تھا۔

(۴) ''ملتان''،''سکو''،''برہمپور'' ''کرور''،''اشہار'' اور ''تاکیہ'' کشمیر کی حد تک چوتھے حاکم کے ہاتھ تلے تھا۔

اس کتاب (لُب تاریخ) کا مؤلف ضروری سمجھتا ہے، کہ قارئین کی معلومات کے لئے دارالحکومت اور مذکورہ بالا اس کے صوبوں کا کچھ احوال بیان کیا جائے، تاکہ موجودہ دور کے لوگ حال کا ماضی سے موازنہ کرسکیں اور زمانے کے انقلابوں سے عبرت حاصل کریں۔

دارالحکومت اروڑ کا بیان

اروڑ اب بھی مشہور ہے اور روہڑی سے جنوب مشرق میں پانچ میلوں کے فاصلے پر بڑی نہر (نارہ) کے کنارہ پر واقع ہے۔ایک چھوٹا سا اور ویران گاؤں ہے، جس میں کوری اور ہندو رہتے ہیں۔ جن کے گھروں کی تعداد ایک سو سے زیادہ نہیں ہوگی۔ البت وہاں حضرت شاہ شکر گنج علیہ رحمت کی مزار پُر انوار ہے، جہاں سکھر، روہڑی اور گرد ونواح کے دیہات کے لوگ میلہ کے موقع پر زیارت کرنے اور خربوزے کھانے کے لئے آتے رہتے ہیں۔

سندھ کے صوبوں کا بیان

فی الوقت برہمن آباد''بانبران'' کے نام سے مشہور ہے۔ ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ محض ریت کے ٹیلے۔ٹنڈو آدم کی مشرق میں نومیلوں کے فاصلہ پر واقع ہے۔ نیرون کوٹ کا نام تبدیل ہوکر،''حیدرآباد'' ہوگیا ہے۔ حیدرآباد شہر کی بنیاد سندھ کے حاکم میاں غلام شاہ ولد میاں نور محمد کلہوڑو نے ۱۱۸۲ہجری مطابق ۱۷۶۸ء میں رکھی تھی۔دیبل بندر تبدیل ہوکر،''ٹھٹہ'' بنا ہے، جو سندھ کے سمہ حاکم جام نظام الدین عرف جام نندو نے ۸۹۳ہجری مطابق ۱۴۸۷ء میں اس کی بنیاد رکھی تھی۔مذکورہ بالا ہجری سنہ ابجد کے حساب موجب''بمین این بسم اللہ الرحمن الرحیم'' سے

حاصل ہوتا ہے (ا) لوہانہ، لاکھہ اور سمہ، جو اس صوبہ میں تھے، فی زمانہ موجود نہیں ہیں، اور یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ شہر تھے یا گاؤں یا قلعے؟ البتہ مہران (دریائے سندھ) ہنوز سندھ میں بہتا رہتا ہے۔ انگریزی اور سندھی تاریخ کے مطابق دیبل بندر منوڑہ میں تھا، جو سمندر کے اندر ہے۔مگر یہ بات غلط ہے۔مسلمان مؤرخین نے جو تاریخ مرتب کی ہیں، وہ سب کے سب اس بات پر متفق ہیں کہ دیبل بندر ٹھٹہ میں تھا۔

سیوستان کا نام تبدیل ہوکر، ''سہون'' ہوگیا ہے، اور جنکان، کوہ پایہ اور رونجھان کا فی الوقت نام ونشان بھی نہیں ہے، اور نہ ہی یہ پتہ ہے کہ وہ کیا چیز تھے؟ قلعے یا شہر؟ مگر مکران اور سندھ کی حدود ابھی تک وہ ہی ہیں۔

اسکلندہ کا قلعہ، باتیہ، تلوارہ، چچپور اور ہندن کی حدود تک کا علاقہ ظاہر ہے ہی نہیں، کہ وہ کس مقام پر تھے، اور سندھ کے اندر تھے یا باہر؟ اور وہ شہر تھے یا کچھ اور؟

ملتان کا نام ونشان ابھی تک قائم ہے اور فی زمانہ وہ پنجاب میں شامل ہے۔سکو، برہپور، کرور، اشہار اور تاکیہ شاید پنجاب میں تھے اور شاید اب بھی وہیں جانے پہچانے جاتے ہوں۔

قارئین کرام! ماضی اور حال کے مقابلہ کے بعد امید ہے کہ تم عبرت حاصل کرو گے، کہ کیا تھا اور کیا ہوگیا؟! بزرگوں نے سچ کہا ہے کہ:

طرفۃ العینی جہان برہم زند
کس نمی یاور کہ آنجا دم زند

(اللہ تعالیٰ پلک جھپکنے میں ساری دنیا کو زیر و زبر کرسکتا ہے، اور کسی کی مجال نہیں جو منہ سے کچھ نکال سکے)۔

اور یوں بھی انہوں نے کہا ہے کہ:

کہ از گردش چرخ نیلوفری،
نہ نادر بجا ماند، نے نادری۔

[آسمان کی ایک ہی گردش سے نہ نادر بچ سکا، اور نہ اس کی نادری]۔

راقم الحروف (مؤلف) نے سہون سے متعلق بہت کم درج کیا ہے۔سہون میں ''قلندر'' رونق افروز ہے، جو سندھ کا بادشاہ ہے۔ اب، اس موقع پر اس کا احوال ضرور لکھا جانا چاہئے۔

(ا) اس فقرہ کے اعداد ۹۱۱ ہیں، نہیں کہ ۸۹۳ (ن۔ب)۔

حضرت عثمان مروندی (میمندی) عرف ''لال شہباز قلندر'' ولد سید کبیر، ولد سید شمس الدین، ولد سید نور شاہ، ولد سید احمد شاہ، ولد سید ہادی، ولد سید مہدی، ولد سید منتخب، ولد سید غالب، ولد سید منصور، ولد سید اسماعیل، ولد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام۔ ان کی اصل رہائش مروند (میمند) میں تھی، جو افغانستان کے مشہور شہر ''ہرات'' کی پسگردائی میں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جب اُن کے والد ماجد ابھی کنوارے تھے، تو ایک رات اُنہیں خواب میں اُنہوں نے کہا کہ ''مجھے باہر نکالو''۔ اُن کے والد نے اُنہیں جواب دیا کہ ''بہشت سے باہر آنا بہتر ہے''۔ اُنہوں نے پھر اپنے والد سے عرض کیا کہ ''دنیا میں ظاہر ہونا بھی بہتر ہے۔'' بالآخر اس دور کے بادشاہ کو سید کبیر کی شادی کی خواہش کا پتہ چل گیا، جس نے اپنی شاہزادی اُن کے نکاح میں دی۔ الغرض، حضرت قلندر شہباز ۵۸۳ ہجری مطابق ۱۱۸۷ء میں تولد ہوئے۔ جب بڑے ہوئے تو ہندوستان کی سیاحت کے لئے روانہ ہوئے۔ پہلے شیخ منصور کی خدمت میں، اُنہوں نے صحبت اختیار کی، جو اپنے وقت کے عارف کامل تھے۔ علم حاصل کرنے کے بعد اُن کے ہاتھ پر بیعت کی اور اُن سے رخصت لے کر، حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی، حضرت فرید الدین شکر گنج پاک پتن والے اور حضرت جلال جہانیاں اُچ والے کے ساتھ، ہند اور سندھ کے اکثر حصوں کی سیاحت کی۔ یہ چاروں بزرگ ''ہندوستان کے چار یار'' مشہور تھے۔

حضرت قلندر شہباز کے کئی اشعار میں سے مندرجہ ذیل دو مشہور اور مقبول اشعار (غزل) پیش کئے جاتے ہیں:

(۱)

زعشق دوست ہر ساعت درون نار می رقصم
گہے بر خاک می غلطم، گہے بر خار می رقصم

شدم بدنام از عشقت بیا ای یار من اکنون
نمی ترسم ز رسوائی، بہ ہر بازار می رقصم

بیا ای مطرب و ساقی! سماع و ذوق را دادہ
کہ من از شادیء وصلش قلندر وار می رقصم

منم عثمان میمندی، کہ یار خواجہ منصورم
ملامت می کند خلقی، کہ من بردار بر رقصم

[☆ ہر وقت دوست کے عشق میں آگ کے اندر رقص کرتا (تڑپتا) پھر رہا ہوں- کبھی زمین پر ایڑیاں رگڑتا ہوں اور کبھی کانٹوں پر رقص کرتا ہوں۔

☆ اے دوست! اب آ جا، میں تیرے عشق میں بدنام ہو چکا ہوں- (تاہم، میں) بدنامی سے نہیں ڈرتا (بلکہ) سر بازار رقص کرتا رہتا ہوں۔

☆ اے مطرب! اور اے ساقی! آؤ، گاؤ اور میرے ذوق میں اضافہ کرو- کیونکہ میں، دوست سے وصل کی خوشی میں قلندروں کی طرح رقص کر رہا ہوں۔

☆ میں عثمان میمندی، خواجہ منصور (منصور حلاج) کا دوست ہوں- لوگ مجھے ملامت کرتے ہیں تو میں تختۂ دار پر بھی رقص کر رہا ہوں]۔

(۲)

من آن دُرّم کہ در بحر جلال اللہ بودہ ام
بہ کوہ طور با موسیٰ کلیم اللہ بودہ ام

گہے زُنّار می بستم، گہے قرآن می خواندم
گہے در مذہب ترسا بسی محنت کشیدہ ام

دو صد جامہ کُہن کردم، لباس فقر پوشیدم
بر آن بُرجی کہ من بودم ہزاران یک رسیدہ ام

بہ اسماعیل پیغمبر، بہ ابراہیم بن آزر
دران سر وقت قربانی بقربان گاہ بودہ ام

آیا مُلّا! مکن ظاہر سر اسرار مردان را
ندانستی، ندانستی، کہ سُرّ اللہ بودہ ام

آیا عثمان میمندی! چرا مستی درین عالم
کہ جز ''یا ہُو'' و ''یا مَن ہُو'' دگر چیزی نمی دانم (۱)

[☆ میں ایک ایسا گوہر ہوں، جو اللہ کی عظمت اور جلال کے سمندر میں رہ چکا ہوں۔ اور حضرت موسیٰ کلیم اللہ کے ساتھ طور سینا پر اکٹھا رہا ہوں۔

☆ کبھی جنیہ باندھتا تھا، کبھی قرآن مجید پڑھتا تھا۔ کبھی نصرانی مذہب میں رہ کر، میں نے بڑی مشقت برداشت کی ہے۔

☆ دو لباس پہن کر پرانے کر ڈالے اور (آخر) میں نے فقیرانہ الفی پہنی۔ میں جس برج پر تھا، وہاں ہزاروں لوگوں نے پہنچنے کی کوشش کی، لیکن فقط میں ہی اکیلا وہاں پہنچ سکا۔

☆ میں، قربانی کے وقت قربان گاہ میں حضرت اسماعیل پیغمبر اور حضرت ابراہیم بن آذر کے ساتھ تھا۔

☆ اے ملا! مردان خدا (اللہ والوں) کے راز فاش نہ کر- تو نہیں سمجھتا، نہیں سمجھتا، میں اللہ والوں کا راز ہوں۔

☆ اے عثمان میمندی! اس دنیا میں تو اتنی مستی کیوں کرتا ہے؟ - مجھے ''یا ہو'' اور ''یا من ہو'' (اللہ کی ذات اقدس) کے علاوہ اور کچھ بھی پتہ نہیں ہے]۔

حضرت قلندر شہباز کافی عرصہ سیر و سیاحت میں گذارنے کے بعد، بالآخر سہون میں رونق افروز ہوئے۔ کسی شاعر نے ان کی تشریف آوری کی تاریخ ''نمود آفتاب دین'' (دین کا سورج ظاہر ہوا) میں سے حاصل کی ہے جس سے ابجد کے حساب کے مطابق ہجری سن ٦٤٤ حاصل ہوتا ہے، جو عیسوی سن ۱۲۴٦ کے مطابق ہے (۲)۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت قلندر شہباز سہون میں جس جگہ آ کر منزل انداز ہوئے، وہ بدکار عورتوں کا محلہ تھا۔ حضرت قلندر کے روحانی تصرف کی وجہ سے اس رات کوئی بھی مرد بدکاری کرنے پر قادر نہیں ہو سکا۔ دن کو ایسے لوگوں نے آپس میں

(۱) اس غزل کے قافیوں اور ردیفوں سے لگتا ہے، کہ اس میں تین مختلف غزلات کے ابیات شامل ہیں، جو ایک ہی بحر میں ایک ہی وزن پر مرتب کئے ہوئے ہیں۔ چوتھے، پانچویں اور ساتویں کے قافیہ اور ردیف مطلع کے قافیوں اور ردیفوں سے ملتے جلتے ہیں۔ گویا یہ تینوں اشعار ایک علیحدہ غزل کے اشعار ہیں۔ نمبر دو اور نمبر تین اشعار میں ردیف نہیں ہیں۔ صرف قافیہ ہیں، اور دونوں کے قافیہ ایک جیسے ہونے کی وجہ سے، دونوں اشعار ایک علیحدہ غزل کے اشعار معلوم ہوتے ہیں۔ مقطع کا قافیہ بلکل الگ ہے، یہ کسی تیسرے غزل کا آخری شعر معلوم ہوتا ہے۔ (ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ)۔

(۲) اس فقرہ کے اعداد ٦٤٨ ہیں، نہیں کہ ٦٤٤ (ن۔ب)۔

چہ مگوئیاں کیں اور سمجھ گئے کہ یہ اس بزرگ کا ہی کرشمہ ہے۔ وہ شرمندہ ہوئے۔ انہوں نے توبہ کی اور حضرت قلندر سے انہوں نے معافی مانگی۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جس جگہ حضرت قلندر کا روضہ مبارک ہے، یہ ایک خالی اور بیکار زمین کا ٹکڑا تھا۔ حضرت قلندر اسے ایک مزدور سے صاف کروانے لگے، تو اسی اثنا میں زمین کا مالک پہنچ گیا اور اس نے قلندر کو ایسا کرنے سے روکا۔ قلندر کو جوش آ گیا۔ ایک لاٹھی اسے دے ماری، وہ گر گیا اور مر گیا۔ قلندر نے اسے وہیں پر دفن کروا دیا۔ اس کے عزیز و اقارب آئے اور حجت بازی کرنے لگے۔ قلندر نے ان سے کہا کہ ''کسی بھی آدمی کو نہیں مارا گیا۔ ایک پاگل کتا تھا، اسے مار کر یہاں دفن کروا دیا گیا ہے۔'' انہوں نے زمین کھدوا کر دیکھا تو واقعی ایک کتا تھا۔ وہ پشیمان ہوئے اور لوٹ گئے۔

اے مؤلف! اختصار سے کام لے ورنہ حضرت قلندر شہباز کے احوال اور اس کے کرامات کے بیان کرنے کے لئے ایک علیحدہ داستان مرتب کرنی پڑے گی۔

حضرت قلندر شہباز نے شادی نہیں کی تھی۔ سہون میں فقط چھ برس گذارے، اور پھر ۶۵۰ھ ہجری مطابق ۱۲۵۲ء میں رحمت ایزدی کے آغوش میں جا کر آرام پذیر ہوئے۔ کسی شاعر نے ان کے وصال کا سال ''برحمت'' کے لفظ سے حاصل کیا ہے، جس کے اعداد ۶۵۰ ہیں (۴)۔

حضرت قلندر کا روضہ پہلے ہندوستان کے بادشاہ سلطان محمد شاہ کے چچا زاد بھائی سلطان فیروزشاہ کے زمانے میں تعمیر کیا گیا تھا، جو سلطان محمد شاہ کی وفات کے بعد ۷۵۲ھ ہجری مطابق ۱۳۵۱ء میں تاج اور تخت کا وارث بنا۔ سلطان فیروز شاہ اس وقت ٹھٹہ میں تھا اور ہندوستان روانہ ہونے سے قبل قلندر کی زیارت سے فیضیاب ہوکر، بعد میں گیا تھا۔ روضہ کی تعمیر کا کام ملک رکن الدین عُرف اختیار الدین کے سپرد کر کے گیا، جو اس وقت سیوستان (سہون) اور ٹھٹہ کا حاکم تھا، جس نے ۷-رجب ۷۵۷ھ ہجری پہ روضہ کی تعمیر کا کام مکمل کرایا، جیسا کہ درج ذیل قطعہ سے ظاہر ہوتا ہے:

بعہد دولت فیروز شہہ سلطان دین پرور
کہ خاک در گہش سازندشاہان جہان افسر
از آن گاہے کہ بر تخت شہنشاہی نشست آن شہہ
سراسر گشتہ گیتی از شعاع دولتش انور

---

(۴) ''نمود آفتاب دین'' اور ''برحمت'' کے اعداد سے ظاہر ہوتا ہے کہ قلندر نے سیوہن میں فقط دو برس گذارے (ن۔ب)۔

عمارت شد مقام شیخ عثمان پیر میمندی
ولی اللہ کہ او باز سفید بحر بود و بر
چہ زیبا بارگاہی شد بہشتی طاق برگنبد
کہ رنگ نُہ فلک گشتہ ز رنگ بام او اخضر
اگرچہ اولیا اندر زمان شیخ بس بودند
و لیکن بود او از ہمگنان بالاتر و بر تر
بروز ہفتم از ماہ رجب مبنی شد این روضہ
بسال ہفصد و پنجاہ و ہفت از ہجرت مہتر
بنایش کرد والی اختیارالدین ملک ارشد
امیری عادل و بادل، تہمتن، ثانی اسکندر
کہ تابود است سیوستان، نبود است اینچنین والی
سخی و مشفق و مکرم، تقی و پاک دین دیگر
امید است اینکہ می یابد جزائے اینچنین چیزی
ہزاران قصر در جنت بفضل ایزدی اکبر

[☆ سلطان فیروز شاہ دین پرور بادشاہ کی حکومت کے زمانے میں- جس کی بارگاہ کی مٹی کو دنیا کے بادشاہ اپنا تاج سمجھتے ہیں۔

(۲) جب سے وہ بادشاہ، شہنشاہی کے تخت پر جلوہ افروز ہوا ہے- ساری دنیا اس کے بادشاہی نور سے منور ہو گئی ہے۔

☆ حضرت عثمان میمندی کا روضہ تعمیر ہو گیا ہے، جو ولی اللہ تھا اور بحر و بر کا سفید باز۔

☆ کیسی خوبصورت درگاہ ہے، جس کا گنبد بہشت جیسے محرابوں سے آراستہ ہے- اور نو ہی آسمانوں کا رنگ، اس کے بالاخانہ کے رنگ کے سامنے پھیکا پڑ گیا ہے (یا بالا خانہ کے رنگ کی وجہ سے سبز نظر آ رہا ہے)۔

☆ اگرچہ حضرت قلندر کے زمانے میں اور بھی بہت اولیاء تھے، لیکن قلندر سب سے بڑے درجہ والے تھے۔

(٦) یہ روضہ مبارک رجب مہینے کی ساتویں تاریخ کو تعمیر ہوا اور ہجری سال ۷۵۷ تھا۔

(۷) یہ روضہ معزز حاکم ملک اختیارالدین نے تعمیر کروایا- جو منصف مزاج حاکم، سخی، بہادر اور مرتبہ میں سکندر کی مثل تھا۔

☆ جب سے سہون شہر آباد ہوا ہے، ایسا حاکم نہیں ہوا ہے، جو سخی، مہربان، بخشش دینے والا، پرہیزگار اور خوش اعتقاد دیندار ہو۔

☆ امید ہے کہ اسے اس چیز کے عوض اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہشت میں ہزاروں محلات عطا ہوں گے]۔

اس کے بعد ٹھٹہ کے حاکم مرزا جانی بیگ ترخان اپنی حکومت کے زمانے (۹۹۳ سے ۱۰۰۰ ہجری مطابق ۱۵۸۵ء سے ۱۵۹۱ء تک) میں روضہ کو از سر نو پہلے سے بڑا، موزوں اور خوبصورت بنوایا۔ اس کی وفات کے بعد، اس کے فرزند مرزا غازی بیگ ترخان اپنے دور حکومت (۱۰۰۹ ہجری سے ۱۰۲۱ ہجری مطابق ۱۶۰۰ء سے ۱۶۱۲ء تک) میں اس کی مرمت کروائی، مگر وہ ابھی مکمل ہی نہیں ہوئی تھی، تو ہندوستان کے بادشاہ دین پناہ شہنشاہ شاہ جہان نے اسے بنوایا۔ جو سچ مچ اسم بامسمیٰ تھا (یعنی جیسا اس کا نام تھا، خود بھی ویسا ہی تھا)۔ کیونکہ راقم الحروف (مؤلف) ہندوستان کی سیاحت کے دوران اپنی آنکھوں سے اس کے کروائے ہوئے خیر کے کام مساجد، تالاب اور پل وغیرہ دیکھے ہیں۔ میں تفصیل میں جانے کے بجائے اختصار سے کام لے رہا ہوں۔ دارالسلطنت دہلی والی جامع مسجد اور ٹھٹہ والی جامع مسجد اسی بادشاہ جہان پناہ کی خواہش سے تعمیر ہوئیں۔ سہون میں نواب دیندار خان بخاری کو ۱۰۳۶ ہجری مطابق ۱۶۲۱ء میں خاص طور پر قلندر کے روضے کی تعمیر کے لئے اس نے مقرر کیا، اور ایک جریب زمین خانقاہ مبارک اور اس کا صحن شریف وغیرہ اپنے اخراجات پر کاشی کی اعلیٰ درجہ کی اینٹوں سے بنوایا۔ اس کی تعمیر، زیبائش اور آرائش کی تاریخ درج ذیل قطعہ سے حاصل ہوتی ہے:

بہ دوران شہاب الدین جہان شاہ - جہان از فضل او خرسند و آباد
قبول آمد نیاز خان دین را - درآن حضرت کہ چون طالع بود شاد
چہ گویم وصف آن صحن مقدس - بجائ خشت انجم چید اُستاد
چو خواہی سال آن بافہم و دانش - بمقطع بین کہ آمد سال بنیاد
یکی باشد ز ''فرش مسند شاہ'' - دگر باشد ز ''فرش جنت آباد''
۱۰۴۰ھ ۱۰۴۱ھ

[☆ بادشاہ شہاب الدین شاہ کے زمانے میں - جس کی سخاوت کی وجہ سے دنیا آباد و خوشحال ہے۔

(اگرچہ مؤلف کو کچھ اشعار میں سقم نظر آ رہے ہیں، لیکن چونکہ روضہ مبارک سے متعلق رقم شدہ ہیں، اس لئے لب کشائی کرنے کی مجال نہیں ہے)۔

☆ قلندر کے حضور میں دیندار خان کا نذرانہ قبول ہوا - کیونکہ اس کی قسمت اچھی تھی۔

☆ میں اس مقدس صحن کی کیا تعریف کروں - کاریگر نے اینٹوں کی بجائے ستارے سجا دیئے ہیں۔

☆ اگر تو اس کا سال معلوم کرنا چاہتا ہے - تو مقطع (آخری شعر) پر نظر ڈال، جس سے تعمیر کا سال حاصل ہوتا ہے۔

☆ایک سال ہے ''فرش مسند شاہ'' - دوسرا ہے ''فرش جنت آباد'']۔

اور دروازہ کے باہر مسجد شریف، چبوترہ اور حجرے بادشاہ دین پناہ (شاہ جہان) کی طرف سے نواب دیندار خان کے تعمیر کردہ ہیں۔ مسجد کی تعمیر کا سال درج ذیل قطعہ سے حاصل ہوتا ہے:

بدور شہنشاہ شاہ جہان - جہان از نوالش چو باغ بہشت
چو مسجد بنا کرد دیندار خان - بدرگاہ شہباز عالی سرشت
خرد گفت سالش ''چو بیت العتیق - دگر ''مسجد از شیخ بہوہ'' نوشت
۱۰۴۳ ۱۰۳۲

ترجمہ

[(۱) شہنشاہ شاہ جہان کے دور حکومت میں - جس کی سخاوت کی وجہ سے دنیا بہشت کا باغ بن گئی ہے۔

(۲) جب دیندار خان قلندر شہباز جیسے عالی شان خاندان کی درگاہ میں مسجد تعمیر کروائی۔

(۳) تو عقل نے اس کی تعمیر کا (ایک) سال ''چو بیت العتیق'' بتایا - اور دوسرا سال ''مسجد از شیخ بہوہ'' اس نے لکھا]۔

مجھے (مؤلف) شاباش ہو، جو میں نے اتنی محنت سے مندرجہ بالا شخصیات کے کارنامے بیان کئے ہیں۔اب سجادہ نشین صاحبان کا مختصر سا احوال بیان کر کے، یہ تذکرہ ختم کر دینا چاہئے۔

اس وقت سجادہ نشین کے تین خاندان مشہور ہیں۔ ہر ایک (۱) سید حاجی گل محمد شاہ باجارہ والے، (۲) سید حاجی محمد صادق شاہ لکیاری اور (۳) سید حاجی فتح علی شاہ سیوانی۔ یہ خاندان زمیندار اور سرکاری دربار میں کرسی نشیں ہیں۔ سال بسال جب ۱۸-۱۹ اور ۲۰ شعبان

المعظم پر حضرت قلندر کی درگاہ پر میلہ منعقد ہوتا ہے اور اس موقع پر ہندوستان، افغانستان، بلوچستان اور سندھ سے ہر طبقے کے لوگ مسلمان، ہندو، اعلیٰ، ادنیٰ، بوڑھے، جوان، عورتیں اور مرد آ کر جمع ہوتے ہیں، تو سارے لوگ، سجادہ نشین صاحبان کی خدمت میں پیش ہوتے ہیں اور درگاہ پر آمدنی اور خرچ وغیرہ جو کچھ بھی ہوتا ہے، وہ سب کچھ سجادہ نشین صاحبان ہی کی معرفت ہوتا ہے۔ میلہ کے موقع کے علاوہ روزانہ صبح شام حضرت قلندر کے دروازے پر خلقت کے اتنے ہجوم ہوتے ہیں، کہ بیان کرنے سے باہر ہیں۔ کیوں نہ ہوں؟ آخر حضرت قلندر شہباز سندھ کا بادشاہ ہے۔

بابِ دوم

سندھ کے حکمران گھرانوں کے طبقات

رائے گھرانے کا بیان، جو مذکورہ بالا ہند اور سندھ کے علاقوں پر قدیم زمانہ سے حکومت کرتا تھا۔

اگرچہ سندھ کی قدیم تاریخ سے یہ تو معلوم ہوتا ہے، کہ یہاں رائے گھرانہ کی حکومت تھی، مگر کسی بھی مؤرخ نے یہ نہیں لکھا کہ اس گھرانے کی حکومت کب سے شروع ہوئی، اور کون سا حکمران کب تخت نشین ہوا اور کب تخت سے اترا۔ کچھ مؤرخوں نے رائے گھرانے کی حکومت کا عرصہ ایک سوسینتیس (۱۳۷) سال لکھا ہے، مگر یہ زمانہ بھی حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے قبل کا زمانہ ہے۔ اس لئے راقم الحروف بھی اوائلی مؤرخوں کی پیروی کرتے ہوئے، لکھ رہا ہے۔

رائے گھرانے کا پہلا حکمران ''رائے دیوانج'' تھا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ''رائے سہارس'' تخت نشین ہوا۔ اس کی وفات کے بعد ''رائے سہاسی'' اس کا جانشیں ہوا۔ بعد میں ''رائے سہارس دوم'' تخت پر بیٹھا۔ اس کے ایام میں ''نیمروز'' (ایران) کے بادشاہ نے مکران پر چڑھائی کر دی، جو دارالحکومت اروڑ سے وابستہ تھا (یعنی مکران سندھ کا علاقہ تھا)۔ رائے سہارس بڑا لشکر اپنے ساتھ لے کر اور مطلوبہ ساز و سامان کے ساتھ، مکران پہنچا۔ فریقین میں لڑائی چھڑ گئی، جو صبح سے لے کر نیمروز (دو پہر) تک ٹھیک ٹھاک چلی، لیکن خدا کی قدرت، جو رائے سہارس لڑائی میں قتل ہو گیا اور اُن کا لشکر ہار کر، رائے سہارس کے بغیر، سندھ میں پہنچ گیا۔ رائے سہارس چونکہ بے اولاد تھا، اس لئے ''رائے سہارس دوم'' امراء کے مشورہ سے تخت نشین ہوا اور اپنی حکومت کا زمانہ اس نے اچھے طریقے سے گذارا۔ رعایا پر جو محصول مقرر تھا، وہ اس نے معاف کر دیا اور اس کے عوض اس سے ''اُچ''، ''ماتھیلو''، ''سیورائی''، ''مئو''[1] ''اروڑ'' اور ''سہون'' کے قلعے مٹی سے بھروا دئے۔ فی زمانہ اُچ پنجاب میں ہے اور سیورائی اور مئو کا نام و نشان ہی ظاہر نہیں ہے[2]۔

رائے سہاسی دوم سنہ ۷ ہجری مطابق ۶۲۸ء میں بے اولاد مر گیا اور اس کی جگہ ''چچ

---

[1] اصل میں ''موذ'' لکھا ہے۔

[2] ''سیوراہی'' (سیورائی) ریاست بہاولپور کی حدود میں موجود ہے۔

ولد سیلائج'' برہمن، جو اروڑ کا باشندہ تھا، اور بہت ہی خوبصورت اور عقلمند تھا۔ فوت ہونے والے راجہ کی رانی ''سوہندی'' کی محبت اور عقلمندی کی وجہ سے تخت نشیں ہوا اور پھر اس سے شادی کر لی۔

فی الحال رائے گھرانے کے حکمرانوں کی اولاد سندھ میں نظر نہیں آ رہی۔ شاید مسلمانوں یا ہندوؤں کی کسی ذات میں ضم ہو گئی ہے۔

پہلا طبق

برہمن گھرانے کی حکومت، جو رائے گھرانے کے بعد سندھ میں قائم ہوئی

جب چچ ولد سیلائج برہمن سنہ ۷ ہجری مطابق ۶۲۸ء میں تخت نشیں ہوا، تو ''رانو مہرت'' جو رائے سہاسی کا عزیز تھا، اور ''چتور پور'' یا ''جودھ پور'' (راجپوتانا) کا حاکم تھا[3] لڑائی کے لئے تیار ہو کر آ گیا، لیکن چچ نے اسے دھوکہ سے قتل کر ڈالا اور اس کے لشکر کو شکست دی۔ اس کے بعد چچ نے سلطنت کی حدود اچھی طرح مضبوط کر دیں اور چالیس برس تک حکومت کی۔ چچ کے بعد اس کا بھائی چندر تخت نشیں ہوا اور ۷ برس حکومت کرنے کے بعد مر گیا۔ چندر کے بعد چچ کا بیٹا ڈاہر اپنی موروثی سلطنت کا حکمران بنا، اور ۹۳ ہجری مطابق ۷۱۲ء میں[4] مسلمان غازیوں کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ اس کا احوال مسلمان غازیوں کے احوال میں بیان کیا جائیگا۔ برہمن گھرانے کی حکومت تقریباً ۸۵ برس قائم رہی۔

سنہ ۹۳ ہجری مطابق ۷۱۲ء میں محمد بن قاسم کی افواج کی آمد سے قبل، خلفائے راشدین کے زمانے میں، سندھ کے حکمرانوں سے کچھ عرب حکمرانوں کی جنگوں اور سندھ کے کچھ علاقے فتح کرنے کا احوال

کچھ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور پُر نور محمد مجتبیٰ احمد مرتضیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ تھا کہ ہند اور سندھ کے علاقے فتح کئے جائیں۔ لیکن ''کُلُّ اَمرٍ مَرھُونٌ بِاَوقاتِہا'' (ہر کام اپنے وقت پر ہوتا ہے) کے مصداق ایسا نہ ہوسکا۔ اور یہی سبب ہے کہ آج تک ہر پیش امام، فرض نماز پڑھانے کے بعد (دعا مانگنے سے قبل) شمال کی طرف رخ کر کے بیٹھ جاتا ہے۔ یوں حضور کی پیروی میں کیا جاتا ہے۔ حضور والاعلیٰ فرض نماز کے بعد ہمیشہ منہ مبارک شمال کی طرف کر کے بیٹھتے تھے، کیونکہ انہیں ہند اور سندھ فتح کرنے کی تمنا ہوا کرتی تھی۔

---

[3] یہ لفظ ''فتحنامہ'' موجب ''چترور (چتروڑ)'' ہے، جو فی الوقت بھی راجپوتانا (ہندستان) میں موجود ہے۔

[4] راجا ڈاہر ''فتحنامہ'' موجب ۹۲ ہجری مطابق ۷۱۰ء یا ۷۱۱ء میں قتل ہوا (ڈاکٹر نبی بخش بلوچ)

سندھ کی کچھ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ مکران اور کرمان خلفائے راشدین (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کے زمانۂ خلافت میں ان کے قبضے میں آ گئے تھے اور ان ہی کے زمانے میں دیبل بندر (ٹھٹہ) ۵ پر چڑھائی کی گئی تھی، اور حالات معلوم کرنے کے لئے آدمی بھی بھیجے گئے تھے، جس طرح حکیم بن جبلہ کی بات سے معلوم ہوتا ہے، جس سے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ کسی خلیفہ کے زمانے میں آیا تھا، اور یہاں سے جانے کے بعد سندھ سے متعلق دربار خلافت میں اس نے رپورٹ دی تھی کہ

''ماؤھا وشل و ثمرھا دقل و ارضھا جبل و اھلھا بطل، اِن قل الجیش بھا ضاعوا و اِن کثروا جاعوا''

[سندھ کا پانی میلا ہے، میوہ بے مزہ، زمین پتھریلی اور لوگ بہت زورآور، اگر لشکر تھوڑا ہوگا تو ختم ہو جائے گا اور اگر زیادہ ہوگا تو بھوک مر جائے گا]۔ راقم الحروف کا مطلب یہ ہے کہ تینوں بڑے خلفاء حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت علی المرتضیٰ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) اور ان کے بعد جو حضرات (خلافت کی) مسند پر جلوہ افروز ہوئے، انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی مبارک کو عملی جامہ پہنایا۔

دوسرا طبق

اُموی گھرانہ

خلیفہ ولید بن عبدالملک بن مروان کے زمانہ ۹۲ ہجری مطابق ۷۱۰-۱۱ء میں سندھ میں اسلام کی فتح

سندھ کی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کو معلوم ہو کہ ۹۲ ہجری مطابق ۷۱۰-۱۱ء میں، بلکہ اس سے بھی قبل کئی برسوں سے داہر ولد چچ برہمن ہند اور سندھ کے ان علاقوں پر راج کرتا تھا، جن کا احوال مذکور ہو چکا۔ داہر کی حکمرانی کے زمانے میں سرندیپ کا ایک قافلہ جہازوں یا کشتیوں کے ذریعہ دیبل بندر (ٹھٹہ) سے گذرا۔ قافلہ میں خلیفہ کے لئے تحائف بھی تھے تو کنیزیں بھی تھیں (جو سرندیپ کے راجا نے بھیجی تھیں)۔ وہ قافلہ دیبل بندر کے عملداروں کی شرارت کی وجہ سے لوٹ لیا گیا۔ کنیزیں قید کر دی گئیں، جنہوں نے تین دفعہ ''اغثنی، اغثنی، اغثنی یا

---

۵ مؤلف نے خواہ مخواہ دیبل بندر کو ٹھٹہ سے ملا دیا ہے، جو غلط ہے۔ ٹھٹہ کی بنیاد سمہ دور میں آٹھویں صدی ہجری میں پڑی تھی۔ دیبل ایک قدیم شہر تھا، جو سمندر کے کنارے واقع تھا۔ ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ کا مضمون ''دیبل کا امکانی محل وقوع''، جو حیدرآباد دکھن کے ایک رسالہ ''اسلامک کلچر'' جولاءِ ۱۹۵۶ء میں شایع ہوا۔ (ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ)

خلیفۃ پکارا، یعنی اے خلیفۃ المسلمین ہماری فریاد سن۔" خلیفۃ المسلمین، مکران کے گورنر کی حجاج بن یوسف ثقفی ۱ؔ کی معرفت دیبل بندر کے حاکموں سے خط و کتابت کی۔ انہوں نے، اور خصوصاً (سندھ کے راجا) داہر ولد چچ نے جواباً اس واقعہ سے لاعلمی کا اظہار کیا اور جھوٹے بہانے بنانے لگے۔

بالآخر کچھ عرصے کے بعد خلیفۃ المسلمین، محمد بن قاسم (بن محمد) بن (ابی) عقیل ثقفی کو، جو حجاج بن یوسف کا چچا زاد بھائی اور داماد تھا اور ہنوز سترہ برس کا نوجوان تھا، سندھ اور ہند فتح کرنے کا حکم صادر کیا۔ محمد بن قاسم سواروں اور پیادوں کا لشکر اپنے ساتھ لے کر اور رسد اور جنگی ہتھیار لے کر، کرمان اور مکران کے راستے بارمن بیلہ (لس بیلہ) پہنچا اور اسے فتح کر کے، خشکی کے راستے سندھ میں وارد ہوا۔

اس موقع پر راقم الحروف کو کچھ کہنا ہے، اور "تاریخ معصومی" کے مؤلف پر اعتراض کرنا ہے، جس نے لکھا ہے کہ "اسلامی لشکر محمد بن قاسم کی کمانڈ کے تحت پہلے نیرون کوٹ یعنی حیدرآباد میں آیا اور اس کے بعد دیبل بندر گیا۔" مگر تحفۃ الکرام والا اور دیگر مؤرخ لکھتے ہیں کہ "محمد بن قاسم پہلے دیبل بندر پر جا کر حملہ آور ہوا تھا۔" راقم الحروف درج ذیل وجوہات کی بنا پر ان مؤرخوں سے اتفاق کرتا ہے:

(۱) جیسا کہ اسلامی لشکر عراق عجم، مکران اور لس بیلہ کے راستے سندھ میں وارد ہوا، اس لئے اسے حب ندی کے پاس سے گذرنا پڑا ہوگا۔ راقم الحروف نے مذکورہ بالا علاقوں میں سے کئی ایک علاقے خود وہاں جا کر دیکھے ہیں۔ ان علاقوں کے ایک طرف سے پہاڑوں کی قطاریں ہیں اور دوسری جانب سے سمندر، جب یہ صورتحال ہے تو پھر اسلامی لشکر کے سپاہی حب ندی سے گذر کر پہلے کراچی پہنچے ہونگے (اگرچہ اس زمانے میں کراچی شہر کا نام و نشان بھی نہیں ہوگا، جو فی الوقت سندھ کا دارالحکومت ہے) اور پھر کراچی سے دیبل بندر گئے ہونگے، جو نوے میلوں سے کم فاصلے پر نہیں ہے۔

(۲) سندھ کی تاریخ کی سب کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد بن قاسم کو قیدی آزاد کروانے اور بیوپاریوں کو ان کا غصب شدہ مال واپس کروانے کے لئے بھیجا گیا تھا، جنہیں دیبل بندر پر لوٹا گیا تھا، تو پھر ایسا کیونکر ہوسکتا ہے کہ ایسے اہم اور اصلی جگہ کو راستے میں چھوڑ کر، جہاں یہ واقعہ ہوا تھا، ساٹھ میل آگے بڑھ کر، نیرون کوٹ (حیدرآباد) گیا ہو؟ یہ بات سمجھ سے باہر ہے۔ تاہم بات پرانی ہے، نہیں کہا جا سکتا کہ اصل حقیقت کیا ہے؟

۱ؔ حجاج بن یوسف عراق کا گورنر تھا اور مکران بھی اسی کی عملداری میں تھا۔ (ن-ب)۔

الغرض، پچھلے مؤرخین کی رائے کے مطابق محمد بن قاسم لشکر اپنے ساتھ لے کر، دیبل بندر (ٹھٹہ) پہنچ کر اور دوسرا لشکر اور ساز و سامان جو خلیفۃ المسلمین نے جہازوں میں لاد کر، سندھ روانہ کیا تھا، محمد بن قاسم کے ہاں پہنچ گیا۔ دیبل کا قلعہ بہت ہی مضبوط تھا۔ اسے منجنیق سے توڑا گیا اور لوگوں کو قتل اور زخمی کیا گیا۔ جیسر[1] ولد داہر، جو دیبل کا حاکم تھا، نیرون کوٹ کی طرف بھاگ گیا۔ غنیمت کا مال ہاتھ کرنے اور ''دیول'' نامی بت کو توڑنے کے بعد وہاں مسجد تعمیر کروائی گئی۔ محمد بن قاسم نے قیدیوں کو آزاد کروا کر اپنے پاس بلوایا اور ان سے حال احوال دریافت۔ قیدیوں نے ''گیلے'' نامی جیل کے محافظ (جیلر) کی تعریف کی اور انہوں نے کہا کہ'' اگرچہ وہ مسلمان نہیں ہے، پھر بھی ہمارے ساتھ مسلمانوں کی طرح پیش آتا رہا۔'' محمد بن قاسم نے قیدیوں کو تحائف اور مال غنیمت سمیت خلیفۃ المسلمین کے پاس روانہ کیا، اور خود اسلامی دستور مطابق انتظامی کاموں میں مصروف عمل رہا۔ احمد بن وداع نجدی[2] کو دیبل کا حاکم مقرر کر کے نیرون کوٹ کا رخ کیا۔ کچھ سامان ''ساکرہ'' ندی، جسے آجکل ''بگھاڑواہ'' کہتے ہیں، کے راستے نیرون کوٹ بھجوا دیا۔ خود تقریباً ہفتے میں نیرون کوٹ پہنچ گیا، اور جانے سے پہلے گیلے (جیلر) کو، جس نے اسلامی طرز زندگی اختیار کی تھی، احمد بن وداع کے ساتھ دیبل کے حکومتی کاروبار میں شریک کیا گیا (یعنی مدد کرنے کے لئے اس کی ماتحتی میں دے کے گیا)۔

جیسر ولد داہر، جو دیبل سے بھاگ کر، نیرون کوٹ پہنچا تھا۔ دیبل کے فتح ہو جانے کے بعد اور نیرون کوٹ میں محمد بن قاسم کے پہنچنے کی بات سن کر، وہاں سے برہمن آباد (بانبھران) کی طرف بھاگا اور نیرون کوٹ کے سابق حاکم ''سمنی'' کو وہاں چھوڑ گیا۔ نیرون کوٹ والوں نے قلعے کا دروازہ بند کر کے، جنگ کی راہ اختیار کی اور مسلمانوں کے لئے پانی، گھاس اور دیگر مطلوبہ رسد بند کر دی۔ جس وجہ سے اسلامی لشکر کو سخت مشکل کا سامنہ کرنا پڑا۔ لیکن بالآخر قلعے کا حاکم تھک گیا اور مسلمانوں کو مطلوبہ رسد بھی بھیجی، خود بھی مسلمان ہو کر اطاعت قبول کی اور قلعہ کی چابیاں بھی مسلمانوں کے حوالے کر دیں۔ مؤرخوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ محمد بن قاسم کی دعا سے برسات برسنے لگی اور اس وجہ سے مسلمانوں کی تکلیف میں افاقہ ہوا۔

آخر کار امیر محمد بن قاسم فتحیابی اور تمام انتظامی امور کی سرانجامی کے بعد، مسلمانوں

---

[1] فتحنامہ کے مطابق ''حیسینہ''

[2] فتحنامہ کے مطابق حمید بن وداع (ن۔ب)۔

کے دستور مطابق نیرون کوٹ میں ایک شاندار مسجد تعمیر کروائی اور اس کے لئے مؤذن (اور امام) وغیرہ کا اچھی طرح بندوبست کر کے، شہر کا انتظام ایک شمنہ حاکم [8] کے سپرد کر دیا، اور پھر اس نے اپنے سارے لشکر اور سامان اسباب سمیت سہون کی طرف کوچ کیا۔ جب وہ سہون پہنچا، تو نیرون کوٹ کا حاکم سمنی نے جو مسلمان ہو چکا تھا اور محمد بن قاسم کے ساتھ تھا، سہون کے حاکم بجیراء ولد چندر کو لکھ بھیجا کہ ''عربوں کی لشکر کے ساتھ جنگ کرنا مشکل ہے۔ اس لئے تمہیں بھی میری طرح اطاعت قبول کر کے، قلعے کی چابیاں مسلمانوں کے حوالے کر دینی چاہئیں۔'' مگر اس نے یہ مشورہ نہیں مانا اور جنگ شروع کر دی۔ اسلامی لشکر نے سات دنوں تک قلعے کا محاصرہ جاری رکھا۔ آخر سہون کا حاکم مجبور ہو کر، بھاگ نکلا اور ''حصار سیسم'' (سیسم کے قلعے) [9] کے حاکم کے ہاں پناہ لے لی (فی الوقت یہ پتہ نہیں چل سکتا کہ سیسم کا قلعہ کس جگہ واقع تھا)۔ محمد بن قاسم سہون کے قلعے میں داخل ہوا۔ قلعے والوں کو قتل اور زخمی کیا۔ جنہوں نے امان چاہی انہیں امان دے دی۔ سب دینی معاملات کا ٹھیک ٹھیک اور نہایت ہی اچھا بندوبست کیا۔ خلیفۃ المسلمین کی طرف تحائف اور مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ بھیج دیا اور ایک معتبر آدمی کو سہون کا حاکم مقرر کر کے، خود سیسم کے قلعے کی طرف روانہ ہوا، جہاں ''کاکو ولد کوتل'' [10] حاکم تھا۔ دریاء کے اس پار کچھ لوگوں نے اسلامی لشکر پر شب خون مارا۔ مگر حملہ آور (واپسی پر) راستہ بھول گئے اور پشیمان ہو کر، محمد بن قاسم کے سامنے پیش ہوئے۔ جس نے انہیں پناہ دی، ان پر محصول مقرر کیا۔ کچھ بھاگ کھڑے ہوئے اور بہطور [11] سالوج اور قندائیل کے قلعوں کی طرف چلے گئے۔

راقم الحروف کو اچھی طرح معلوم ہے کہ اس وقت تینوں قلعوں کا کوئی نام و نشان نہیں ہے اور نہ یہ معلوم ہے کہ یہ قلعے کس جگہ تھے۔ محمد بن قاسم نے بڑی خونریزی کے بعد ان قلعوں کو فتح کیا۔ مختلف اقوام کو امان دی اور ان پر محصول مقرر کیا۔ اس کے بعد حجاج بن یوسف کے حکم پر نیرون کوٹ کے قلعے کی طرف جانے کی تیاری کی تو اسی اثنا میں چنہ قوم کا ایک مخبر آ پہنچا۔

اس وقت ظہر کی نماز کی اذان ہو چکی تھی اور محمد بن قاسم جماعت کی صفیں سیدھی کروا کر، نماز پڑھا رہا تھا اور جماعت، نماز کے سارے ارکان: قیام، رکوع، قعود، سجود اور دیگر حرکات و سکنات اس کی امامت میں ادا کر رہے تھے۔ وہ مخبر، یہ حیرت انگیز باتیں دیکھنے کے بعد لوٹ گیا

---

[8] دراصل اس کا نام ہی شمنہ تھا۔

[9] فتحنامہ موجب سب مؤرخین نے ''سیم'' لکھا ہے۔

[10] فتحنامہ موجب بڈھو ولد کاکو ولد کوتک۔

[11] اصل میں ''محصل'' ہے۔ (ن۔ب)۔

اور اپنی قوم سے جا کر کہا کہ ''میں نے اس لشکر میں اتنا اتحاد دیکھا ہے، کہ وہ جس مقصد کو پورا کرنے کا ارادہ کریں گے، اسے ضرور پورا کریں گے۔'' اور پھر انہوں نے امامت اور جماعت کا احوال، جس طرح اس نے دیکھا تھا، اس طرح بیان کر کے بتایا۔ یہ عجیب اور حیرت انگیز احوال سن کر، ان کے دلوں میں سخت خوف پیدا ہوا اور وہ نذرانہ لے کر، محمد بن قاسم کے حضور میں حاضر ہوئے۔ وہ اس وقت آئے جب مسلمانوں کے سامنے دسترخوان بچھا ہوا تھا اور کھانا کھا رہے تھے۔ جس وجہ سے محمد بن قاسم نے انہیں ''مرزوق'' (رزق والے) کہا [۱۲]۔ چنہ قوم اسلام قبول کر کے اور اپنے اوپر عشر مقرر کروا کے، واپس لوٹ گئے۔ اس واقعہ کی وجہ سے ابھی تک چنہ قوم کو کبھی کبھی ''مرزوق'' کہا جاتا ہے۔ چنہ قوم کے لوگ فی زمانہ دادو اور جوہی تحصیلوں میں کاشتکاری زمینداری کرتے ہیں۔ چنہ قوم کا سردار وڈیرہ خدا بخش خان ولد مرحوم پنہوں خان ہے، جو سرکار کا درباری یعنی کرسی نشیں ہے۔

امیر محمد بن قاسم ان قلعوں کو فتح کرنے کے بعد ''چچنامہ'' اور ''تحفۃ الکرام'' مطابق نیرون (حیدرآباد) کے قلعے میں آیا مگر ''تاریخ معصومی'' مطابق ٹلٹی سے، جو آج تک دریائے سندھ کے کنارے پر ایک چھوٹا سا گاؤں ہے، دریاء پار کر کے، سندھ کے دارالسلطنت اروڑ کی طرف روانہ ہو گیا۔

راقم الحروف جیسا کہ اختصار کے کام لے کر دارالسلطنت اروڑ کی فتح کا بیان کرنا چاہتا ہے، اس لئے مذکورہ بالا مؤرخین کے اقوال کو نظر انداز کر کے، لکھتا ہے۔

بہر حال امیر محمد بن قاسم دریائے سندھ میں سے اس پل کے ذریعہ پار ہوا، جو کشتیوں سے بنائی گئی تھی۔ دریاء کے کنارے پر کفار نے بڑی تعداد میں اکھٹے ہو کر، لڑائی شروع کر دی۔ لیکن مسلمانوں کا جھنڈا فتح اور نصرت کی باد سے پھڑکنے لگا اور وہ راور [۱۳] کے نزدیک جا پہنچا۔ مگر قلعہ بہت مضبوط تھا، جس وجہ سے انہوں نے منجنیق، آگ کے گولے اور دیگر ہتھیار استعمال کرنا شروع کئے، جو انہوں نے روم اور ایران والوں کو استعمال کرتے ہوئے دیکھے تھے۔ یوں دس دنوں تک جنگ جاری رہی۔ حتیٰ کہ رمضان المبارک سنہ ۹۳ھ مطابق سنہ ۷۱۲ع کی دسویں تاریخ راجا داہر زرہ پہن کر، بڑے جوش وخروش سے سفید ہاتھی پر سونے کی پالکی میں بیٹھ کر، کافروں کا بڑا لشکر ساتھ لے کر، قلعہ سے باہر نکلا۔ سر پر جڑا تاج اور بدن پر شاہی پوشاک۔ دو خوبصورت کنیزیں بھی اس کے ساتھ تھیں۔ ایک شراب کا پیالہ بھر بھر کر اسے پلا رہی تھی تو دوسری اسے پان کھلا رہی تھی۔

---

[۱۲] اس خطاب سے یوں نظر آ رہا ہے کہ اس نے انہیں اپنے ساتھ دسترخوان پر بٹھا کر، کھانا کھلایا ہوگا (مترجم)۔

[۱۳] بموجب فتحنامہ ''الور'' (اروڑ) (ن۔ ب)۔

صبح سے لے کر شام تک دونوں لشکروں کے بیچ اتنی سخت لڑائی ہوئی، جو اس کا بیان نہیں کیا جا سکتا۔ کہا جاتا ہے کہ داہر کے ہاتھ میں ایک ایسی عجیب وغریب چرخی اور لوہے کا سرکنے والا پھندا تھا، جس سے وہ ہر وقت آنے والے کا سرقلم کے اپنی طرف کھینچ لیتا تھا۔ اس تباہ کن صورت حال نے مسلمانوں کو پریشان کر دیا۔ محمد بن قاسم خود بھی حیران اور پریشان ہو گیا۔ اس کے ہونٹ خشک ہو گئے اور ''اَطعِمنیَ الماءَ'' (مجھے پانی پلاؤ) کہہ رہا تھا۔ بالآخر اسلامی جھنڈا ہاتھ میں لے کر، راجا داہر کے ہاتھی کے نزدیک جا پہنچا اور زور شور سے نعرہ تکبیر ''اللہ اکبر، اللہ اکبر'' لگانا شروع کیا۔ مسلمان سپاہیوں نے تیر برسانے، تلوار چلانے، نیزہ پھینکنے اور آتشی ہتھیار استعمال کرنے میں اپنی طرف سے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ دونوں لشکروں کے ہزاروں سپاہی قتل ہو گئے۔ بالآخر خدا کی مرضی پوری ہوئی، اتفاقاً یا قصداً آگ کا ایک شعلہ راجا داہر کی پالکی میں جا گرا۔ جس وجہ سے ہاتھی بوکھلا کر پانی کی طرف بھاگ کھڑا ہوا، جو میدان جنگ کے نزدیک تھا۔ جنگ جاری تھی اور تیروں کی بوچھاڑ ہو رہی تھی، تو ایک تیر راجا داہر کے گلے میں جا لگا اور جاں سے گیا۔ یہ عجیب واقعہ ایک ایسے وقت پر ہوا، جب سورج غروب ہونے والا تھا۔ برہمنوں نے یہ حیرت انگیز حادثہ دیکھا، تو ان میں سے کئی لوگوں نے بھاگنا شروع کیا، اور کچھ لوگوں نے راجا داہر کی نعش پالکی میں سے نکال کر، دریاء کے کنارے کیچڑ میں چھپا دی، اور پھر قلعہ کی طرف بھاگے، تو مسلمانوں کے داؤ میں آ گئے، جو ان کا راستہ روکے ہوئے اور دروازہ بند کئے ہوئے کھڑے تھے۔ اس وقت مسلمانوں کا سربراہ قیس تھا، جس نے برہمن کو قتل کرنا چاہا۔ لیکن برہمن نے امان چاہی اور راجا داہر کے قتل ہو جانے کی معلومات دی۔ وہ دو خوبصورت کنیزیں بھی گرفتار کی گئیں، جو راجا داہر کے ساتھ سفید ہاتھی پر پالکی میں بیٹھی ہوئی تھیں۔

برہمن کی اطلاع پر راجا داہر کا سر، دھڑ سے الگ کر کے محمد بن قاسم کے سامنے پیش کیا گیا۔ کنیزوں نے راجا کا سر پہچان کر، تصدیق کی۔ مسلمان بہت خوش ہوئے۔ وہ جمعرات تھی، جو انہوں نے فتح کی خوشی میں اور اپنے پروردگار کی عبادت اور ریاضت میں صرف کی۔

محمد بن قاسم جمعہ کے دن صبح سویرے راجا داہر کا سر برہمنوں اور کنیزوں کے ہاتھ قلعہ کے دروازے پر بھجوا دیا۔ یہ رمضان المبارک کی گیارہویں تاریخ سنہ ۹۳ ہجری (مطابق پہلی جولائی ۱۲ء) تھی [۱۳]۔ قلعہ والوں کو راجہ داہر کے قتل ہوجانے پر یقین نہیں ہو رہا تھا۔ جب یہ بات رانی لاڈی نے سنی، تو فوراً محلات میں سے نکل کر، قلعہ کے دروازے پر آ گئی اور اس نے

[۱۳] ۹۲ ہجری مطابق ۱۱ء (ن۔ب)۔

کنیزوں کی زبانی بھی یہی بات سنی، جو رو رہی تھیں، اور اس نے خود بھی راجا داہر کا سر پہچانا۔ پھر اس نے فوراً خود کو قلعہ کی فصیل سے نیچے پھینکا، جس وجہ سے شہر میں بڑا شور برپا ہو گیا۔ قلعہ کا دروازہ کھولا گیا اور مسلمان اندر گھس آئے۔ انہوں نے بت توڑ ڈالے، اور مسجدیں تعمیر کیں۔ جمعہ نماز کے بعد انہوں نے خزانہ اپنے قبضے میں لیا، جس میں ہیرے جواہر اور قیمتی کپڑے تھے۔ سب چیزوں کی فہرست تیار کر کے، راجا داہر کی دو بیٹیاں ''نرمل دیوی'' اور ''سورج دیوی''، راجا داہر اور دیگر برہمنوں کے سر، قیس کے ہاتھ، جس کے ساتھ ایک سو سوار تھے، دارالحکومت (دمشق) بھجوا دیئے۔ محمد بن قاسم نے مکمل بندوبست اور نظم ونسق قائم کرنے، شرعی احکام نافذ کرنے اور برہمن آباد (بانبھران) وغیرہ کے قلعے فتح کرنے کے بعد خلیفۃ المسلمین سے اجازت لے کر، راجا داہر کی بہن سے نکاح کیا۔

راقم الحروف (لب تاریخ کا مؤلف) یہ احوال لکھنے کی جرأت کر رہا ہے، اگرچہ قارئین کو طوالت کی وجہ سے یہ بات پسند نہیں آئے گی، لیکن چونکہ اس کتاب کے دیباچہ کے مطابق اہم باتیں بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لئے لکھنا پڑتا ہے کہ راجا داہر کی یہ بہن وہ ہی تھی، جس سے متلعق برہمن نے داہر کو پیشگی سنا دیا تھا کہ اس کا نکاح اس شخص سے ہوگا، جو سندھ کی سلطنت کا والی ہوگا، اور اسی لئے داہر نے اس سے شادی کی تھی۔ لیکن برہمن کا کہنا بالآخر صحیح ثابت ہوا، جو وہ سندھ کی سلطنت کے والی محمد بن قاسم کے نکاح میں آ گئی۔

محمد بن قاسم نے سارا سال دار السلطنت (اروڑ) میں رہ کر، اس کے گرد ونواح کے قلعہ فتح کرنے میں گذارا۔ اسی اثنا میں راجا داہر کے بیٹوں اور عزیز و اقارب کے برپا کردہ شورشوں کی وجہ سے چھوٹی موٹی جنگیں بھی ہوئیں، مگر خدا کے فضل اور دین اسلام کی برکت سے وہ سب میں کامیاب ہوا۔ ان کامیابیوں کے بعد ''ساوندری'' [۴۱] اور اس کے گرد ونواح میں بسے ہوئے سمہ قوم کے لوگ، جو ابھی تلک سندھ میں الگ الگ مقامات پر رہتے ہیں وہ (مگر ''ساوندری'' کا شہر فی الوقت ناپید ہے) ڈھول باجے بجاتے ہوئے اور ناچ کرتے ننگے سر محمد بن قاسم کے ہاں حاضر ہوئے۔ محمد بن قاسم نے لوگوں سے پوچھا کہ ''یہ کون لوگ ہیں؟'' اسے بتایا گیا کہ ''جب کوئی بادشاہ فتحیاب ہوتا ہے، تو یہ لوگ اسی طرح خوشی کا اظہار کرنے اور مبارکباد کہنے کے لئے آتے ہیں۔'' محمد بن قاسم ان کی یہ خلوص بھری روش دیکھ کر انہیں محصول معاف کر دیا۔ یوں لوہانہ، سہتہ، چندر، ماچھی اور کوریجہ لوگ بھی، جو سندھ کے مختلف اضلاع میں رہتے اور کاشتکاری کرتے ہیں، محمد بن قاسم کے ہاں آئے، جن پر محصول عائد کرنے کے بجائے، ''گائیڈ'' کا کام

---

[۴۱] بمطابق فتحنامہ ''ٹھری''۔

رکھا گیا یعنی جو لوگ دارالسلام [15] سے دار السلطنت (اروڑ) آئے، یا دارالسلطنت سے دارالسلام جائیں، تو ان کے گائیڈ بنیں اور انہیں راستہ دکھائیں۔

محمد بن قاسم نے سارا سال اروڑ میں گذارنے اور اروڑ کے باشندوں کو نصیحت اور ہدایت کرنے کے بعد، حکومت کا انتظام اسلامی شریعت مطابق رکھا اور راصف بن قید کے نواسے رواح اسدی کو اروڑ کا حاکم مقرر کیا۔ قضا کا عہدہ موسیٰ بن یعقوب بن طائی (بن محمد بن موسیٰ) بن شیبان بن عثمان ثقفی کے سپرد کر کے، اسے ''قاضی القضاۃ'' (چیف جسٹس) کا اعزاز عطا کیا۔ (راقم الحروف کا خیال ہے کہ یہ موسیٰ بن یعقوب ''وقائع سند'' یا ''چچنامہ'' (فتحنامہ) کا مؤلف ہے)۔ برہمن آباد میں وداع بن حمید البحری [16] کو حاکم مقرر کیا اور دیگر قلعوں اور چھوٹے شہروں کا مناسب انتظام کرنے کے بعد، خود ربیع الاول ۹۴ھ ہجری مطابق دسمبر ۷۱۲ء [17] اُچ اور ملتان فتح کرنے کے لئے روانہ ہوئے۔

اس وقت محمد بن قاسم کے پرچم تلے پچاس ہزار سواروں اور پیادوں کا لشکر تھا۔ راستے میں اس نے شہروں اور دیہات میں جو سرکش باغی دیکھے، انہیں ڈانٹ ڈپٹ کر کے اور ان پر جزیہ مقرر کر کے، انہیں چھوڑ دیا گیا۔ 'باتیہ' اور 'سکہ' کے قلعے فتح کرنے کے بعد اس نے ملتان فتح کیا۔ ملتان کے سرکردہ آدمی اس کے استقبال کے لئے آئے اور (اطاعت گذاری اور وفاداری کے) انجام و اقرار کئے۔ ملتان میں اس نے ''داؤد بن نصر بن ولید عمانی'' [18] کو امیر مقرر کیا۔ ''خریم بن عبدالملک تمیمی'' کو 'برہمپور' قلعہ کا والی مقرر کیا، جو جہلم (پنجاب) میں تھا [19]۔ پھر خود دیپالپور (پنجاب) روانہ ہوا۔ دیپالپور فتح کرنے کے بعد قنوج اور کشمیر کو چلا گیا۔ وہاں کے راجا اور حکمرانوں نے بھی اسلام کی اطاعت قبول کی اور محصول بھی دارالخلافہ بھیجنے کا وعدہ کیا۔

جب محمد بن قاسم راجا داہر کی سلطنت کے سب علاقوں پر فتح حاصل کر چکا اور اس کا دل ہر قسم کے اندیشے اور وسوسہ سے مطمئن ہو چکا، اور واپس جانے کا ارادہ کیا تو اچانک خلیفہ ولید کی طرف سے اس کی معزولی کا حکم پہنچ گیا، جس کی تفصیل اس طرح ہے کہ محمد بن قاسم نے اروڑ فتح کرنے کے بعد راجا داہر کی دو بیٹیوں کو ہیروں اور جواہرات کے تحائف اور نذرانوں کے

---

[15] دارالسلام بغداد شریف''۔ (ن۔ب)۔

[16] بمطابق فتحنامہ ''وداع بن حمید نجدی'' (سندھی ترجمہ حواشی اور تعلیقات کے ساتھ۔ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد ۱۹۵۴ء)۔

[17] اکتوبر ۷۱۱ء

[18] عثمانی

[19] حریمن بن عبدالملک بن تمیم کو ''حصار پورہ'' (پنجاب) میں مقرر کیا جو دریاء کمال کے کنارے پر واقع تھا (ن۔ب)۔

ساتھ خلیفۃ المسلمین کی خدمت میں بھیجا تھا۔ ایک رات خلیفہ نے دونوں بہنوں کو اپنے پاس بلایا۔ جب دونوں شہزادیوں کے منہ پر سے نقاب ہٹایا گیا، تو خلیفہ ان کا حسن و جمال دیکھ کر، پہلی ہی نظر میں ان پر فدا ہو گیا۔ پہلے ترجمان کی معرفت ان سے نام پوچھے۔ پھر ایک کو اپنے بستر پر آنے کا حکم دیا۔ دونوں بہنوں نے گذارش کی کہ ''ہم شاہی خلوت گاہ کے لائق نہیں ہیں۔ کیونکہ محمد بن قاسم ہمیں تین دن اپنے پاس رکھ چکا ہے۔'' شہزادیوں کا یہ بیان سندھی میں تھا، جو ترجمان نے عربی میں خلیفہ کی خدمت میں پیش کیا۔ خلیفۃ المسلمین یہ بات سنتے ہی غصہ اور غیرت کے جوش سے آگ بگولہ ہو گیا اور حکم دیا کہ ''محمد بن قاسم، اس بے ادبی کی وجہ سے خود کو گائے کی کچی کھال میں ڈلوا کر، دارالخلافہ میں حاضر ہو۔'' اور شاہی فرمان کے حاشیہ پر اپنے ہاتھوں سے غصہ میں اور تاکید کی خاطر یہ الفاظ لکھے کہ '' محمد بن قاسم جہاں کہیں بھی ہو، اس حکم کی تعمیل کرے۔'' امیر محمد بن قاسم کو جب یہ غضبناک فرمان ملا، تب وہ ''ادھی پور'' (ہندوستان) میں تھا۔ فرمان پہنچتے ہی اس نے اس کی تعمیل کی۔ تین دنوں کے بعد وہ جاں بحق ہو گیا۔ دربان، اس کی نعش، جو صندوق میں رکھی ہوئی تھی، دربار خلافت میں پہنچائی۔ اس دن دربار عام تھا۔ نعش والا صندوق خلیفہ کے حضور میں پیش کیا گیا۔ خلیفہ نے پوچھا ''کیا، محمد بن قاسم زندہ ہے؟'' دربان نے عرض کیا، کہ ''تین دنوں بعد اسی کھال میں فوت ہو گیا ہے۔'' پھر خلیفہ کے حکم سے صندوق حرم سرائے میں بھیجا گیا اور دونوں شہزادیوں کو بلوا کر، ان کے روبرو وہ صندوق کھولا گیا۔ خلیفہ نے ان سے کہا کہ ''پہچانو، یہی ہے یا کوئی اور، دیکھو، میرا حکم کس طرح چلتا ہے؟'' دونوں بہنوں نے خلیفہ کی تعریف کی اور ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کے بعد اس سے کہا کہ ''منصف مزاج بادشاہ کو کسی بھی اہم کام میں جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہئے۔ ہم نے تو محمد بن قاسم پر یہ تہمت دشمنی کی وجہ سے لگائی تھی۔ کیونکہ ہمارا باپ اس کے ہاتھوں قتل ہوا۔ بادشاہی ہمارے خاندان سے چلی گئی اور ہمیں قیدی اور مجبور بن کر، پردیس میں آنا پڑا۔ بادشاہ (خلیفہ) نے جوش میں آ کر ہمارے لگائے گئے الزام کی تحقیق نہیں کی، سچ اور جھوٹ کے درمیان امتیاز کرنے کے علاوہ ہی ایسا حکم صادر فرمایا۔ حالانکہ محمد بن قاسم ہمارے لئے ہمارے باپ اور بھائی کی مانند تھا اور اس کا ہاتھ ہماری عصمت کے دامن تک پہنچا ہی نہیں تھا۔ اگرچہ ہمارا مطلب پورا ہو گیا۔ یعنی اپنے باپ کا انتقام لینا، مگر خلیفہ کا انصاف داغدار ہو گیا۔'' خلیفہ نے ترجمان کی معرفت یہ بات سنی، تو پہلے تو شرمساری سے سر نیچا کر دیا، لیکن بعد میں سخت جوش اور غصہ میں حکم دیا کہ '' دونوں بہنوں کو گھوڑوں کی دم سے باندھ کر، شہر (دمشق) کے چوگرد چکر لگوا کر، دریاء میں پھینکا جائے۔'' کچھ مؤرخ کہتے ہیں کہ انہیں دیواروں میں دفن کروا کے، اوپر سے اینٹیں لگوا دی تھیں اور محمد بن قاسم

کی نعش دمشق کے قبرستان میں دفن کروائی گئی۔ اگرچہ یہ ایک لمبی کہانی ہے، لیکن راقم الحروف نے اسے اختصار سے کام لیتے ہوئے قلمبند کیا ہے۔ محض قارئین کی عبرت کے لئے کہ کس طرح ایسے بہادر اور ایک کافرانہ سلطنت کے فاتح کے خلاف، خلیفۂ وقت نے نفسانی خواہش کے جوش میں ایسا ناجائز اور نامناسب حکم صادر کیا [۲۰]۔ یہ واقعہ ۹۶ ہجری مطابق ۷۱۵ء میں ہوا [۲۱]۔

محمد بن قاسم کی رحلت کے دو سال بعد (۱۳۳-۱۳۲ھ مطابق ۵۰-۷۴۹ء میں) سندھ کا ملک لاوارث ہوگیا [۲۲] اور سندھ والوں نے بغاوت اور نافرمانی کی اور خودمختار بننے کی کوشش کی۔ برہمن آباد پر داہر کے بیٹے جیسر نے قبضہ کیا اور ملک کے دیگر کئی علاقے برہمنوں کے قبضے میں آ گئے۔ فقط زیریں سندھ کا کچھ علاقہ، جو سمندر کے قریب تھا، اُموی حکومت کے ماتحت تھا۔ مگر اس علاقے میں بھی اموی گھرانے کی حکمرانی برائے نام تھی۔

جب ۱۳۴ ہجری مطابق ۷۵۱ء میں خلیفہ ولید انتقال کر گیا [۲۳] اور سلیمان بن عبدالملک خلافت کی مسند پر بیٹھا، تو عامر بن عبداللہ کو سندھ کا حاکم مقرر کیا [۲۴]۔ اس نے سندھ میں پہنچتے ہی جیسر ولد داہر سے برہمن آباد کے قریب جنگ کر کے، قلعہ پر قبضہ کیا اور کئی دیگر علاقوں پر بھی قبضہ کیا۔ راقم الحروف کا پختہ خیال ہے کہ دریائے سندھ کے کنارے پر (زیریں سندھ میں)

---

[۲۰] یہ ایک بیہودہ اور بلکل جھوٹا قصہ ہے اور اس کے لئے تاریخی ثبوت نہیں ہیں۔ محمد بن قاسم کی معزولی اور موت کے اسباب سیاسی حالات تھے، جو خلیفہ ولید کے آخری ایام میں پیدا ہوئے۔ خلیفہ ولید نے چاہا کہ وہ اپنے بھائی سلیمان کی بجائے، اپنے بیٹے کو ولی عہد مقرر کرے۔ حجاج بن یوسف نے اس کام میں اس کا پورا پورا ساتھ دیا، جس وجہ سے سلیمان اور حجاج کے درمیان دشمنی پیدا ہوگئی۔ ولید کے فوت ہونے کے بعد، سلیمان خلیفہ بنا اور محمد بن قاسم کو، جو حجاج کا بھتیجا تھا، معزول کیا۔ محمد بن قاسم بے وقوف اور احمق حاکموں کے ہتھے لگ گیا اور صالح بن عبدالرحمٰن کی قید میں وفات پائی۔ (ن۔ب)۔

[۲۱] ۱۳۱ ہجری مطابق ۷۴۸ء غلط ہے۔ کیونکہ ولید جمادی الآخر ۹۶ ہجری مطابق فروری ۷۴۸ میں فوت ہوا (ملاحظہ ہو تاریخ طبری۔ ایڈیشن لنڈن ۲×۱۲۶۹) اور سلیمان، ولید کی جگہ پر خلیفہ بنا۔ محمد بن قاسم کی معزولی اور موت غالباً اسی سال ہوئی۔ (ن۔ب)۔

[۲۲] یہ "لب تاریخ" کے مؤلف کا محض خیال ہے۔ (ن۔ب)۔

[۲۳] خلیفہ ولید سب مؤرخین کے قول مطابق وسط جمادی الآخر ۹۶ ہجری ہفتہ کو انتقال کر گیا۔ (ملاحظہ ہو تاریخ طبری ۲×۱۲۶۹)۔ (ن۔ب)۔

[۲۴] خلیفہ سلیمان نے یزید بن ابی کبشہ السکسی کو سندھ کا حاکم بنا کر بھیجا (ملاحظہ ہو بلاذری، فتوح البلدان، ایڈیشن لنڈن صفحہ ۴۴۱)۔ (ن۔ب)۔

''عامری'' نامی جو گاؤں ہے اور جہاں ایک پرانے قلعہ کا بڑا ٹیلہ ہے، شاید یہ قلعہ سندھ کے اسی حاکم عامر کا ہوگا۔

سلیمان کے بعد مروان بن محمد، جو''القادر باللہ'' کے لقب سے ملقب تھا، خلیفہ ہوا اور اس نے، ابو طالب کو سندھ کا حاکم بنا کر بھیجا اور وہ اموی گھرانے کا آخری حاکم تھا، اور پھر (سندھ میں) اموی گھرانے کی حکومت ختم ہوگئی [۲۵] سندھ کی تاریخ مطابق سندھ پر اموی گھرانے کا قبضہ بمشکل چالیس برس تھا۔ ۹۲ ہجری مطابق ۷۱۱ء سے لے کر ۱۳۴ ہجری مطابق ۷۵۱ء تک۔ اس سے دو تین برس بعد میں سندھ میں انتشار پیدا ہوا۔ تحفۃ الکرام کے مؤلف کا کہنا ہے کہ ''سسئی - پنہوں'' کا واقعہ، جس کا قصہ سندھ میں مشہور ہے، اسی زمانے میں ہوا۔

تیسرا طبق

عباسی گھرانے کا حاکم

جو ۱۳۲ ہجری مطابق ۷۵۰ء سے سندھ پر قابض تھے

اکثر تاریخوں کے مطابق عباسی گھرانے کا پہلا خلیفہ عبداللہ بن علی بن عباس، جو ''سفاح'' کے لقب سے مشہور تھا، ۱۳۲ ہجری مطابق ۷۵۰ء میں [۲۶] جب خلافت کی مسند پر جلوہ افروز ہوا، تو داؤد بن علی کو ایک بڑے لشکر کے ساتھ، سندھ میں بھیجا، جس نے آ کر سندھ سے اموی گھرانے کے حکمرانوں اور ان کے سب متعلقہ لوگوں کو نکال کر، ملک کے بڑے حصہ پر قبضہ کیا۔ داؤد نے پورے چار سال بہت ہی اچھے طریقے سے حکومت کی ۱۳۶ ہجری مطابق ۷۵۴ء میں ابوجعفر منصور کو سندھ کا حاکم مقرر کیا گیا۔ اس کے بعد ہارون رشید کی خلافت کے زمانے میں، جس کی جرأت اور دانائی مشہور ہے، فضل برمکی کا بھائی موسیٰ سندھ کا حاکم مقرر ہوا، اور بعد میں فضول خرچی کی وجہ سے اسے معزول کر کے، اس کی جگہ سید علی بن موسیٰ بن ہامان کو مقرر کیا گیا، لیکن اس کے دور میں امن و امان ختم ہو گیا اور کئی شہر اور قلعے جیسا کہ بھنبھور وغیرہ ویران ہو گئے۔ بالآخر وہ شہید ہو گیا۔ ۱۷۰ ہجری مطابق ۷۸۶ء میں مہدی ابوالعباس سندھ کا حاکم بنا، جو بڑے عرصے تک بڑی جرأت اور دانائی سے حکومت کرتا رہا، جس وجہ سے ملک کا رقبہ وسیع ہو گیا۔ مہدی

[۲۵] یہ محض مؤلف کا خیال ہے۔ اس کی کوئی تاریخی ثبوت نہیں ہے۔

[۲۶] دراصل ۱۳۷ ہجری مطابق ۷۵۴ء۔ (ن۔ب)۔

ابوالعباس کے بعد دارالسلام بغداد سے سندھ میں مختلف حاکم آتے رہے۔ ابو العباس کے بعد، القادر باالله ابوالعباس احمد بن اسحاق بن مقتدر کے زمانے تک دارالسلام بغداد سے آتے رہے۔ سندھ میں عباسی گھرانے کی حکومت تقریباً ۲۸۱ یا ۲۸۲ برس قائم تھی سنہ ۴۱۶ ہجری مطابق ۱۰۲۵ء تک۔

تحفتہ الکرام کے مؤلف کا کہنا ہے کہ بکھر اور اروڑ کے قاضی ثقفی خاندان سے تھے۔ بنی تمیم سندھ میں ''تھیم'' کے نام سے مشہور ہیں اور عباسی، صدیقی، فاروقی، عثمانی، پنوہار اور سپیا وغیرہ سندھی قوموں بنی امیہ اور بنی عباس کی نسل سے ہیں۔

راقم الحروف اس موقع پر یہ بات لکھنا مناسب سمجھتا ہے، اور اس کے لئے پڑھنے والوں سے معافی کا بھی طلبگار ہے، کہ تحفتہ الکرام کے مؤلف نے لکھا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنوں کی ایک جماعت کو روم سے کچھ کنیزیں خرید کر لانے کو بھیجا تھا۔ واپسی پر راستے میں ایک جن کا ''لولیا'' نامی ایک کنیز سے تعلق پیدا ہو گیا اور جن کا نطفہ کنیز کے رحم میں ٹھہر گیا۔ حضرت سلیمان کو اس بات کا پتہ چل گیا اور اس نے وہ کنیز اس جن کو بخش دی، جس سے ''لودرہ'' (لودرہ یا لوڈرو) نامی ایک بچہ پیدا ہوا۔اس کی اولاد بڑے عرصے بعد عربوں کے ساتھ مل جل گئی۔ سندھ فتح کرنے کے وقت وہ عربوں کے ساتھ سندھ میں آیا اور یہیں مقیم ہو گیا اور مشہور ہو گیا۔ یہ بات درست ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اس قوم (لولی) کے لوگ جو پنجاب اور سندھ میں رہتے ہیں اور اپنے قدیم ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، وہ خود کو ''لوڈو'' کہلواتے ہیں اور اپنی اصلیت یعنی حسب ونسب پر فخر کرتے ہیں۔

قدیم تاریخی کتب میں دیکھا گیا ہے کہ بکھر کے قلعہ کی تعمیر کی تاریخ ''بالاحصار'' حاصل ہوتی ہے، جس کے اعداد ۴۳۳ ہیں۔ یہ ہجری سنہ (۴۳۳) عیسوی سنہ ۱۰۴۱ کے مطابق ہے۔ اس سے لگتا ہے کہ شاید اس کی بنیاد عباسی گھرانے کے حاکموں کے دنوں میں پڑی ہے۔ اگرچہ تاریخ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب سید میر محمد مکی رضوی، جو سنہ ۶۰۶ ہجری مطابق ۱۲۰۹ء میں بکھر میں پہنچا، جس کا نام اس وقت ''فرشتہ'' تھا، تو اس کے خادموں نے اس سے پوچھا کہ ''سامان اسباب کہاں رکھا جائے؟'' اس نے جواب دیا کہ ''جہاں گائے کی آواز سننے میں آئے۔'' اور یہ بھی کہا کہ ''جعل الله بکرتی فی البقعة المبارکة'' (اللہ تعالیٰ نے میری صبح بابرکت خطے میں مقرر کی ہے، یعنی مجھے کسی بابرکت خطے میں رہنا ہے)۔ آخر کار رفتہ رفتہ اس علاقے کا نام ''بکھر'' بن گیا۔اس وقت اگرچہ اس کا مزار سکھر میں ہے اور اس کی اولاد زیادہ تر روہڑی میں اور کچھ دیگر مقامات پر مدفون ہیں، مگر مشہور ''رضوی البکھری'' کے نام سے ہے۔

''خواجہ خضر'' کے آستانے کی تعمیر کی تاریخ، جسے ہندو ''جندپیر'' یا ''زندہ پیر'' کہتے ہیں

اور دریائے سندھ کے بیچ میں ہے، ''درگاہ عالی'' ہے، جس کے اعداد ۳۴۱ ہیں، اور یہ ہجری سنہ ۹۵۲ کے مطابق ہے، غالباً یہ آستانہ بھی عباسی گھرانے کے حاکموں کے زمانے میں تعمیر ہوا ہوگا۔ گمان کبھی صحیح ثابت ہوتا ہے اور کبھی غلط۔

چوتھا طبق

نامور سلطان محمود غزنوی کی طرف سے مقرر کردہ سندھ کے حاکم

سنہ ۴۱۶ ہجری مطابق سنہ ۱۰۲۵ء سے

سندھ کی اکثر تاریخ اس بات پر متفق ہیں کہ سلطان محمود غزنوی ہندستان فتح کرنے کے بعد ملتان اور اُچ پہنچا اور عباسی گھرانے کے حاکموں کو نکال کر، سارے ملک پر قبضہ کر لیا اور اپنے وزیر عبدالرزاق کو سندھ فتح کرنے کے لئے بھیجا۔ اس نے پہلے آتے ہی بکھر کو فتح کیا اور پھر سب انتظامی امور کا مکمل بندوبست کر کے، اپنے قبضے کو اچھی طرح مضبوط بنایا۔ دو سال بکھر میں گذارنے کے بعد سنہ ۴۱۸ ہجری مطابق سنہ ۱۰۲۷ء میں سہون کی طرف رخ کیا۔ وہاں بھی مکمل فتح حاصل کرنے اور بہت ہی اچھا انتظام رکھنے کے بعد، دیبل بندر (ٹھٹہ) میں داخل ہوا اور اسے فتح کر کے، عربوں کو نکال دیا، جو وہاں بچے کھچے تھے۔ باقی کچھ عرب، جو عیالداری کی وجہ سے مجبور تھے (شاید سندھیوں سے رشتیداری کی وجہ سے) یا اپنی فضیلت (علم و ہنر وغیرہ) کی وجہ سے مشہور تھے، انہیں اس نے مناسب عہدے اور وظائف دئے، جن کی اولاد بقول تحفۃ الکرام ہنوز موجود ہے۔

نامور غازی سلطان محمود غزنوی نے سنہ ۴۲۲ ہجری مطابق سنہ ۱۰۳۱ء میں اس فانی دنیا سے کوچ کر کے عالم جاودانی کی راہ لی اور اس کی جگہ پر اس کے فرزند ارجمند سلطان مسعود تخت نشین ہوئے۔ اس نے بھی سندھ کی حکومت کا وہی انتظام برقرار رکھا، جو اس کے والد بزرگوار کے وقت میں تھا۔ جب سنہ ۴۳۲ ہجری مطابق سنہ ۱۰۴۱ء میں اس کا انتقال ہوا، تو اس کا فرزند مودود اپنے موروثی تخت پر بیٹھا۔ اس نے، سندھ کے حاکموں کو تبدیل کر کے، نئے حاکم مقرر کئے، لیکن ان کے نام کسی بھی تاریخ میں نہیں ملتے۔ آخر کار وہ سنہ ۴۴۱ ہجری مطابق سنہ ۱۰۴۹ء میں رحلت پا گیا۔ اس کے بعد سلطان مسعود ثانی غزنی کے تخت پر بیٹھا۔ اس نے بھی سندھ کا انتظام اسی طرح قائم رکھا، جس

کے ۹۴۹ء (ن۔ ب)۔

طرح جاری تھا۔ جب اس کی زندگی کے دن ختم ہوئے اور لاہور میں وفات پائی، تو غزنوی گھرانے کا ایک شہزادہ خسرو ملک تخت نشین ہوا، اور اس نے بھی وہ ہی انتظام برقرار رکھا۔ آخر کار ۵۸۳ھ ہجری مطابق ۱۱۸۷ء میں جب اس کی کامرانی کا جام ابھی گردش میں ہی تھا، تو غزنوی سلطنت کا دور ختم ہو گیا۔ خسرو ملک، غیاث الدین غوری کے ہاتھوں قید ہوا اور غزنی کے قید خانے میں انتقال کر گیا۔

راقم الحروف کا پختہ خیال ہے کہ بکھر کے قلعے کی تعمیر، دوبارہ ہوئی ہے، جس کی تاریخ ''شہر گل'' مشہور ہے (جس سے ۵۵۵ اعداد حاصل ہوتے ہیں، اور یہ ہجری سال ۱۱۶۰ء سال کے مطابق ہے) شاید غزنوی گھرانے کے حاکموں کے زمانے میں ہوئی ہے۔

غزنوی گھرانے اگرچہ سندھ میں بڑے عرصے تک حکومت کی، تاہم اس کی اولاد سندھ میں نظر نہیں آتی، اور یوں لگتا ہے کہ یا تو وہ خراسان لوٹ گئے، یا یہاں کے مقامی پٹھانوں یا مغلوں میں ضم ہو گئے، اور اب پٹھان یا مغل کہلاتے ہونگے۔

پانچواں طبق

غوری گھرانے کی طرف سے بھیجے ہوئے حاکم

(۵۹۱ھ ہجری مطابق ۱۱۹۴ء سے)

اکثر تاریخ مطابق شہاب الدین محمد بن سام [۲۸] کے زمانے میں مذکورہ بالا سال میں قطب الدین ایبک کو سندھ فتح کرنے کے لئے بھیجا گیا۔ قطب الدین نے تین مہینوں میں سارے سندھ پر قبضہ کر کے، سیف الملوک کو سندھ کا حاکم مقرر کیا اور خود واپس لوٹ گیا۔ جب سلطان شہاب الدین نے ۶۰۲ھ ہجری مطابق ۱۲۰۶ء میں بے اولاد رحلت پائی، تو اس کی سلطنت قطب الدین کو ملی، جو سلطان شہاب الدین کی زندگی میں ہی اس کا قائم مقام تھا۔ قطب الدین نے سندھ کی حکومت پر پھر بھی سیف الملوک ہی کو برقرار رکھا۔ جب سلطان قطب الدین ۶۰۷ھ ہجری مطابق ۱۲۱۰ء میں لاہور میں چوگان کھیلتے ہوئے، گھوڑے پر سے گرا اور وفات پائی، تو درباری امراء نے اس کے بیٹے آرام شاہ کو تخت پر بٹھایا۔ لیکن چونکہ اس میں لیاقت نہیں تھی، اس

---

[۲۸] شہاب الدین بن قاسم (ن۔ ب)۔

لئے زیادہ وقت آرام نہیں کر سکا، اور سلطنت شمس الدین التمش کو ملی۔ مگر مورخین کے قول کے مطابق اس زمانے میں ہندوستان میں بڑا انتشار پیدا ہوا، جس وجہ سے ہندوستان کی سلطنت چار حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ دار السلطنت دہلی والا علاقہ سلطان التمش کے اختیار میں رہا۔ اُچ، ملتان اور سندھ کے علاقے ناصر الدین قباچہ کو دیئے گئے۔ لکھنوٗ کا علاقہ ملک خلیج کو ملا، لاہور اور اس کی گرد ونواح والے علاقے تاج الدین بلدوز کے قبضے میں رہے۔

راقم الحروف کا کہنا ہے کہ غوری خاندان کی اولاد اس وقت سندھ میں نظر نہیں آتی، اور تحفۃ الکرام کے مؤلف کا کہنا ہے کہ سلطان ناصر الدین قباچہ کے زمانے میں سندھ، سات رانوں حکمرانوں کے تحت تھی، وہ سب کے سب سلطان کو محصول دیتے تھے۔ ان سات ہی حکمرانوں کے احوال سندھ کی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے یہاں درج کئے جاتے ہیں، تاکہ ان کی معلومات میں اضافہ ہو۔

سندھ کے سات حکمران

(۶۱۰ ہجری مطابق ۱۲۱۳ء سے)

(۱) پہلا بادشاہ بہتر [۲۹] سعتو راٹھور ڈبھرے، تعلقہ دربیلہ کے رہنے والا تھا۔ یہ راٹھور مسلمان ہیں، جو فی الوقت بھی سندھ کے کئی اضلاع میں رہتے ہیں، اور ان میں سے اکثریت ان کی ہے جو کاشتکاری کرتے ہیں۔ اب ''سعتہ'' کا لفظ تبدیل ہوکر ''سہتو'' ہوا ہے۔ سہتہ مسلمان ہیں، جو ڈبھرے کے گرد ونواح میں رہتے ہیں، جسے فارسی میں ''دربیلہ'' لکھتے ہیں۔

(۲) دوسرا رانا حکمران سیہڑ ولد دھاچ کوریجو تھا، جو روپاہ کے گرد ونواح ''تو نگ'' اور ''تقع'' کا رہنے والا تھا۔ کوریجا مسلمان ہیں، جو اس وقت بھی سندھ میں کئی ایک مقامات پر رہتے ہیں اور کاشتکاری کرتے ہیں۔ روپاہ ایک علاقہ ہے، جو شکارپور اور جیکب آباد کے وسط میں واقع ہے، مگر تو نگ اور تقع سے متعلق پتہ نہیں کہ وہ کس جگہ واقع تھے[۳۰]۔

---

[۲۹] تحفۃ الکرام مطابق بھونر

[۳۰] مؤلف کا ماخذ تحفۃ الکرام ہے، لیکن اس نے عبارت نقل کرنے اور اس کی وضاحت کرنے میں کچھ غلطیاں کی ہیں۔ تحفۃ الکرام فقط ''تو نگ'' لکھا ہے، جو اس وقت کوٹڑی تعلقہ میں واقع ہے۔ مؤلف نے ''تقع'' کے لفظ کا اضافہ کر دیا ہے اور ویسے بھی یہ لفظ مبہم ہے۔

(۳) تیسرا رانا حاکم جیسر ولد چھچھ [۳۱] ماچھی سولنگی ''ہانگتارہ'' [۳۲] کا رہنے والا تھا۔ اگرچہ ماچھی سولنگی زیادہ تر لاڑکانہ، قمبر، نصیر آباد اور کچھ دیگر مقامات پر رہتے ہیں۔ مسلمان ہیں اور کاشتکاری کرتے ہیں۔ مگر ہانگتارہ سے متعلق پتہ نہیں کہ کس جگہ پر تھا؟

(۴) چوتھا رانا حکمران وِکیو ولد پنہوں چنہ تھا، جو ''درۂ سیوی'' کا رہنے والا تھا۔ اس وقت سیوی ''سبی'' کے نام سے مشہور ہے اور سندھ سے باہر، بلوچستان میں شامل ہے۔

(۵) پانچواں رانا حکمران چنو ولد دِھتہ ''بھاگ نئہ'' کا رہنے والا تھا۔ پانچویں حکمران کا احوال بھی چوتھے حکمران جیسا معلوم ہوتا ہے۔ بھاگ نئہ، ''بھاگ ناڑی'' کے نام سے مشہور ہے جو سبی کے نزدیک اور فی الوقت سندھ سے باہر، بلوچستان میں شامل ہے۔

(۶) چھٹا رانا حکمران ''جِیو'' ورِیاہ تھا، جو ''جہم'' یعنی ''وگہ کوٹ'' [۳۳] کا رہنے والا تھا۔ ورِیاہ فی زمانہ سندھ میں رہتے ہیں۔ وہ مسلمان ہیں اور ان کا دھندہ کاشتکاری ہے۔ جہم یعنی وگہ کوٹ آج کل بدین تحصیل میں مٹی کا ایک ویران ٹیلہ ہے۔

(۷) ساتواں رانا حکمران جسودن [۳۴] تھا، جو ''مین ننگر'' تحصیل ''بانبھران واہ'' کا رہنے والا تھا۔ فی زمانہ اس خطہ کا سندھ میں کوئی وجود نہیں ہے۔ بانبھران واہ شاید ''بانیران'' ہو، جو دراصل برہمن آباد ہے۔ اب وہ ایک ویران گاؤں ہے، جو شہداد پور تحصیل میں ہے۔

قصہ مختصر، ۶۳۳ھ ہجری مطابق ۱۲۳۶ء میں ملک خان خلجی سہون پر حملہ آور ہوا، اور سلطان ناصر الدین قباچہ اس کے مقابلے کے لئے ملتان سے فوراً پہنچ گیا۔ دونوں کے درمیان سخت لڑائی لگی، جس میں ملک خان خلجی مارا گیا اور سلطان ناصر الدین قباچہ نے فتحمندی حاصل کرنے کے بعد اُچ کی طرف کوچ کیا۔ سندھ کے حاکم اُسی طرح اپنی جگہوں پر قائم رہے، ۶۲۴ھ ہجری مطابق ۱۲۲۶ء میں سلطان شمس الدین التمش نے اپنے وزیر نظام الملک کو، اُچ کے محاصرے کے لئے بھیجا، جس نے ۶۲۵ھ ہجری مطابق ۱۲۲۷ء میں اُچ پر قبضہ کیا اور ناصر الدین قباچہ بکھر کی طرف چلا گیا۔ نظام الملک نے اس کا پیچھا کیا۔ قباچہ کشتی میں چڑھ کر بھاگنے لگا، مگر اس کی عمر کی کشتی موت کے دریا

---

[۳۱] تحفۃ الکرام مطابق ''جبہ'' (ن۔ب)

[۳۲] تحفۃ الکرام مطابق ''مانکتارو''۔ (ن۔ب)

[۳۳] مؤلف کی یہ وضاحت صحیح نہیں ہے۔ ''وگہ کوٹ'' ایک پرانہ شہر تھا، جس کی کھنڈرات کے نشانات بدین کے جنوب میں (زیریں سندھ) میں ابھی تک موجود ہیں۔ باقی جہم ایک خطہ کا نام ہے، جو کوٹڑی اور ٹھٹہ کے درمیان میں ہے۔ تحفۃ الکرام وگہ کوٹ کی بجائے ''ہیمہ کوٹ'' لکھا ہے۔ مگر مؤلف نے عبارت نقل کرتے وقت خلط ملط کیا ہے۔ (ن۔ب)۔

[۳۴] تحفۃ الکرام مطابق معبود بن آگرہ (ن۔ب)۔

میں غرق ہوگئی، اور سارا سندھ سلطان شمس الدین التمش کے وزیر نظام الملک کے قبضے میں آ گیا، اور اس نے سندھ کا انتظام بہت ہی اچھی طرح رکھنے کے بعد ۶۳۰ ھ ہجری مطابق ۱۲۳۳ء میں نورالدین محمد کو سندھ کی حکومت چلانے کے لئے مقرر کیا۔

۶۳۳ ھ ہجری مطابق ۱۲۳۶ء میں سلطان شمس الدین التمش دارالسلطنت دہلی میں وفات پا گیااور اس کی جگہ پر سلطان مسعود شاہ ولد رکن الدین فیروز شاہ ولد سلطان شمس الدین التمش اپنے موروثی تخت پر جلوہ افروز ہوا اور سندھ کے حاکموں کو، جو اس کے دادا کے مقرر کردہ تھے، برقرار رکھا۔ ۶۴۳ ھ ہجری مطابق ۱۲۴۵ء میں مغلوں (تاتاری منگولوں) کا لشکر دریائے سندھ پار کر کے اُچ میں پہنچا، تو سلطان مسعود شاہ بھی دہلی سے اُچ کی طرف روانہ ہوا۔ مغلوں کا لشکر وہاں سے بھاگ کر بکھر میں آیا۔ سلطان مسعود شاہ، سندھ کے حاکم معزالدین کو اس کی کوتاہیوں کی وجہ سے معزول کر کے، اس کی جگہ پر ملک جلال الدین کو سندھ کا حاکم مقرر کیا اور خود دارالسلطنت دہلی کی طرف لوٹ گیا۔ مگر واپسی پر ملتان میں زیادہ شراب پینے کی وجہ سے، جو اس کی عادت تھی، سلطنت کے کاروبار سے غافل ہو گیا۔ اس کے پیٹھ پیچھے امراء نے اس کے چچا ناصر الدین محمود کو بہرائچ میں سے بلوا کر، ۶۴۴ ھ ہجری مطابق ۱۲۴۶ء میں دہلی کے تخت پر بٹھایا، اور سلطان مسعود شاہ کو قید کر لیا۔ وہ قید ہی میں زندگی کے باقی دن گذار کر، انتقال کر گیا۔ سلطان ناصر الدین محمود ۶۴۹ ھ ہجری مطابق ۱۲۵۱ء میں دارالسلطنت دہلی سے لاہور، ملتان اور اُچ کے راستے بکھر پہنچا، جو اس کا دارالحکومت تھا۔ مگر اب اسے بھی تبدیل کر کے، سہون کا انتخاب کیا اور ملک جلال الدین حسن ''قلغ خان'' کو سندھ کا حاکم مقرر کر کے، دہلی واپس چلا گیا۔

سلطان ناصر الدین اسم با مسمیٰ تھا اور اپنے اچھے اوصاف کی بدولت کسی بھی سابقہ اور لاحقہ بادشاہ سے کم نہیں تھا۔ ایک سال میں دو قرآن شریف لکھتا تھا اور ان کی کتابت کی واجبی رقم سے اپنا گذارہ کرتا تھا۔ ایک مرتبہ کسی امیر نے، بادشاہ کا لکھا ہوا قرآن مجید زیادہ رقم دے کر خرید لیا۔ بادشاہ کو پتہ چلا، تو اسے یہ بات اچھی نہیں لگی اور کہا کہ ''آئندہ قرآن مجید مخفی طور پر فروخت کئے جائیں۔'' علاوہ ازیں بادشاہ کے گھر میں کوئی کنیز یا کوئی ملازمہ بھی نہیں ہوا کرتی تھی۔ بادشاہ کی اہلیہ محترمہ خود کھانا پکاتی تھی۔ ایک دن اس نے بادشاہ سے کہا کہ ''روٹی پکانے کے لئے کوئی کنیز خرید کر کے دیجائے تو اس میں کیا حرج ہے؟'' بادشاہ نے اسے جواب دیا کہ ''بادشاہ کے لئے ضرورت سے زیادہ کوئی چیز خریدنا مناسب نہیں ہے، صبر کر۔ اللہ تعالیٰ آخرت میں تمہیں اس صبر کا اچھا صلہ دیگا۔'' سچ مچ ایسا بے ریا اور حق پرست بادشاہ دنیا میں کسی نے بھی نہیں دیکھا ہوگا۔

آخرکار وہ بے ریا اور حق پرست بادشاہ ۶۶۴ھ ہجری مطابق ۱۲۶۶ء میں اس فانی دنیا سے عالم جاودانی کی طرف رحلت کر گیا، اور دہلی کے تخت پر سلطان غیاث الدین بلبن کو بٹھادیا گیا، جو سلطان شمس الدین التمش کے زرخرید غلاموں میں سے تھا۔ سلطان غیاث الدین نے سندھ، ملتان اور لاہور کی حکومت اپنے فرزند ارجمند سلطان محمد کے سپرد کی، جس نے سندھ کے حاکم قلغ خان کو سندھ میں اُسی طرح قائم رکھا۔ سلطان محمد اچھے اوصاف کا مالک تھا۔ درویش کے ساتھ عقیدت رکھتا تھا اور زیادہ وقت حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی اور حضرت فرید الدین گنج شکر پاک پتن والے کی صحبت میں صرف کرتا تھا۔ بڑا بہادر، سخی اور علم دوست تھا۔ امیر خسرو اور امیر حسن (دہلوی) اس کے ملازم اور باقاعدہ وظیفہ خوار تھے۔ اسے امیر خسرو اور امیر حسن کی نثر اور نظم پسند تھی۔ سلطان محمد اتنا مہذب تھا، کہ اسے دربار میں سارا دن اور (کبھی کبھار) ساری رات بیٹھنا پڑتا تھا، تو بھی گھٹنے اوپر نہیں کرتا تھا یعنی ہمیشہ دو زانوں بیٹھا رہتا تھا اور جس حالت میں ہوتا تھا، اسی حالت میں رہتا تھا، اور قسم کھاتا تھا تو فقط ''حقا'' (یعنی خدا کی قسم، یا سچ ہے) کہتا تھا۔

روایت ہے کہ حضرت عثمان مروندی (میمندی) یعنی قلندر شہباز، جو سندھ کے بڑے اولیاؤں میں سے ہیں، ایک مرتبہ ملتان گئے، تو شہزادہ محمد نے اُن کی بڑی تعظیم کی۔ اُن کی خدمت میں نذرانے پیش کئے اور ملتان میں رہائش اختیار کرنے کو کہا۔ مگر حضرت عثمان مروندی نہیں مانے اور ملتان سے چلے گئے کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عثمان مروندی اور حضرت بہاء الدین ذکریا کے فرزند صدر الدین شہزادہ محمد کی مجلس میں موجود تھے۔ سماع میں یعنی کچھ اشعار اور غزلیں سنتے ہی انہیں اور دیگر درویشوں پر وجد طاری ہو گیا اور رقص کرنے لگے۔ شہزادہ محمد سینے پر ہاتھ باندھے ہوئے ادب سے کھڑا تھا اور زار و قطار رو رہا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ شہزادہ محمد نے دو مرتبہ اپنے خاص آدمی بھیج کر شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی کو ملتان آنے کی دعوت دی اور کچھ رقم بھی بھیجوائی۔ شہزادہ محمد کا ارادہ تھا کہ شیخ سعدی کے لئے ملتان میں خانقاہ تعمیر کروائی جائے اور ایک دیہہ خرید کر اس کے نام وقف کی جائے۔ مگر شیخ سعدی ان دنوں بلکل ضعیف اور کمزور ہو گئے تھے، جس وجہ سے ملتان نہیں آسکے، لیکن دونوں مرتبہ اپنا کلام اپنے ہاتھوں سے لکھ کر، شہزادہ کی طرف بھیج دیا اور امیر خسرو کی سفارش بھی کی (سچ مچ، ایسی زندگی سب سے بہتر ہے، جس میں امیری بھی میسر ہو اور فقیری بھی)۔ شہزادہ محمد ۶۸۳ھ ہجری مطابق ۱۲۸۴ء میں لاہور میں چنگیز خانی جنگ میں شہید ہو گیا۔ سلطان غیاث الدین نے شہزادہ کی حکومت اس کے فرزند کیخسرو خان کے سپرد کی جس نے سندھ کے سابقہ حاکموں کو اپنے والد ماجد کے دستور کے مطابق قائم رکھا۔ آخر

کار مشیت ایزدی سے سلطان غیاث الدین بلبن اپنے فرزند ارجمند شہزادہ محمد کے غم میں ۶۸۶ہجری مطابق ۱۲۸۶ء میں انتقال کر گیا، اور دہلی کے تخت پر سلطان جلال الدین خلجی نے جو سلطان غیاث الدین بلبن کے ملازمین میں سے تھا، اپنی طاقت اور عقلمندی سے قبضہ کیا ۳۵۔

تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ خلجی، چنگیز خان کے داماد ''خلیج خان'' کی اولاد ہیں۔

سلطان جلال الدین خلجی ۶۹۳ہجری مطابق ۱۲۹۳ء میں نصرت خان کو سندھ کا حاکم مقرر کیا۔ ۶۹۵ہجری مطابق ۱۲۹۶ء میں جب سلطان جلال الدین اپنے بھتیجے اور داماد سلطان علاء الدین خلجی کے ہاتھوں شہید ہوا، تب بھی سندھ کا حاکم نصرت خان ہی تھا۔ خود دہلی کے بادشاہ سلطان علاء الدین نے اسے ایک ہزار سوار زیادہ دے کر بکھر، سہون اور دیبل کا معقول بندوبست کرنے کا حکم دیا، اور یہ بھی حکم دیا کہ ''ملتان میں رہائش اختیار کر''۔ اگرچہ ۶۹۷ہجری مطابق ۱۲۹۷ء میں مغلوں کا لشکر سیستان سے سیوستان (سہون) پر ٹوٹ پڑا اور قلعہ کا محاصرہ کر کے، اسے قبضہ میں لے لیا۔ مگر نصرت خان ملتان سے زبردست لشکر لے آیا اور مغلوں کو شکست دے کر اس نے قلعہ واپس اپنے قبضے میں لے لیا، اور سابقہ بندوبست برقرار رکھ کر واپس لوٹ گیا۔

۷۱۶ہجری مطابق ۱۳۱۶ء میں سلطان علاء الدین نے یہ فانی دنیا چھوڑ کر، عالم جاودانی کی راہ لی۔

سلطان علاء الدین کی رحلت کے بعد ہندوستان کے اکثر علاقوں میں شورش برپا ہوئی، اور دہلی کے تخت پر خسرو خان نے قبضہ کر لیا ۳۶۔ کافی عرصہ کے بعد غازی ملک ملتان اور سندھ میں سے لشکر لے کر دہلی گیا اور زبردست جنگ اور خونریزی کے بعد، خدا کے فضل سے فتحیاب ہوا اور ۷۲۰ہجری میں ''غیاث الدین تغلق'' کے لقب سے ہندوستان کا مستقل بادشاہ بنا۔ اگرچہ ملک غازی (غیاث الدین تغلق) دہلی جاتے وقت اپنی غیر حاضری میں خواجہ خطیر کو بکھر میں اور ملک علی شیر کو سہون میں مقرر کر کے گیا تھا، مگر سومرا قوم، جو ٹھٹہ کے گرد و نواح میں رہتی تھی، نے بغاوت کی اور ٹھٹہ اور اس کے قریبی علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ جب غیاث الدین تغلق کی زندگی کا چراغ ۷۲۵ہجری مطابق ۱۳۲۶ء میں موت کی ہوا سے بجھ گیا، تب اس کا بیٹا سلطان محمد شاہ تخت نشین ہوا۔ جس نے ۷۲۷ہجری مطابق ۲۷-۱۳۲۶ء میں ''کشلو خان'' یا ''خسرو خان'' کو سندھ کا حاکم

---

۳۵ سلطان غیاث الدین کی وفات کے بعد اس کا نواسہ سلطان معز الدین کیقباد تخت نشیں ہوا اور ۶۸۹ہجری مطابق ۱۲۹۰ء تک حکومت کی۔ اس کے بعد سلطان جلال الدین خلجی نے حکومت پر قبضہ کر لیا۔ (ن۔ب)۔

۳۶ سلطان علاء الدین کی وفات کے بعد اس کا بیٹا شہاب الدین عمر ۷۱۵ہجری میں، اس کے بعد اس کا فرزند قطب الدین مبارک (۲۰-۷۱۶ہجری میں) تخت نشیں ہوئے۔ ان کے بعد ۷۲۰ہجری میں ناصر الدین خسرو کا تسلط ہوا۔ (ن۔ب)۔

مقرر کیا،لیکن وہ جلد ہی اپنے سلطان کا نافرمان اور باغی بن گیا اور اسی وجہ سے قتل ہو گیا۔ اس کی جگہ پر ایک دوسرے نواب کو مقرر کیا گیا، مگر کسی بھی تاریخ کی کتاب سے اس کا نام معلوم نہیں ہو سکتا۔ آخر کار سلطان محمد شاہ کو ''بغی'' نامی ایک غلام کی بغاوت، گجرات کے حاکم کی نافرمانی اور سومرہ قوم کی سرکشی کی وجہ سے انہیں سرزنش کرنے کے لئے خود دہلی سے گجرات کے راستے ٹھٹہ میں آنا پڑا، جو بغی بھی وہیں تھا اور سومرہ لوگ بھی وہیں تھے، لیکن مشیت ایزدی یوں ہی تھی، جس وجہ سے ۷۵۲ھ ہجری مطابق ۱۳۵۱ء میں دارالفنا چھوڑ کر، دارالبقا کی طرف راہ لی۔

راقم الحروف اس دیندار بادشاہ کے چند اوصاف حمیدہ بیان کرتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ سلطان محمد شاہ جمعہ نماز ہمیشہ جامع مسجد میں ادا کرتا تھا، اور یوں سمجھتا تھا کہ بادشاہی یا صوبہ داری (علاقائی حکومت) وقت کے خلیفہ کی اجازت کے سوا نہیں کرنی چاہئے۔ اسی وجہ سے اس دور کے خلیفہ کی طرف قیمتی تحائف مصر بھیج کر، اس سے حکمرانی کی اجازت طلب کی، اور خطبہ میں خلیفہ کے نام پیچھے اپنا نام بھی شامل کروایا۔

سلطان محمد شاہ کی رحلت ٹھٹہ میں ہوئی۔ اس کے بعد اس کا چچا زاد بھائی سلطان فیروز شاہ، جو ٹھٹہ میں اس کے ساتھ تھا، تخت نشین ہوا۔ جس نے شاہ دین پناہ سلطان محمد شاہ کی خواہش کے مطابق سومرہ، سمہ اور جاڑیجہ قوموں کی سرزنش کی، اور جام خیر الدین سمہ ۳۷ کو ٹھٹہ کا حاکم اور ''نصر'' کو ایک ہزار سوار دے کر، ''سندھ کا فوجدار'' مقرر کیا۔ ''نصر پور'' شہر کی بنیاد اسی نصر کی ڈالی ہوئی ہے۔ سلطان فیروز شاہ ۷۵۳ھ ہجری مطابق ۱۳۵۲ء میں سہون گیا اور حضرت قلندر شہباز اور دیگر مشائخین کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔ ملک علی شیر خان اور ملک تاج الدین کافوری کو وہاں کا حاکم مقرر کرکے، خود بکھر میں وارد ہوا (حضرت قلندر شہباز کے روضہ کی تعمیر کا کام اسی بادشاہ نے شروع کروایا تھا، جس کا احوال اوپر بیان کیا گیا ہے) بیس دن بکھر میں رونق افروز رہے۔ ملک رکن الدین کو ''اخلاص خانی'' کا خطاب عطا کیا۔ ملک عبدالعزیز کو بکھر کا دیوان مقرر کیا اور قلعہ کی حفاظت کے لئے ۸۰ سپاہی اس کے سپرد کرنے کے بعد، سندھ کے تمام معاملات کے انتظام کی ذمہ داری اس پر رکھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ ۷۷۲ھ ہجری مطابق ۱۳۷۰ء میں بادشاہ جہان پناہ، جام خیرالدین سمہ کی بغاوت کو دبانے کے لئے ننگر کوٹ (گجرات) کے راستے دوبارہ سندھ میں تشریف فرما ہوئے، اور جام خیرالدین کو اور اس کے عزیزوں اور ٹھٹہ کے کچھ نامور زمینداروں کو گرفتار کر کے، دہلی لے گئے۔ اگرچہ جام خیرالدین نے سہون کے نزدیک راستے میں سے بھاگ جانے کوشش کی، لیکن اسے زنجیر ڈال کر، دہلی لے جایا گیا، جہاں قید میں

۳۷ ''سومرو'' (ن۔ب)۔

مر گیا۔ اس کی موت کے بعد ۷۸۱ ہجری مطابق ۱۳۷۹ء میں اس کے فرزند جام جونی کو شاہی خلعت دے کر، ٹھٹہ کی حکومت سپرد کی گئی۔ اس اثنا میں سندھ کی حکومت تین علاقائی حکومتوں بکھر، سہون اور ٹھٹہ میں تقسیم ہو چکی تھی۔ سلطان فیروز شاہ ۷۹۰ ہجری مطابق ۱۳۸۸ء میں انتقال کر گیا اور سلطان تغلق شاہ دہلی کے تاج اور تخت کا وارث بنا۔ پھر سلطان ابوبکر شاہ اس کا قائم مقام بنا۔ اس کے بعد سلطان محمد شاہ، پھر سلطان سکندر شاہ اور سب سے آخر میں سلطان نصرت شاہ ۳۸ اس خاندان سے دہلی کے تخت پر جلوہ افروز ہوتے رہے۔

چونکہ اُس زمانہ کے بادشاہوں سے متعلق، جن کا سندھ کی حکومت سے تعلق رہا ہے، تفصیلی احوال معلوم نہیں ہوتا، اس لئے راقم الحروف کو کیا ضرورت پڑی ہے، کہ وہ ان کی تخت نشینی، سلطان کے خاتمے اور ان کی زندگی اوزموت سے متعلق تفصیل ڈھونڈتا پھرے، اور اپنے سر میں درد ڈالے۔ اسی صورت میں، میں غیر ضروری حالات کو نظر انداز کر کے، اصل مقصد پر آتا ہوں۔ تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب مذکورہ بالا سلطنت میں کمزوری پیدا ہوئی اور جھگڑوں اور تفرقہ بازی نے سر اٹھایا، تو کئی دور دراز اور خصوصاً سرحدی علاقے نافرمان ہوئے اور مرکز کی اطاعت سے روگردانی کر کے، خود مختار ہو گئے۔ حتیٰ کہ ایسے حالات کے بعد ۸۰۰ ہجری مطابق ۱۳۹۷ء میں صاحبقران امیر تیمور کا نواسا مرزا پیر محمد پنجاب سے سندھ میں آیا اور کچھ علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ مگر ایسا کرنے سے بڑا انتشار پیدا ہوا۔ راقم الحروف کا پختہ خیال ہے کہ ''غوری قوم'' کے لوگ شاید اسی بادشاہوں کی نسل ہیں، جو اب باقی بچے ہیں اور شاید ان میں سے زیادہ تر افغانستان لوٹ گئے ہیں۔

چھٹا طبق

سومرا گھرانے کی حکومت کا قیام

سال ۸۰۱ ہجری مطابق ۱۳۹۸ء سے

سندھ کی کچھ تاریخ جیسا کہ ''طاہری نسیانی'' اور ''مختصر ہندی'' لکھتی ہیں کہ سومرا لوگ ہندو تھے۔ تحفۃ الکرام کا مؤلف لکھتا ہے کہ ''ہندو ہیں یا مسلمان، مگر در اصل ''سامرہ'' ۳۹ کے عربوں سے ہیں، اور یہ بھی یقینی بات ہے کہ وہ قدیم سندھ کے باسی ہیں اور کاشتکاری اور زمینداری کرتے ہیں''۔

---

۳۸ سلطان ناصرالدین (ن۔ ب)۔

۳۹ ''سادہ''۔

الغرض مذکورہ بالا عرصے کے دوران (جب ملک کے اندر انتشار تھا) سومرا لوگوں نے ''ٹھری'' شہر کے ارد گرد سے، جس کا وجود آج کل دیکھنے میں نہیں آتا ٭ لوگوں کو اکٹھا کر کے اور ہندوستان کے مختلف مقامات پر برپا فساد کا موقع پا کر، ''سومرو'' نامی ایک شخص کو ٹھٹہ کے قرب میں تخت پر بٹھایا۔ سومرو بہت ہی اچھے طریقے سے حکومت کر کے انتقال کر گیا۔ اس کے بعد اس کا فرزند ''بھونگر''، جو ''صاد'' نامی ایک زمیندار کی بیٹی سے تھا، باپ کی جگہ پر تخت نشیں ہوا۔ اس نے اپنے باپ کی بہ نسبت اپنی حکومت کو وسیع کیا۔ بھونگر کے بعد اس کا فرزند ''دودو'' تخت پر بیٹھا اور اپنی حکومت نصرپور تک بڑھائی۔ مگر جوانی میں ہی فوت ہو گیا اور اپنے لواحقین میں ''سنگھار'' نامی ایک بیٹا اور ''تاری'' یا ''پاری'' نامی ایک بیٹی چھوڑ گیا۔ سنگھار چھوٹا تھا، اس لئے اس کی بہن تاری (یا پاری) حکومت چلانے لگی۔ جب سنگھار بڑا ہوا، تو خود حکومت چلانا شروع کی اور بہت ہی اچھے طریقے سے ملک کو بھی بڑھایا اور بغاوتیں بھی کچل ڈالیں۔ سنگھار کی کوئی اولاد نہیں تھی، اس لئے اس کی بیوی ''ہیمون'' اور اس کے بھائی حکومت چلانے لگے۔ آخرکار ''بھٹو''، جو دودو کی اولاد سے تھا، تخت نشین ہوا، اور چند سال اچھی طرح حکومت چلا کر، فوت ہو گیا۔ اس کے بعد ''خیرو'' نامی سومرو ملک کا والی بنا۔ جب اس کی حکومت کا سورج موت کی افق میں غروب ہوا، تو ''ارمیل'' نامی سومرو گادی نشین ہوا، جو ظالم اور بد مزاج تھا۔ رعایا کو اذیتیں دینے لگا، جو خالق اکبر کی مخلوق ہے۔ جس وجہ سے لوگ دانہ دانہ ہو کر، ادھر ادھر بکھر گئے۔ وہ خود بھی قتل ہو گیا اور سومرہ گھرانہ کی حکمرانی بھی ختم ہو گئی۔

مذکورہ بالا احوال ''تاریخ معصومی'' سے، جو نہایت ہی معتبر کتاب ہے، اور تحفۃ الکرام سے، جو بلکل مفصل تاریخ ہے، اخذ کیا گیا ہے۔ مگر تحفۃ الکرام کے مؤرخ نے سومرا گھرانہ کے حکمرانوں کا احوال بشمول ان کی حکمرانی کے عرصے کے درج کیا ہے۔ اگر تحفۃ الکرام کے لکھنے کے مطابق یہ عرصہ لکھا جائیگا تو کوئی بھی مؤرخ اس پر یقین نہیں کرے گا، اس لئے راقم الحروف نے ان کی حکمرانی کے عرصے کو چھوڑ کر، تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کی معلومات کے لئے صرف ان کے ترتیب وار نام درج کرنے پر اکتفا کیا ہے:

پہلا حاکم سومرو تھا۔ دوسرا اس کا بیٹا بھونگر، جو صاد نامی ایک زمیندار کی بیٹی سے تھا اور پندرہ برس کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ تیسرا دودو۔ چوتھا سنگھار۔ پانچواں خفیف۔ چھٹا عمر۔ ساتواں ''دودو ثانی''۔ آٹھواں بھٹو۔ نواں خیرو (یا کھیرو)۔ دسواں محمد طور۔ گیارھواں ''خیرو (یا کھیرو)

٭ اس پرانے شہر کے کھنڈر ماتلی، ضلعہ حیدرآباد کے مشرق میں ابھی تک موجود ہیں۔ (ن۔ب)۔

ثانی''۔ بارہواں ''دودو ثالث''۔ تیرہواں طائی۔ چودہواں چنیسر۔ پندرہواں ''بھونگر ثانی''۔ سولہواں ''خفیف ثانی''۔ سترہواں ''دودو چوتھا''۔ اٹھارواں ''عمر ثانی''۔ انیسواں ''بھونگر ثالث''۔ بیسواں حمیر، جو ظالم، بد مزاج اور رنگیلا تھا، اور اسی نااہل کے زمانے میں حکومت سومرہ گھرانے سے نکل کر، سمہ گھرانے میں چلی گئی۔

راقم الحروف سومرا قوم کی کچھ عجیب وغریب باتیں بیان کرتا ہے، جو قارئین کے لئے دلچسپی کا باعث ہونگی۔

سومرا قوم کا ''حمیر'' نامی ایک امیر، ایک خوبصورت اور پاکدامن عورت کی طرف مائل تھا۔ اگرچہ وہ عورت اپنے عفت اور عصمت کی پوری پوری حفاظت کرتی تھی، مگر حمیر اپنے بُرے ارادے سے دست بردار نہیں ہوتا تھا۔ ایک دن کوئی بہانہ کر کے اس کے گھر میں گھس گیا اور اس کے ساتھ دست درازی کرنے لگا۔ اس عورت نے اس سے کہا کہ ''ٹھہر، اس کام میں جلد بازی کرنا مناسب نہیں ہے۔ پہلے میرے سوالوں کے جوابات دے، پھر دوسری بات''۔ اس عورت نے اس سے پوچھا کہ ''مشہور ہے کہ عقل کو چالیس حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ انتالیس حصے مرد کو دیئے گئے اور فقط ایک حصہ عورت کو دیا گیا، کیا یہ صحیح ہے؟ حمیر نے کہا، ہاں، صحیح ہے''۔ اس نے پھر پوچھا کہ '' کہتے ہیں کہ 'شہوت کو چالیس حصے کیا گیا۔ انتالیس حصے عورت کو دیئے گئے اور فقط ایک حصہ مرد کو۔' کیا یہ صحیح ہے؟'' حمیر نے جواب دیا کہ ''ہاں، صحیح ہے''۔ اس پر اس عورت نے اس سے کہا کہ جب یہ باتیں تجھے معلوم ہیں، تو پھر تعجب ہے کہ تو شہوت کے فقط ایک حصے اور عقل کے انتالیس حصوں کے ہوتے ہوئے بھی اپنے بس میں نہیں رہ سکتا اور اپنے اوپر قابو نہیں رکھ سکتا۔ جب کہ میں عقل کی کمی اور شہوت کی کثرت کے باوجود خود پر قابو رکھتی ہوں''۔ حمیر لاجواب ہوگیا اور اس پاکدامن عورت سے معافی مانگ کر، اس کے گھر سے نکل گیا۔

عمر سومرو اور تمیم قوم کی ایک لڑکی گنگا کا قصہ، حمیر سومرو کی کہانی، مومل رانو کا قصہ، چنیسر اور لیلاں کا قصہ اور دیگر کئی قصے ہیں، جو مشہور ہیں، اور سومرہ قوم کی طرف منسوب ہیں، لیکن طوالت کی وجہ سے نہیں لکھے جا سکتے۔ اس قوم میں جو عجیب وغریب عادات تھیں، ان میں سے کچھ یہاں بیان کی جاتی ہیں۔

سومرہ حکمران اپنی رعایا کو، حتیٰ کہ اپنے بھائیوں کو بھی داغتے تھے۔ پگڑی فقط سردار باندھتے تھے۔ ہاتھوں کے ناخن بھی نہیں کٹواتے تھے۔ یہ ایک علامت تھی، جو حکمرانوں اور دیگر لوگوں کے درمیان امتیاز کرنے کی خاطر ضروری سمجھی جاتی تھی۔ سارے سومرا لوگ صرف نئے کپڑے پہنتے تھے۔ دھلے ہوئے کپڑے پہننے میں عار محسوس کرتے تھے۔ اسی طرح جو عورت پہلی

دفعہ بچہ کوجنم دیتی تھی، دوبارہ اس کے نزدیک نہیں جاتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ اسی قوم کی ایک عورت کو اپنے شوہر سے غیر معمولی محبت تھی۔ جب حاملہ ہوئی، تو اسے فکر لاحق ہوئی کہ جب بچے کو جنم دوں گی، تو میرا شوہر مجھے نظر انداز کر دیگا۔ یہ خیال کر کے سوچ میں پڑ گئی۔ عقلمند عورت تھی۔ آخر کار اس نے یہ راستہ ڈھونڈھ نکالا کہ اپنے گھر کی جو چادریں میلی تھیں اور بے کار سمجھ کر، ایک طرف پھینک دی گئیں تھیں، وہ دھوبی سے دھلوا کر رکھ دیں۔ ایک دفعہ جب اس سے اپنے شوہر نے نہانے کے بعد جسم خشک کرنے کے لئے کپڑا مانگا، تو اس نے اسے ایک دھلی ہوئی چادر لا کر دی، جو بلکل نرم تھی۔ اس سے شوہر نے پوچھا کہ ''یہ چادر کس قسم کی ہے؟'' اس نے اسے جواب دیا کہ ''یہ وہی چادر ہے، جسے تو نے بے کار سمجھ کر پھینک دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کو تنگ نظر بنایا ہے، جو ایسے نرم اور صاف کپڑوں سے محروم ہو۔'' شوہر کو اپنی بیوی کی بات معقول نظر آئی اور دھلے ہوئے کپڑوں کے استعمال نہ کرنے کی عادت چھوڑ دی۔ دوسرے لوگوں نے جب یہ بات سنی تو ان کو بھی بھلی لگی اور انہوں نے بھی یہ عادت ترک کر دی۔ بیوی نے جب دیکھا کہ اس بات کا اس کے شوہر کے دل پر بہت اثر ہوا ہے، تب موقع پا کر اس سے کہنے لگی کہ ''عورت بچہ کو جنم دینے کے بعد بھی اسی طرح پاک و صاف ہوتی ہے، جیسا دھلا ہوا کپڑا''۔ شوہر چونکہ اپنی بیوی کی عقلمندی کا قائل ہو چکا تھا، اس لئے وقت آنے پر اس بات کو آزما کر دیکھا اور اسے پسند کیا۔ دیگر مردوں نے بھی جب یہ بات سنی، تو انہیں بھی آزمانے کے بعد پسند آئی اور رفتہ رفتہ سومروں میں سے اس بری رسم کا خاتمہ ہو گیا۔

مؤرخین نے سومروں کی حکومت کے زوال سے متعلق لکھا ہے کہ سومرا لوگ شراب پینے کے وقت زیادہ تر چھوٹے بچھڑے کا گوشت کھاتے تھے۔ ایک دفعہ کسی سمّہ کے گھر سے انہوں نے زبردستی ایک چھوٹا بچھڑا لیا اور اسے کھا گئے۔ سمّہ، سومروں کی رعایا تھے۔ اُسی گھر کی عورت نے اپنے مرد سے کہا کہ ''سومرے جس طرح آج بچھڑا زبردستی لے گئے ہیں، اسی طرح کل کو تمہاری عورتیں بھی لے جائیں گے۔'' مرد کی غیرت بیدار ہوئی۔ اس نے سندھ اور کچھ میں سے اپنی قوم کے لوگوں کو اکٹھا کر کے، اول چند سرکردہ سومروں کو قتل کر ڈالا، اور پھر ایک بڑا حملہ کر کے، ملک پر قبضہ کر لیا۔

اگر چہ بقول مؤرخین سومروں کی حکومت کا زوال ان کے مظالم اور برے کاموں کی وجہ سے ہوا، لیکن درحقیقت یہ سب کچھ ''تؤتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء'' کی حکمت کے سبب ہوا، اور سومروں کی حکومت سمّہ قوم کے ہاتھوں میں چلی گئی۔

اس وقت سومرا قوم میں سے کوئی بھی عزتدار شخص موجود نہیں ہے[1]۔ اس قوم کے

اکثر لوگ دھوبی، رنگریز ہیں اور کپڑوں کی بنائی کا کام کرتے ہیں۔ کچھ کاشتکاری، زمینداری اور کم درجہ کی ملازمت کرنے والے بھی ہیں۔ اللہ کی شان باقی ہے، اور سب کچھ فانی۔ کسی بزرگ نے کہا ہے کہ:

''ہر کسی را پنج روزہ نوبت است'' ۴۲؎۔

ساتواں طبق

سمہ جام سندھ کے حکمران

تقریباً ۸۷۵ ہجری مطابق ۱۴۷۰ سے

تاریخ معصومی کی روایت کے مطابق سما قوم کے لوگ اروڑ کی فتح اور داہر کے قتل کے بعد ڈھول باجے لے کر محمد بن قاسم کی خدمت میں ''ٹھری'' ۴۳؎ سے آئے تھے اور انہوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ تاریخ طاہری کے بیان کے مطابق در اصل وہ ہندو تھے، اور تحفۃ الکرام کی تحریر کے مطابق وہ عکرمہ بن عصام بن ابی جہل کی اولاد میں سے تھے، اور ''جام'' کا لقب بھی اسی قبیلہ سے خود لے کر آئے تھے۔ جیسے بھی ہو، مگر یہ بات ثابت ہے کہ سندھ کے قدیم باشندے، سومروں کی رعایا اور ان کو محصول دیتے تھے۔

الغرض، خونریزی کے بعد سندھ کی حکومت سومروں سے چھین کر اپنے قبضے میں لے لی، اور ''اُنڑ'' ولد ''پاپیہ'' ۴۴؎ کو ''جام'' کا لقب دے کر، گدی پر بٹھایا۔ جام انڑ نے ''ساموئی'' شہر پر، جو مکلی کی پہاڑی پر تھا اور فی الوقت اس کا وجود مفقود ہو چکا ہے ۴۵؎ مکمل ضابطہ رکھنے کے بعد

۴۱؎ ''لب تاریخ'' کی تالیف کے بعد، خان بہادر اللہ بخش سومرو سندھ کا سابق وزیر اعظم ایک معزز ترین شخصیت کا مالک اور سیاسی خواہ اخلاقی نقطۂ نگاہ سے اعلیٰ درجہ کا انسان گذر چکا ہے۔ جس پر سندھ کو ہمیشہ فخر رہے گا اور سندھ کی تاریخ اس کے ذکر خیر کے بغیر نامکمل رہے گی۔ سندھ میں اور بھی کئی ایک نامور اور معزز سومرے پہلے بھی گذر چکے ہیں اور اس وقت بھی موجود ہیں (ن۔ب)۔

۴۲؎ شیخ سعدی نے کہا ہے کہ ''ہر کسی پنج روز نوبت اوست'' (ن۔ب)۔

۴۳؎ سمہ لوگ ''ساوندری'' سے آئے تھے (ن۔ب)۔

۴۴؎ صحیح ''بانبھنیہ'' ہے۔

۴۵؎ ساموئی کے کھنڈرات کوہ مکلی کے نزدیک شمال میں آج بھی موجود ہیں۔

سہون فتح کرنے کا قصد کیا اور ملک ''رتن'' کو جو ترک سلطان ٦؎ کا مقرر کردہ حاکم تھا، جنگ میں شکست دے کر، بکھر کی طرف رخ کیا، مگر بکھر کے حاکم علی شیر کے ہاتھوں ہلاک ہوگیا۔ جام انڑ کی حکومت کا عرصہ ساڑھے تین سال لکھا گیا ہے، بعد میں اس کا بھائی جونو تخت نشین ہوا۔ جام جونو حکومت پر مکمل ضابطہ رکھنے کے بعد، ٹلٹی کے پاس جو دریائے سندھ کے کنارے پر ایک چھوٹا سا گاؤں ہے، دریا عبور کر کے، بکھر پہنچا۔ بکھر کا حاکم جو ترک تھا، اپنے ساتھیوں سمیت بھاگ کر اُچ کو چلا گیا۔ جام جونو نے بکھر پر قبضہ کر لیا۔ مگر بادشاہی لشکر پہنچنے سے پہلے فوت ہوگیا۔ اس کے بعد ''جام پاپیہ'' سندھ کا حاکم بنا اور چند سال حکومت کرنے کے بعد وفات پا گیا۔ پھر ''جام تماچی'' سندھ کا حکمران بنا۔ اس پر شاہی لشکر نے حملہ کیا اور سہون میں اس کے ساتھ لڑائی کرنے کے بعد اسے گرفتار کر لیا اور بال بچوں سمیت اسے دہلی لے گیا۔ کافی عرصہ گذرنے کے بعد اس کے فرزند جام خیر الدین کو، جو بچپن ہی سے اپنے باپ کے ساتھ دہلی میں تھا، شاہی سر و پاء پہنا کر، سندھ کا حاکم بنایا گیا۔ مگر تحفۃ الکرام کے مؤلف کا کہنا ہے کہ جام پاپیو ولد جام انڑ حاکم بنا۔ لیکن تاریخ معصومی کا قول زیادہ صحیح ہے کہ جام خیر الدین حاکم بنا۔

راقم الحروف اس برگزیدہ انسان (جام خیر الدین) کے کچھ اچھے اوصاف بیان کرنا چاہتا ہے۔ یہ جام اسم بامسمّٰی تھا یعنی جیسا اس کا نام اچھا تھا، خود بھی ویسا ہی اچھا تھا، بلکہ ولی اللہ تھا۔ ایک مرتبہ اپنے خاص لوگوں کے ساتھ گھومنے کے لئے نکلا۔ اچانک انسانی بدن کی ہڈیوں پر اس کی نگاہ جا پڑی، جو ایک گڑھے میں پڑی ہوئی تھیں۔ گھوڑے کو روک کر، کچھ دیر کے لئے ان ہڈیوں کو دیکھتا رہا اور پھر اپنے لوگوں سے کہا کہ ''تمہیں پتہ ہے یہ ہڈیاں مجھے کیا کہہ رہی ہیں؟'' وہ کوئی بھی جواب نہیں دے سکے۔ جام نے کہا کہ'' یہ مظلوم ہیں اور انصاف کا تقاضا کر رہی ہیں۔'' پھر حقیقت معلوم کرنے کے لئے اردگرد گوٹھوں میں لوگوں کو روانہ کیا۔ ایک بوڑھا آدمی جو وہاں کا مقامی تھا، حاضر ہوا اور اس نے ہڈیوں سے متعلق کہا کہ ''سات سال قبل گجرات سے بیوپاریوں کا ایک قافلہ آیا تھا، جنہیں یہاں کے مقامی لوگوں نے قتل کیا اور ان کا سامان اسباب لے گئے۔ جام نے اس بات پر یقین کر لیا اور وہ مال واپس لے کر، گجرات کے حاکم کو بھجوا دیا اور اسے لکھ بھیجا کہ ''یہ مال مقتولوں کے ورثاء کے حوالے کیا جائے''، اور پھر قاتلوں کو کیفر کردار تک پہنچایا۔ جام خیر الدین نے چند سال اطمینان اور آزادی سے حکومت کرنے کے بعد اس عالم فانی سے رحلت پائی۔

پھر جام خیر الدین کا فرزند ''جام پاپیو ثانی'' اپنے باپ کا جانشین بنا۔ لیکن دہلی کے

٦؎ یعنی سلطان محمد شاہ تغلق (ن۔ب)

بادشاہ سے بغاوت کرنے کے الزام میں قید کر کے، اسے دہلی لے جایا گیا، جہاں وہ بہت ہی اچھی خدمات بجا لائے، جس وجہ سے اسے آزاد کر کے واپس بھیجا گیا اور سندھ کی حکومت اس کے حوالے کر دی گئی۔ آخر کار پندرہ سال حکومت کرنے کے بعد انتقال کر گیا[۴۷]۔

جام پاپیے کے بعد جام تماچی حکمران بنا اور چند برسوں کی حکمرانی کے بعد وفات پا گیا۔ اس کا جانشیں اس کا فرزند جام صلاح الدین بنا اور بہت ہی اچھے طریقے سے حکومت کر کے فوت ہو گیا۔ پھر جام نظام الدین اپنی موروثی حکومت کا وارث بنا۔ مگر وہ عیاش تھا، اور عیاشی کی وجہ سے حکومت کے معاملات سے بے خبر رہتا تھا۔ جس کی وجہ سے اس کے چچا نے اس پر حملہ کیا۔ جام نظام الدین کچھ کی طرف بھاگ نکلا اور وہیں رہنے لگا۔ جام علی شیر، جو زیادہ تر گوشہ نشین رہتا تھا، اپنی عقلمندی اور بہادری کے سبب حکمران ہوا اور چند سالوں بعد شہید ہو گیا۔ جام علی شیر کے بعد ''جام کرن'' تخت نشیں ہوا۔ لیکن سخت گیر اور چڑ چڑا ہونے کے سبب اس کے ملازمین نے اسے غسلخانہ میں قتل کر ڈالا۔ جس کے بعد جام فتح خان ولد سکندر خان اپنی شجاعت، سخاوت اور **مروت** سبب حکمران بنا اور نہایت ہی دانشمندی سے حکومت کرنے کے بعد رحلت پائی۔ **اس** کے بعد اس کا بھائی ''جام تغلق شاہ'' اس کا جانشین بنا، جس نے کمال درجہ کی دانائی اور حکومت کے معاملات سے پوری پوری آگاہی سے حکمرانی کی۔ اپنے کئی عزیز و اقارب کو سہون اور بکھر میں اعلیٰ عہدوں پر مقرر کیا۔ مکلی پر ''تغلق آباد'' کے نام سے ایک شہر تعمیر کروایا، جس کے کھنڈرات ابھی تک موجود ہیں، اپنا دارالخلافہ ٹھٹہ سے تبدیل کر کے، تغلق آباد میں قائم کیا اور اپنی مملکت میں جابجا ''تھانیدار'' مقرر کئے۔ آخر کار چند سال حکومت کرنے کے بعد انتقال کر گیا، اور اس کا فرزند جام سکندر بچپن ہی میں اس کا جانشین بنا۔ جام سکندر کی عمر چھوٹی ہونے کے باعث سرکشی، حکم **عدولی اور** بغاوت پیدا ہونے لگی۔ ''مبارک'' نامی اس کا ایک غلام، اس کی غیر حاضری میں تین دن تک حکومت کرتا رہا۔ جس وجہ سے پورے ملک میں افراتفری پھیل گئی۔ ان حالات کی وجہ سے ''جام رائدن'' کچھ سے چل کر، سندھ میں آیا اور حکومت پر قابض ہو گیا۔ جام رائدن ایسا داناء اور بیدار دماغ تھا، جو ڈیڑھ سال کے عرصے کے اندر ملک کی حدود ''اوباری'' [۴۸] تک پھیلا دیں۔ آخر کار چند برسوں کی حکومت کے بعد ''سنجر'' نامی اپنے ایک ملازم کے ہاتھوں زہر

---

[۴۷] پندرہ سالوں والی بات مشکوک ہے (ن۔ب)۔

[۴۸] اصل ''بادرہ'' ہے جو غالبًا ''اوبارہ'' کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔ اس سلسلے میں تاریخ معصومی کی عبارت اس طرح ہے: ''ڈیڑھ برس کے عرصے میں سندھ کی ساری سرزمین سمندر سے لے کر کاجریلی اور کندھی تک، جو ماتھیلو اور اوبارو کی سرحد ہے، اپنے قبضے میں لے لی۔ (ن۔ب)

ملنے کی وجہ سے شہید ہو گیا۔ پھر ''جام سنجر'' رعایا، امراء اور فوج کے مشورے سے ملک کا والی بنا۔کہا جاتا ہے کہ جام سنجر اتنا خوبصورت اور حسین و جمیل تھا، جو کئی لوگ (اسے دیکھنے کی خاطر) بغیر کچھ کھائے پیئے اپنا زیادہ وقت اس کی خدمت اور کام و کاج میں صرف کرتے تھے۔ ایک اہل دل اور صاحب کرامت درویش تو اس پر مفتون ہو گیا۔ ایک دن موقع پا کر اس نے درویش سے گذارش کی کہ ''میں چاہتا ہوں کہ سندھ کا حکمران بنوں، بھلے آٹھ دن ہی سہی۔'' اس درویش نے اس سے کہا کہ ''تو آٹھ سال سندھ کا حکمران رہے گا۔'' اس درویش کی دعا مستجاب ہوئی اور جام سنجر پورے آٹھ سال بلکل بے فکری سے سندھ پر حکومت کرتا رہا۔ میر محمد معصوم بکھری سے روایت ہے کہ [۴۹] ''معروف'' نامی ایک قاضی، جو جام سنجر کی تخت نشینی سے پہلے ہی قضا کے عہدے پر فائز تھا، معمولی تنخواہ ہونے کی وجہ سے فیصلہ کرتے وقت مدعی سے بھی اور مدعا علیہ سے بھی کچھ نہ کچھ رقم ضرور وصول کرتا تھا۔ جب یہ بات جام کو معلوم ہوئی تو اس نے قاضی کو حاضر ہونے کا حکم دیا۔ قاضی حاضر ہوا، تو جام نے اس سے کہا کہ ''میں نے سنا ہے کہ تو مدعی خواہ مدعا علیہ سے زبردستی رشوت لیتا ہے؟'' قاضی نے جواب دیا کہ ''ہاں، میں لیتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ گواہوں سے بھی لوں، لیکن جب تک میں ان سے لوں، اس سے پہلے وہ باہر نکل جاتے ہیں۔'' جام سے ہنسی نکل گئی، پھر قاضی نے گذارش کی کہ ''سارا دن دار القضا (کورٹ) میں بیٹھتا ہوں، سارا وقت سرکار کی خدمت میں صرف کرتا ہوں، اور پیچھے میرے گھر میں میرے بچے بھوک سے نڈھال رہتے ہیں!'' جام کو یہ بات سمجھ میں آ گئی۔ قاضی کی تنخواہ اور اس کے الاؤنس میں اضافہ کر کے، اسے رخصت کیا۔ اس کے بعد اس نے پورے سندھ میں سب قاضیوں کی تنخواہیں، صالحین اور درویشوں کے وظائف بھی بڑھا دئے۔ بالآخر جام سنجر نے اللہ کے حکم اور درویش کی دعا سے پورے آٹھ سال سندھ پر حکومت کر کے، راہ ربانی لے لی، اور جام نظام الدین عرف جام نندو اس کا جانشین بنا۔

تحفۃ الکرام والے جام نظام الدین کا شجرہ اس طرح ہے: نظام الدین ولد پاپیو ولد انڑ ولد صلاح الدین ولد تماچی''۔ لیکن اس کے مقبرے پر، جو مکلی پر ہے، یوں تحریر ہے: ''سلطان نظام الدین شاہ ولد سلطان صدر الدین شاہ ولد سلطان صلاح الدین شاہ ولد سلطان رکن الدین شاہ ولد سلطان فیروز شاہ''۔ اس لئے راقم الحروف جام نظام الدین کے اس شجرے پر اعتبار کرتا ہے، جو اس کے مقبرہ پر تحریر ہے۔ یہ جام نہایت ہی دیندار، متواضع اور اچھے اوصاف والا، فقیروں کا دوست اور برگزیدہ انسان تھا۔ ذیل میں اس کے اچھے اوصاف بیان کئے جاتے ہیں:

---

[۴۹] تاریخ معصومی، مطبوعہ بھنڈارکر اورینٹل انسٹیٹیوٹ پونا ص ۷۲۔

جام نظام الدین کے دورِ حکومت میں کوئی بھی شخص بے نمازی یا بغیر وضو کے نہیں رہتا تھا ۵۰۔ جام ہر ہفتے اصطبل میں جاتا تھا اور گھوڑوں کی پیشانی پر ہاتھ گھما کر، انہیں مخاطب ہو کر کہتا تھا کہ ''اے غازیو! میں نہیں چاہتا کہ تمہاری پیٹھ پر خواہ مخواہ سواری کی جائے۔ کیونکہ میری مملکت کے چاروں اطراف مسلم حکمران ہیں۔ دعا کریں کہ مجھے بغیر کسی شرعی سبب کے کہیں جانا نہ پڑے۔ تاکہ میں مسلمانوں کے خون میں ملوث نہ ہو جاؤں اور نہ ہی کوئی غنیم مجھ پر چڑھائی کرنے آئے''۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مکلی کے قبرستان میں کسی بزرگ کی نعش قبر میں سے ظاہر ہو گئی۔ جام پر یہ حقیقت ظاہر ہو گئی، کہ اس شخص کی جنازہ نماز دوبارہ پڑھنی ہے اور امامت ایک ایسے شخص کو کرنی ہے، جس نے بغیر وضو کے آسمان کی طرف نگاہ نہ کی ہو اور نہ ہی بغیر کسی سبب کے اس نے اپنی شرمگاہ دیکھی ہو۔ شہر میں منادی کروائی گئی، مگر ایسا پرہیزگار خود جام کے بغیر کوئی بھی نہیں مل سکا، جس وجہ سے جام کو خود کو امامت کرنا پڑی۔

سندھ کے کچھ مؤرخین کا کہنا ہے کہ ٹھٹہ شہر کی بنیاد بھی جام نظام الدین ہی نے ڈالی تھی۔ جب اس کے دل میں ایک نیا شہر تعمیر کروانے کا خیال پیدا ہوا، تو نجومیوں کی طرف رجوع کیا گیا۔ انہوں نے کہا کہ اگر نیا شہر (مکلی کی) پہاڑی پر تعمیر کیا جائے گا تو شہر کے لوگ قدرے سنگدل، جاہل اور سینہ زوری کرنے والے ہو جائیں گے، جس وجہ سے حاکمِ وقت کو ہمیشہ فکرمند رہنا پڑے گا، اور اگر پہاڑی سے نیچے نرم زمین پر شہر تعمیر کیا جائے گا تو لوگ نرم دل، عقلمند اور نازک بدن ثابت ہوں گے۔ جن میں سے حاکمِ وقت کو کوئی فکر لاحق نہیں ہوگی۔ بالآخر نجومیوں کے مشورے سے شہر کی بنیاد مکلی سے نیچے میدانی علاقے میں ڈالی گئی۔ ٹھٹہ کی تعمیر کی تاریخ ''بہ بین بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' سے حاصل ہوتی ہے، جس کے اعداد ۸۹۳ ہیں اور یہ ہجری سال مطابق ۱۵۸۵ عیسوی سال کے ۵۱ شہر کا نام ''تھ تھ'' رکھا گیا، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ٹھٹہ کا شہر، زمین پر تعمیر شدہ دیگر شہروں کی بہ نسبت بہت نیچے ہے، اس لئے ''تھتہ'' مشہور ہوا، اور آخر کار آگے چل کر ''ٹھٹہ'' بن گیا۔

---

۵۰ یہ مبالغہ دکھائی دیتا ہے۔ البتہ یہ حقیقت ہے کہ جام ایک صالح انسان تھا اور خود ہمیشہ باوضو رہتا تھا۔

۵۱ اس روایت کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ہے۔ ٹھٹہ جام نظام الدین سے پہلے، سلطان محمد بن تغلق کے دور (۷۲۵-۷۵۲) میں بھی موجود تھا۔ ابن بطوطہ نے، جو ۷۳۴ میں سندھ میں آیا تھا، ٹھٹہ کا تذکرہ نہیں کیا۔ اس لئے یوں سمجھنا چاہیئے کہ ٹھٹہ کی بنیاد ۷۳۴ اور ۷۵۲ کے درمیان رکھی گئی تھی۔ ''ببین بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کے اعداد ۸۵۰ ہیں، نہیں کہ ۸۹۳۔ ازانسوائے سال ۸۹۳ ہجری، تاریخ ۱۷-دسمبر ۱۴۸۷ء سے شروع ہوا۔ اس لئے عیسوی سال ۱۴۸۷-۱۴۸۸ کے مطابق ہے، نہیں کہ ۱۵۸۵ء کے۔ (ن۔ب)۔

بلا شبہ، اس زمانے میں نجومیوں کا مشورہ بہت ہی معقول تھا، جو ٹھٹہ کے شہر کے باشندوں کا حال دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ نازک مزاج، داناء اور کم ہمت ہیں۔ راقم الحروف کی ٹھٹہ کی کئی ایک معزز شخصیات سے دوستی اور محبت ہے اور کئی سال ان کے ساتھ قریبی تعلقات رہے ہیں۔ شہر کے تعمیر کی تاریخ بھی بلکل موزوں ہے، کیونکہ سب دینی اور کتب کی زینت عنوان ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' ہی ہے۔

چونکہ اس کتاب میں کئی مقامات پر مکلی کا نام درج ہے، اور وہاں کئی اولیاء، حکمران، نامور، معزز اور بزرگ شخصیات کے مزار ہیں، جو تا حال موجود ہیں، اس لئے یہ لکھنا ضروری نظر آتا ہے کہ مکلی پر ''مکلی'' نام کیسے پڑا۔ راویوں کا کہنا ہے کہ ایک خدا پرست درویش اور اہل اللہ ہندوستان سے مکلی میں آیا، جسے زیارت کے لئے مکہ معظمہ کو جانا تھا۔ ایک رات اس نے عجیب و غریب خواب دیکھا۔ جب بیدار ہوا تو جذب اور بے خودی کے عالم میں کہنے لگا کہ ''ھذا مکۃ لی، ھذا مکۃ لی '' یعنی میرا مکہ یہی ہے، میرا مکہ یہی ہے۔ پھر رفتہ رفتہ اس خطہ کا نام ''مکلی'' مشہور ہو گیا۔ سچ مچ مذکورہ بالا بزرگوں کے مزاروں کی وجہ سے یہ ایک بابرکت خطہ ہے اور اپنی عجیب و غریب باتوں، شاندار عمارتوں اور رنگا رنگ نقش و نگاروں کی وجہ سے سندھ کی یہ پہاڑی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ راقم الحروف نے مکلی پر جا کر اکثر عمارتیں دیکھی ہیں، اور جام نظام الدین کی وفات کی تاریخ ''سال ۹۱۴'' بھی دیکھی ہے۔ یہ ہجری سال، ۱۵۰۸ عیسوی سال کے مطابق ہے۔ قصہ مختصر، ایسے حاکم بہت ہی کم ہوئے ہیں۔

جام نظام الدین کے بعد اس کا فرزند ''جام فیروز'' اپنے موروثی تخت پر بیٹھا، لیکن چونکہ ابھی صغیر تھا، اس لئے اس کے باپ کی وصیت کے مطابق حکومت کا کاروبار اس کا وزیر دریا خان چلاتا رہا۔ جام فیروز جب لائق ہوا، تو حکومت کا کاروبار اپنے باپ کے دستور کے برخلاف چلانے لگا، جس وجہ سے دریا خان ناراض ہو کر، ٹھٹہ چھوڑ کر چلا گیا۔ دریا خان کی عدم موجودگی کا فائدہ لے کر، جام صلاح الدین، جو ہمیشہ حکومت کا دعویدار رہتا تھا، کچھ سے سندھ میں آیا اور معمولی لڑائی کے بعد فیروز پر فیروزمند (فتحمند) ہو گیا اور آٹھ مہینے اس نے حکومت کی۔ اس کے بعد جام فیروز نے دریا خان کے مشورے اور مدد سے جام صلاح الدین کو نکال دیا اور ۹۲۶ ہجری مطابق ۱۵۲۰ء تک سندھ پر اطمینان اور آزادی سے حکومت کرتا رہا۔ آخر کار ۹۲۷ ہجری مطابق ۱۵۲۱ء مرزا شاہ بیگ ارغون قندھار سے سندھ میں آیا (جس کی تفصیل ارغونوں کے احوال میں بیان کی جائے گی) اور سندھ پر قبضہ کر کے حکومت کرنے لگا۔

راقم الحروف ارغونوں کے احوال لکھنے سے پہلے مناسب سمجھتا ہے کہ سومروں اور سمہ

لوگوں کی حکومت کے عرصہ (میعاد) سے متعلق کچھ احوال بیان کرے۔ کیونکہ سندھ سے متعلق رقم شدہ تاریخ کے کسی بھی مؤلف نے ان دونوں گھرانوں کی حکومتوں کے عرصے سے متعلق کوئی بھی احوال بیان نہیں کیا اور ہر بعد میں آنے والے مؤرخ نے اپنے پیش رو مؤرخ کی تقلید کر کے، سب کچھ اپنے خیال اور گمان کے مطابق لکھا ہے اور پھر سب مؤرخین کے خیالات بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں، جو تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے الجھن کا باعث بن جاتے ہیں۔

قارئین کرام کو نیک روشن ہو کہ سندھ سے متعلق آخری، معتبر اور تفصیلی تاریخ، ''تاریخ معصومی'' ہے، جس کا مؤلف میر محمد معصوم بکھری ''نامی'' شخص ہے۔ میر معصوم ہندوستان کے بادشاہ جلال الدین محمد اکبر کے زمانے میں تھا اور اپنے زمانے کا بڑا داناء، تجربکار اور نامور انسان تھا۔ مذکورہ بالا کتاب (تاریخ معصومی) میں سندھ کے حالات مرزا جانی بیگ ترخانی کے قید ہو جانے والے زمانے ۹-۱۰۰۸ھ ہجری مطابق ۱۶۰۰-۱۵۹۹ء تک کے قلمبند کئے ہیں۔ میر محمد معصوم ۱۰۱۴ھ ہجری میں اس فانی جہان سے عالم جاودانی کی طرف رحلت کر گیا۔ اس کی وفات کا سال (۱۰۱۴ھ ہجری) ''بود نامی صاحب ملک سخن'' سے حاصل ہوتا ہے، جو ۱۶۰۵ء کے مطابق ہے۔ یہ ایک عجیب اتفاق ہے، کہ اکبر بادشاہ کا انتقال بھی اسی سال ہوا ہے، جو ''فوت اکبر شہ'' سے ظاہر ہے۔ میر محمد معصوم کی اولاد ہنوز سکھر میں موجود ہے۔

میر محمد معصوم اپنی تاریخ کی ابتدا میں لکھتا ہے کہ ''جب ۸۰۱ھ ہجری (مطابق ۱۳۹۸ء) کے صفر مہینے میں صاحبِ قرآن (امیر تیمور) کا نواسہ مرزا پیر محمد ملتان سے سندھ میں آیا، تو اس کے بعد سومرا گھرانے کے حکمران، دہلی کے بادشاہوں کی اطاعت ترک کر کے، سندھ پر آزادی اور خود مختاری سے حکومت کرنے لگے۔'' تاریخ معصومی میں دوسری جگہ درج ہے کہ ''کوئی بھی کتاب، جس میں سومروں اور سموں کا تفصیلی احوال درج ہو، وہ میری نظر سے نہیں گذرا ہے، اس لئے جو مختصر احوال مل سکا ہے، وہ لکھ لیا گیا ہے۔ اگر کسی کو اس سے زیادہ کچھ مل سکے، تو اسے اس (تاریخ معصومی) میں شامل کر لے۔''

دوسری تاریخ ''بیگلار نامہ'' ہے، جو ۱۰۰۰ھ ہجری مطابق ۱۵۹۱ء میں مغلوں کے دورِ حکومت سے متعلق رقم کی گئی ہے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ اس کے مؤلف کا نام نہیں ملتا [۵۲] اور اس کی اولاد کا بھی کچھ پتہ نہیں چلتا۔ اس تاریخ میں درج ہے کہ ''سومرا گھرانے نے سندھ پر پانچ

---

۵۲ بیگلار نامہ کے مؤلف کا نام ''ادرا کی بیگلار'' ہے، جو اپنے زمانے کے مشہور اور نامور شعراء میں سے تھا۔ (ن۔ب)۔

سو برس حکومت کی۔ اس کے بعد سما حکمران بنے اور ان میں سے پندرہ حکمرانوں نے سندھ میں بڑی دھوم دھام اور دبدبہ سے حکومت کی اور ایک سو نوے سالوں کی حکمرانی کے بعد ان کی حکومت کا دور ختم ہو گیا۔''

تیسری تاریخ ''طاہری'' ہے، جس کا مؤلف سید طاہر محمد نسیانی ولد سید حسن ٹھٹوی ہے (جس کی اولاد اس وقت ظاہر نہیں ہے)۔ تاریخ طاہری اور بیگلار نامہ کی تالیف کا زمانہ ایک ہی نظر آتا ہے۔ تاریخ طاہری کا صاحب لکھتا ہے کہ ''سومرا اور سما سندھ کے قدیم زمیندار تھے اور ان میں سے بیشتر ہندو تھے۔ اگر اس زمانے میں سندھ کے حالات کسی شخص نے لکھے ہونگے، تو وہ ہندی رسم الخط میں ہونگے، جو مشہور (یعنی عام طور پر مروج) نہیں ہے۔'' دوسری جگہ لکھتا ہے کہ ''سندھ کے عمر رسیدہ لوگوں سے جو کچھ سننے میں آیا ہے، وہ یہ ہے کہ سندھ میں ساتویں صدی ہجری سے ۸۴۳ھ ہجری تک ہندو مذہب رکھنے والے سومرہ حکمران تھے۔'' تیسری جگہ لکھتا ہے کہ ''سما کی حکومت کا عرصہ ۸۴ برس تھا۔''

چوتھی تاریخ تحفۃ الکرام ہے، جو بلکل آخری اور مفصل تاریخ ہے اور ۱۱۸۷ھ ہجری مطابق ۱۷۷۳ء میں لکھی گئی ہے، اس کا مؤلف میر علی شیر (قانع) میر شکر اللہ شیرازی کی اولاد میں سے ہے۔ میر شکر اللہ مرزا شاہ بیگ ارغون کے زمانے میں ٹھٹہ میں آیا تھا اور اس کی اولاد تا حال ٹھٹہ میں موجود ہے۔ تحفۃ الکرام کا صاحب لکھتا ہے کہ ''سومرا گھرانے نے سندھ پر پانچ سو پانچ برس حکومت کی''، اور سما کے بارے میں لکھتا ہے کہ ''انہوں نے ایک سو پچھتر برس حکومت کی۔''

مذکورہ بالا چاروں مؤرخین کے درمیان سومرا اور سما کی حکمرانی کی میعاد میں اختلاف ہے[۵۳]۔ اکثر تاریخوں سے ثابت ہو چکا ہے کہ جب صاحب قران امیر تیمور کے نواسے مرزا پیر محمد کے بعد ہندوستان میں بڑا انتشار پیدا ہوا، تب سندھ پر سومرا گھرانے کا آزادانہ اور خودمختارانہ تسلط تھا، اور یہ سال ۸۰۱ھ ہجری مطابق ۱۳۹۸ء تھا۔ اس لئے اس گھرانے کی حکومت کی ابتدا اُسی زمانے سے سمجھنی چاہیئے۔ علاوہ ازیں تاریخ معصومی اور تحفۃ الکرام کے مطابق اس گھرانے کی حکومت کا خاتمہ ''ارمیل'' کے دورِ حکومت سے سمجھنا چاہیئے، جس کے ظلم کے نتیجے میں سومروں کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ ان کی حکومت کے خاتمے کا سال یقینی طور پر معلوم نہیں ہو سکتا۔ تحفۃ الکرام کا یہ کہنا ہے کہ ''سومروں کی حکومت کا زوال 'حمیر سومرہ' سے ہوا''، قابلِ اعتبار نہیں ہے۔ تحفۃ الکرام کی یہ روایت ''منتخب تاریخ'' سے لی گئی ہے، مگر فی الوقت اس کتاب کا

---

۵۳ تحفۃ الکرام اور بیگلار نامہ میں تھوڑا سا اختلاف ہے، اور وہ بھی فقط سمہ کی حکومت کی میعاد سے متعلق (ن۔ب)۔

کوئی نام و نشان ہی نہیں ہے، اور نہ ہی کسی اور تاریخی کتاب میں سے اس کی تائید ہوئی ہے۔ البتہ راقم الحروف تحفۃ الکرام کے دوسرے قول کی فقط اتنی تائید کرتا ہے، کہ کچھ اشعار، کافیوں اور قصوں میں سومرا قوم کے چند سرکردہ لوگوں کے نام ملتے ہیں، جو عوام میں مشہور ہیں۔ جیسا کہ دودو، چنیسر، بھنو، عمر، حمیر اور مینڈھرو وغیرہ۔ اس لئے غالباً گمان ہے کہ شاید ان لوگوں نے سندھ کے کسی علاقے پر اسی زمانہ کے بادشاہوں کی طرف سے حکومت کی ہو۔ باقی ان کی آزاد اور خودمختیار حکومت کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

راقم الحروف خود پر واجب سمجھتا ہے کہ جب سومرا گھرانے کا سارا احوال بیان کیا گیا ہے تو سما قوم کا بھی احوال بیان کرے۔

مذکورہ بالا بیان سے واضح ہوتا ہے کہ ارمیل سومرو کے بعد سما گھرانے کی حکومت شروع ہوئی، مگر افسوس ہے کہ سخت کوشش کے باوجود راقم الحروف کی نظر سے ایسی کوئی بھی کتاب نہیں گذری، جس سے معلوم ہو کہ سما قوم کی حکومت کس سال میں شروع ہوئی۔ باقی، جو بات ثابت ہوسکی ہے، وہ ہے کہ سما گھرانے کے پہلے حکمران کا نام ''اُنڑ'' تھا۔ اس طرح یہ بات بھی یقینی ہے کہ ۹۲۶ ہجری مطابق ۱۵۲۰ء میں شاہ بیگ ارغون کے قبضے کے بعد اس گھرانے کا خاتمہ جام فیروز ولد جام نظام الدین عرف جام نندو پر ہوا۔

راقم الحروف کا کہنا ہے کہ مذکورہ بالا احوال سے سومرا گھرانے کی حکومت کی شروعات ۸۰۱ ہجری مطابق ۱۳۹۷ء سے بغیر کسی شک و شبہ کے ثابت ہے اور سما گھرانے کی حکومت کا زوال ۹۲۶ ہجری مطابق ۱۵۲۰ء سے بھی بغیر کسی شک و شبہ کے ظاہر ہے، اور یہ عرصہ ایک سو پچیس برس ہے۔ دونوں گھرانوں کے درمیان اس عرصہ (۱۲۵ برس) کی تقسیم نہایت ہی پختہ دلائل اور اچھے طریقے سے اوپر بیان کی گئی ہے۔

اس وقت سما قوم کی اولاد بھی سومرا قوم کی اولاد کی طرح اپنی اصلیت تبدیل کر کے، دیگر اقوام سے مل جل گئی ہے، اور جو جس رنگ میں ہے وہ اُسی رنگ میں پہچانا جاتا ہے۔ زیادہ تر دھوبی، رنگریز اور درزی ہیں۔ کچھ زمیندار، سرکاری ملازمین اور ہنرمند بھی ہیں۔ مگر نامور زمیندار اور جاگیردار ''نہمر دی'' یا ''نومہری'' قوم سے ہیں، جن کا سردار ملک صوبدار خان ولد سردار خان ہے۔ یا جت قوم، جن کا سردار ملک غلام حسین ولد جہان خان جت ہے، اور یہ خود کو ''سماٹ'' کہتے ہیں یعنی سما کی اولاد۔

آٹھواں طبق

سندھ پر ارغون گھرانے کی حکومت

۹۲۷ ہجری مطابق ۱۵۲۱ء کے شروع سے

بقول تحفتہ الکرام ارغون، چنگیز خان کی اولاد ہیں، جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:
ارغون خان، ولد ہلاکو خان، ولد تولی خان، ولد چنگیز خان۔ ارغون کی اولاد سے مرزا شاہ بیگ ولد امیر ذوالنون ولد حسن بصری ۹۲۶ ہجری مطابق ۱۵۲۰ء میں بابر شاہ سے ناراض ہو کر، قندھار سے سیوی اور گنج آبہ (سبی اور گندا واہ) کے راستے ٹھٹہ میں آیا اور اس وقت کے حکمران جام فیروز سے لڑائی کر کے، اس پر فتح حاصل کی۔ جام فیروز نے اطاعت قبول کی اور دونوں میں ایک معاہدہ قرار پایا کہ لک علوی (لکی) سے زیریں حصہ سمندر کے ساحل تک جام فیروز کے قبضے میں رہے گا، مگر میر علی اکبر ارغون اس کا معاون ہوگا۔ اسی معاہدہ کے مطابق مرزا شاہ بیگ ارغون نے جو میر علیکہ ارغون، سلطان مقیم بیگلار اور کیپک ارغون کو سہون میں مناسب عہدوں پر مقرر کرنے کے بعد، بکھر کی طرف کوچ کیا اور وہاں سلطان محمود خان ولد میر فاضل خان، کوکلتاش کو، نے ابھی پندرہ برس کا تھا، حاکم مقرر کیا۔ بکھر کا قلعہ اسے پسند آ گیا، اور رضوی سادات اور ترکوں وغیرہ کو، جو بڑے عرصے سے وہاں مقیم تھے، روہڑی میں جا کر سکونت اختیار کرنے کا حکم دیا۔ ان دنوں بکھر کے سادات اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے۔ فی زمانہ بہت سے روہڑی میں موجود ہیں۔ کچھ سنگرار میں، کچھ کنڈیارو میں، کچھ نصرپور میں اور کچھ گجرات میں رہتے ہیں۔ بکھر کے قلعہ میں جو عمارتیں ہیں، وہ اروڑ شہر کی اینٹوں سے تعمیر شدہ ہیں (اس قلعہ کی یہ تعمیر تیسری مرتبہ ہوئی ہے)۔ الغرض، مرزا شاہ بیگ نے اپنے لئے اور اپنے عملہ کے لئے ہر کسی کی لیاقت مطابق عمارتوں کی تعمیر اور مرمت کروائی، اور خود شال کوٹ (کوئٹہ) کو چلا گیا۔

ابھی ایک سال بھی نہیں گذرا تھا کہ وہ جام صلاح الدین نے جو ہمیشہ حکومت کا دعویدار رہتا تھا (اور جس کا تذکرہ اوپر ہو چکا ہے) ٹھٹہ پر چڑھائی کی، اور جام فیروز کو نکال کر خود حکومت پر قبضہ کر کے بیٹھ گیا۔ جام فیروز سہون کے ارغون حاکموں کے پاس گیا اور وہاں سے مرزا شاہ بیگ کو مدد کے لئے عرضی بھیجی۔ مرزا شاہ بیگ نے اپنے فرزند ارجمند مرزا شاہ حسن غازی کو ایک بڑا لشکر فراہم کر کے روانہ کیا، جس نے ٹھٹہ پہنچ کر، جام صلاح الدین سے جنگ کی اور اس کے بیٹے جام ہیبت علی خان کو جنگ کے میدان میں قتل کر کے، فتح اور نصرت حاصل کی،

اور دستور کے مطابق حکومت جام فیروز کے حوالے کر کے، واپس لوٹ گیا۔ اسی اثنا میں اس کے والد بزرگوار مرزا شاہ بیگ بھی ''باغبان'' میں پہنچ گیا، جو دادو ضلع کا ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ وہاں دونوں (باپ بیٹے) کی ملاقات ہوئی اور دونوں ایک ساتھ سہون میں آئے، جہاں انہوں نے کچھ مکانات وغیرہ تعمیر کروائے۔ بعد میں ٹلٹی کے پاس سے دریائے سندھ عبور کر کے بکھر کے قلعہ میں پہنچے۔ اگرچہ ٹلٹی کے نزد کچھ سما اور دیگر اقوام کے لوگ مرزا شاہ بیگ سے لڑے، مگر اس کا مقابلہ نہیں کر سکے۔ مرزا شاہ بیگ نے بکھر کے قلعہ میں عمارتوں کی مرمت کروانے کے بعد تقریباً ایک سال اطمینان سے گذارا۔ ۹۲۸ھ ہجری مطابق ۱۵۲۲ء میں اپنے فرزند ارجمند مرزا شاہ حسن کے ساتھ، بڑا اثالہ لے کر، بکھر سے گجرات فتح کرنے کو روانہ ہوا، تو نصرپور کے پاس ملک الموت کے لشکر نے اس پر چڑھائی کی اور ۲۲ شعبان ۹۲۸ھ ہجری پر اس فانی جہاں سے عالم جاودانی کی طرف گامزن ہوا۔ کسی ظریف نے اس کی وفات کی تاریخ ''شہر شعبان'' (شعبان مہینہ) کے الفاظ سے نکالی ہے، جس کے اعداد ۹۲۸ ہیں۔ مرزا شاہ بیگ کی نعش چنگیز خانی رسموں کی ادائیگی کے بعد بکھر لے جائی گئی اور ایک سال بعد مکہ معظمہ (زاداللہ شرفہا) لے جا کر دفن کر دی گئی۔

اکثر تاریخوں کے مطابق مرزا شاہ بیگ نے سکرات کے وقت، محمد شریف نامی ایک حافظِ قرآن کو بلوایا اور اسے یٰسین شریف پڑھنے کو کہا۔ حافظ جب اس آیت پر پہنچا 'و مالی لا اعبد الذی فطرنی و الیہ ترجعون' (مجھے کیا ہوا ہے، کہ میں اس کی بندگی نہیں کرتا، جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ حالانکہ تمہیں اور ہمیں اسی کی طرف لوٹ جانا ہے) تو اس سے کہا کہ ''حافظ! دوبارہ پڑھ۔'' پھر جب حافظ اس آیت پر پہنچا 'قال یا لیت قومی یعلمون بما غفرلی ربی' (اس نے کہا کہ کاش، میری قوم کو یہ پتہ چلتا کہ میرے پروردگار نے مجھے کس وجہ سے بخش دیا) تو اس کی روح پرواز کر گئی۔

مؤرخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ مرزا شاہ بیگ نہ صرف میدانِ جنگ کا سپاہی تھا، بلکہ دینی علوم، تفسیر اور احادیث سے بھی اچھی طرح واقف تھا اور کئی کتب پر اس نے اپنے ہاتھوں سے حاشیے لکھے تھے۔ اُسی سال ۹۲۸ھ ہجری مطابق ۱۵۲۲ء میں مرزا شاہ بیگ نصرپور میں اپنے باپ کی گدی پر بیٹھا اور بابر بادشاہ کے نام کا خطبہ پڑھا (نصرپور اس وقت ٹنڈو الہیار تحصیل میں ایک بڑا گاؤں ہے)۔

جام فیروز، مرزا شاہ بیگ کی وفات کے بعد قدرے نافرمانی کی، جس وجہ سے مرزا شاہ حسن نے نصرپور سے ٹھٹہ پر چڑھائی کی اور بندوقوں، تیروں اور تلواروں کی جنگ کے بعد جام فیروز شکست کھا کر بھاگا اور مرزا شاہ حسن نے فتح حاصل کی۔ روایت ہے کہ جب ارغونوں اور سما

قوم کے لشکروں کا آمنا سامنا ہوا، تو اس وقت سما لوگ گھوڑوں پر سے اتر گئے۔ سروں پر سے پگڑیاں اتار کر پھینک دیں اور اپنے کرتوں کے دامن ایک دوسرے سے باندھ کر، جنگ جوتی (انگریزوں کے تسلط سے پہلے سارے سندھ میں یہ رسم موجود تھی، جو قسم کے برابر سمجھی جاتی تھی)۔ قصہ مختصر، جام فیروز بھاگ گیا اور مرزا شاہ حسن نے فتح اور نصرت حاصل کرنے کے بعد ٹھٹہ میں داخل ہوا اور امراء میں مالِ غنیمت تقسیم کر کے، چھ مہینے ''تغلق آباد'' میں قیام کیا (فی زمانہ تغلق آباد کا فقط ایک ویران ٹیلہ موجود ہے) اور ٹھٹہ میں ترخان قوم میں سے ایک حاکم مقرر کر کے، خود ہالا کنڈی (ہالا) سہون اور دربیلہ (ڈبھری) سے شکار کرتے ہوئے اور مستحق لوگوں میں انعام تقسیم کرتے ہوئے ''ببرلوء کے چار باغ'' میں آکر داخل ہوا (فی زمانہ یہ ایک چھوٹا گاؤں ہے، البتہ اس کے نزدیک ''شاہ کا دھوان'' نامی ایک دوسرا نیا آباد شدہ گاؤں ہے، جس میں زیادہ تر سادات رہتے ہیں، جن کا بڑا سید انور علی شاہ ولد سید خاکی شاہ ہے)۔ مرزا شاہ حسن ببرلوء میں چند دن آرام کرنے کے بعد بکھر میں آیا اور اپنی دلیری اور عقلمندی سے سندھ کی حدود میں اضافہ کیا۔ اس زمانے میں سندھ کی حدود اس طرح تھیں: مشرق میں ملتان کے نزدیک تک۔ شمال میں سبی تک، جنوب میں کچھ تک اور مغرب میں سمندر تک۔ مرزا شاہ حسن بذاتِ خود اتنا بڑا دلیر اور عقلمند تھا، کہ دھاریجا، ڈہر، ماچھی اور کچھ دیگر اقوام، جو سخت سرکش تھیں، انہیں ڈانٹ ڈپٹ کر اپنا فرمانبردار بنا دیا۔ مرزا شاہ حسن چھ مہینے بکھر کے قلعہ میں قیام کرتا تھا اور چھ مہینے ٹھٹہ میں۔ سلطان محمود خان حاکم کی حیثیت میں مستقل طور پر بکھر میں رہتا تھا اور بکھر کا سارا نظم ونسق اسی کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔

اگرچہ ۹۴۷ ہجری مطابق ۱۵۴۰ء میں سلطان ہمایوں بادشاہ ملتان اور اُچ کے راستے روہڑی پہنچا، بکھر پر قبضہ کرنے کی کوشش کی اور سلطان محمود سے جنگ جیسی روش اختیار کی۔ مگر سلطان محمود نے مرزا شاہ حسن کی اجازت کے بغیر بادشاہ کو بکھر میں کسی بھی قسم کی مداخلت کرنے کی اجازت نہیں دی۔ بادشاہ ہمایوں کے شاہی حق کو مدنظر رکھتے ہوئے، خوراک اور ضروریات زندگی کی دیگر اشیاء بھیجتے رہنے میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی۔ آخر کار بادشاہ نے مجبور ہو کر، چند مہینے ببرلوء کے چار باغ میں، اور کچھ عرصہ دربیلہ اور سہون میں گذارا۔ بکھر پر اس نے کئی مرتبہ چڑھائی کی، لیکن کامیابی نہیں ہوا۔ اس زمانے میں سندھ میں بڑا قحط تھا اور کئی شہر ویران ہو گئے تھے۔ ان دنوں بادشاہ دربیلہ سے پاٹ میں آیا (پاٹ فی زمانہ دریائے سندھ کے کنارے پر ایک چھوٹا سا گاؤں ہے) اور شیخ علی اکبر کی بیٹی حمیدہ بانو بیگم سے نکاح کیا۔ شیخ علی اکبر مرزا ہندال کے امراء میں سے تھا۔

الغرض، ہمایوں اپنی پریشانیوں، سندھ کے قحط اور اکثر امراء کے چھوڑ کر چلے جانے سے تنگ آ گیا۔ اگرچہ مرزا شاہ حسن اسے رہنے کے لئے ٹھٹہ، سہون اور بکھر کے علاوہ دوسری کوئی بھی جگہ دینے کے لئے تیار تھا، مگر ہمایوں کسی دوسری جگہ رہنے کے لئے تیار نہیں ہو رہا تھا۔ ان دنوں ہمایوں نے اپنے دستخط سے ایک خط ارباب داؤد ولد عمر شاہ کو لکھ کر دیا تھا، جو دربیلہ کا رئیس تھا۔ ''تاریخ طاہری'' کے مؤلف نے تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے عبرت حاصل کرنے کے لئے وہ خط نقل کیا ہے، جس سے ہمایوں کی بے بسی کا پتہ چلتا ہے:

میں ہمایوں بادشاہ ولد ظہیر الدین بادشاہ ولد عمر شیخ بادشاہ اپنے بزرگ و برتر اللہ سے، اور رسول عربی اُمی زکی سے، جس کی رسالت میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے، عہد کرتا ہوں کہ اگر بادشاہ کارساز، نگہبان، بلند و برتر (اللہ) بکھر کا علاقہ مجھے عطا کردے، تو اوفو بعہدی اوف بعہد کم (تم میرے ساتھ وعدہ پورا کرو، میں تمہارے ساتھ وعدہ پورا کروں گا) کے ارشاد کے مطابق معمولی سی بھی انحرافی نہیں کروں گا۔ میں نے دربیلہ کا علاقہ ارباب دائود ولد عمر شاہ سہتو کو اور اس کی اولاد کو اور اس کے لواحقین کو بخش دیا۔ باللہ الطالب الغالب (اللہ کی قسم، جو طالب اور غالب ہے)۔

چونکہ اللہ کی مرضی نہیں تھی، اس لئے ایسا نہیں ہوا۔ بیشک اس میں بھی اللہ کی حکمت ہی ہوگی۔ یہ بھی روایت ہے کہ ہمایوں جن دنوں ببرلوءِ کے چار باغ میں مقیم تھا، جمعہ کے دن جمعہ نماز پڑھنے کے لئے جامع مسجد میں آیا۔ اس وقت ایک شاعر نے اس کے حضور میں مندرجہ ذیل قطعہ پڑھا، اور ہمایوں نے اسے صلہ عطا کیا!

تاہمایوں نام او در سکہّ بر دل نقش کرد
مہر از مُہرئس دہان سکہّ پُر زر میکند
منبری کز خطبہء القاب او زینت گرفت
مشتری گوہر نثار فرق منبر میکند

[جب سے ہمایوں بادشاہ کا مبارک نام چاہت کے دل پر نقش ہوا ہے، تب سے یوں لگتا ہے، گویا کہ زمانہ نے ہمایوں کی مہر لگا کر، چاہت کا منہ سونے سے بھر دیا ہے۔ جس منبر نے خطبہ کے وقت اس کے القاب کا اعزاز حاصل کیا ہے، مشتری (سیارہ) اس منبر کے اوپر موتی نچھاور کر رہا ہے]۔

ہمایوں، بکھر کے علاقہ پر فتح حاصل نہ کر سکنے، عزیزوں اور واسطیداروں کے چھوڑ جانے اور قحط پڑنے کی وجہ سے میر محمد معصوم بکھری کے بقول: سندھ میں ہمایوں کے دل کی مراد پوری نہیں ہوئی اور لوگوں کی بے وفائی ظاہر ہوگئی۔ بھائیوں کی بے وفائی اور بے مروتی بھی اس نے دیکھی اور زمانہ کی ناسازی کا مشاہدہ بھی اس نے کیا، جس وجہ سے مجبور ہوگیا، اور فضول گمان کرنے لگا۔ مکہ معظمہ کو بھی جانے کا ارادہ کر رہا تھا، لیکن آخر کار ۹۳۹ھ ہجری مطابق ۱۵۴۲ء کے شروع میں جودھ پور کے راجا کی منافقانہ دعوت پر اُچ اور بیکانیر کے راستے راجپوتانا روانہ ہوا۔ ہمایوں کے جانے کے بعد مرزا شاہ حسن ٹھٹہ سے بکھر آیا، اور جن لوگوں نے ہمایوں کی مدد کی تھی، ان میں سے کچھ کو سزائیں دیں اور کچھ کو فقط لعنت ملامت کی۔ اس نے قلعہ کے ٹوٹے پھوٹے حصوں کی مرمت کروائی۔ ارباب داؤد کے بھائیوں کو، جن کے نام جمال اور کمال تھے اور بادشاہ ہمایوں کے خیر خواہوں میں سے تھے، بوری میں ڈلوا کر انہیں قلعہ کے خونی برج پر سے دریاء میں پھنکوایا، جہاں وہ غرق ہو گئے۔ (قلعہ کا خونی برج جمالہ اور کمالہ نشان کے اوپر ہوا کرتا تھا۔ یہ نام آج تک مشہور ہے اور اس جگہ یعنی بکھر کے پاس دریاء کے کنارے پر چھوٹی پہاڑی ہے)۔

مرزا شاہ حسن بکھر میں سب کام کاج مکمل کر کے، سہون چلا گیا اور وہاں بھی مرمت وغیرہ کروا کے، ''سَن'' کے راستے، جو دریاء کے کنارے پر ایک چھوٹا گاؤں ہے، ٹھٹہ پہنچ کر، آرام کرنے لگا، تو اتنے میں ہمایوں کی، سندھ میں اچانک واپسی کی خبر پھیل گئی۔ جودھپور کے راجا نے ظل الٰہی ہمایوں کی تعظیم کی خاطر قلعہ خالی کر کے، اس کے حوالے کیا۔ مگر ہمایوں شروع میں قلعہ سے باہر منزل انداز ہوا اور قلعہ کو پھر اپنی سکونت کا شرف بخشا۔ بقول میر محمد معصوم بکھری وہاں ایک رات، جو اتوار کی رات تھی اور تاریخ ۵- رجب ۹۴۹ھ ہجری مطابق ۱۵۴۲ء، بلقیس زمانی حمیدہ بانو بیگم کو محمد اکبر بادشاہ تولد ہوا۔

آنجہانی سر بارٹل فریئر صاحب بہادر، جو سندھ کا دوسرا کمشنر تھا، ۱۲۶۹ھ ہجری مطابق ۱۸۵۳ء میں وہاں آیا اور بڑی عمر رسیدہ لوگوں سے پوچھ گچھ اور جانچ کرنے کے بعد عمر کوٹ کے قلعہ کے نشان شمال میں ایک میل کے فاصلے پر محمد اکبر بادشاہ کی ولادت والی جگہ ڈھونڈھ نکالی اور اس پر پتھر کا نشان نصب کروا کر، ولادت کا سال لکھوا لیا۔ راقم الحروف نے کئی مرتبہ وہ نشان دیکھا ہے۔

ہمایوں بادشاہ اپنے فرزند ارجمند کی ولادت کا جشن منانے کے بعد وہاں سے نکل کر، سندھ کی طرف متوجہ ہوا اور ''باغستان'' (جون) میں، بدین تحصیل میں ایک گاؤں ہے، منزل انداز ہوا۔ جس وجہ سے سندھ میں بڑی شورش برپا ہوگئی، اور اس شورش، فساد اور جنگ میں فتح اور

نصرت کی نسیم مرزا شاہ حسن کے پرچم کے اوپر چل رہی تھی۔ لیکن چونکہ ارغون اور ترخانوں کو ہر وقت بادشاہ ظل الٰہی کا اندیشہ لاحق رہتا تھا، اس لئے نقد اور جنس کی صورت میں نذرانے دے کر اور بادشاہ کی ضروریات پوری کر کے، اُسے راضی کیا۔ بادشاہ وہاں سے نکل کر، ''جون'' کا پل عبور کر کے، جو ان دنوں تازہ تیار ہوئی تھی اور ایک شاعر نے اس کی تعمیر کی تاریخ ''صراط مستقیم'' کہی تھی، جس کے اعداد ۹۵۰ ہیں اور یہ ہجری سال، عیسوی سال ۱۵۴۳ء کے مطابق ہے، قندھار کی طرف روانہ ہو گیا۔ راقم الحروف کو غالب گمان ہے کہ ''ہمایوں'' گاؤں پر، جو شکارپور اور جیکب آباد کے درمیان میں ہے، بادشاہ ہمایوں کے منزل انداز ہونے کے سبب ہمایوں نام پڑا ہے۔ ارغونوں اور اس کے متعلقین کو بادشاہ کی طرف سے جو اندیشہ تھا، وہ دور ہو گیا اور اب اطمینان اور آسودگی کے ساتھ رہنے لگے۔ گویا کوئی آسمانی آفت تھی، جو ان کے سروں سے ٹل گئی ہو۔

۹۵۱ھ ہجری مطابق ۱۵۴۴ء میں بادشاہ ہمایوں کا چھوٹا بھائی مرزا کامران، اپنے بھائی سے ناراض ہو کر، سندھ میں آیا، مرزا شاہ حسن نے شاہی خاندان کے مان اور مرتبہ کو مدنظر رکھ کر، اپنی صاحبزادی ''چوچک بیگم'' اس کے نکاح میں دی اور خوب جہیز، بڑا سامان اور غلام اور کنیزیں دے کر مرزا کامران کو خوش کر کے قندھار روانہ کیا۔ قندھار میں ہمایوں بادشاہ نے، مرزا کامران کی آنکھیں نکلوا کر، اُسے نابین کر دیا۔ جس وجہ سے دوبارہ ۹۵۴ ہجری مطابق ۱۵۴۷ء میں بکھر میں لوٹ آیا، اور مرزا شاہ حسن نے اس کی رہائش کا انتظام ''شاد بیلہ'' میں کیا، جو بکھر کے مغرب میں درياء کے بیچ میں ہے اور ''سادھ بیلہ'' کے نام سے مشہور ہے۔ مرزا کامران چند دن وہاں سکونت کے بعد، مکہ معظمہ (زاد اللہ شرفھا) روانہ ہو گیا۔ روانگی وقت اس کی اہلیہ محترمہ چوچک بیگم بھی اس کے ساتھ جانے کے لئے تیار ہوئی۔ اس کے والد مرزا شاہ حسن اور دیگر عزیزوں نے اسے منع کیا، مگر چوچک بیگم نے ان سے کہا کہ '' لوگ طعنے دینگے کہ جب تک کامران کی آنکھیں تھیں، تب تک اس کی بیوی اس کے ساتھ وفادار تھی اور جب نابین ہوا تو اس کے ساتھ بے وفائی کی۔'' بقول میر محمد معصوم بکھری چوچک بیگم نے اپنے والد مرزا شاہ حسن سے کہا کہ جب کامران کی آنکھیں تھیں، تو تم نے مجھے اس کے حوالے کر دیا۔ اب دنیا کیا کہے گی کہ شاہ حسن کی بیٹی، اپنے شوہر کی نافرمان ہو گئی، اور میں واقعی بدنام ہو جاؤں گی۔''

مرزا شاہ حسن اپنی زندگی کے آخری ایام میں جب بہت ہی عمر رسیدہ ہو گیا تھا، تب وہ فالج میں مبتلا ہو گیا۔ اس لئے ٹھٹہ کی حکومت اپنے غلاموں اور دیگر ادنیٰ درجہ کے لوگوں کے حوالے کر کے، ''تخت رواں'' (محفہ) میں چڑھ کر کبھی ٹھٹہ میں، کبھی ببرلوء کے چار باغ میں، کبھی بکھر میں جا کر قیام کرتا تھا۔ اس لئے کئی ارغون، ترخان اور مغل اس کی خدمت سے دور رہنے کے

باعث باغی ہو گئے، بلکہ اس کی انتہا درجہ کی غفلت اور بے پرواہی کے باعث جنگ کرنے پر اتر آئے۔ اس سرکشی اور بغاوت کی شروعات مرزا عیسیٰ ترخان کی طرف سے ہوئی، جو اس وقت ترخان قوم کا بڑا تھا۔ انہوں نے مرزا شاہ حسن کی اہلیہ محترمہ ''ماہ بیگم'' کو بھی نظر بند کیا۔ مرزا شاہ حسن، سلطان محمود خان (بکھر کے امیر) کو ٹھٹہ میں بلوایا، جس نے مرزا شاہ حسن سے مرزا عیسیٰ کو معافی دلوادی اور ماہ بیگم کو بھی نظر بندی سے آزاد کروا کر، مرزا شاہ حسن کے حوالے کیا۔

ان ہی دنوں سلطان محمود خان اور مرزا عیسیٰ خان کے درمیان مخفی طور پر طے ہو گیا کہ ''مرزا شاہ حسن چونکہ بہت ہی ضعیف، بیمار اور بے اولاد ہے اور فقط چند دنوں کا مہمان ہے، اس لئے وہ اپنی طبعی موت مرے، تو ہم آپس میں سندھ کو آدھوآدھ کر کے، اس پر قبضہ کریں گے اور اس کے زندہ ہوتے ہوئے اسے تکلیف نہیں دیں گے۔'' یہ عہدنامہ قرآن مجید رکھ کر لکھا گیا۔ پھر شاہ حسن کو کشتی میں سوار کر کے، بکھر کی طرف لے جایا جا رہا تھا، تو راستے میں ۱۲ ربیع الاول ۹۶۲ ہجری مطابق ۱۵۵۴ء عصر کے وقت اس کی روح ''ارجعی الیٰ ربک راضیہ مرضیہ'' (اے روح! اپنے پروردگار کی طرف خوشی سے لوٹ کے آ) کا بلاوا سن کر، بہشت کے چراگاہوں کی طرف روانہ ہو گئی۔ سچ مچ، یہ ایک مبارک تاریخ ہے، اور راقم الحروف نے مکلی پر اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے، (یعنی اس تاریخ پر اس کی وفات کی تصدیق کی گئی ہے)۔ مرزا شاہ حسن کی نعش چنگیز خانی رسومات کی ادائیگی کے بعد، سلطان محمود خان نے بکھر لے جانا چاہی۔ مگر اس کی بی بی ماہ بیگم نے، احمد ولی کی حویلی میں امانت کے طور رکھوائی اور تین مہینوں کے بعد پورے عزت و احترام اور ماتم گساری کے بعد پہلے مکلی پر، اور پھر وہاں سے مکہ معظمہ (زاد اللہ شرفھا) لے جا کر، اس کے والد ماجد مرزا شاہ بیگ ارغون کے پہلو میں دفن کروائی۔ بقول میر محمد معصوم بکھری مرزا شاہ حسن کی ولادت ۸۹۶ ہجری مطابق ۱۴۹۰ء میں ہوئی تھی۔ اس حساب سے اس کی عمر ۶۶ برس ہوئی۔ اکثر تاریخ کی کتب کے مطابق مرزا شاہ حسن غازی، بہادر، سخی، غریب نواز اور فاتح تھا۔

ارغون گھرانے کی حکومت ۹۲۷ ہجری مطابق ۱۵۲۱ء سے شروع ہوئی، اور ۹۶۲ ہجری مطابق ۱۵۵۴ء میں ختم ہوگئی۔ یعنی مرزا شاہ بیگ کی حکومت ۹۲۸ ہجری مطابق ۱۵۲۲ء تک چلی اور اس کے بعد اس کے فرزند مرزا شاہ حسن کی حکومت شروع ہوئی، جو ۳۶ برس چلی۔ مرزا شاہ حسن کمال درجہ کا جرأت، حشمت، دانائی اور انتہائی شاہانہ انداز سے حکمرانی کرنے کے بعد رحلت پا گیا۔ ارغون، جو چنگیز خان کی اولاد میں سے تھے، قارئین کرام ان کے احوال پڑھ کر عبرت حاصل کریں گے (کہ کیسے مختصر عرصہ میں ان کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا) بیشک، فنا کو بقا نہیں۔

''تاریخ طاہری'' کے مؤلف نسیانی پر افسوس ہے، جس نے اپنی تحریر کو ایسے انسان کے خلاف شکایت سے آلودہ کیا ہے۔ اگرچہ ہر شخص کی اپنی رائے ہوتی ہے، لیکن مرنے کے بعد کسی انسان کی غیبت کرنا عقلمند آدمی جائز نہیں سمجھتے۔ راقم الحروف کو اچھی طرح معلوم ہے کہ اس وقت سندھ میں کوئی بھی ارغون برائے نام بھی موجود نہیں ہے۔ مگر تاریخ طاہری کی تحریر سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ مرزا عیسیٰ خان کے فرزند مرزا محمد باقی کے دور حکومت میں ارغون قوم کا قتل عام کیا گیا اور جو باقی بچ گئے، وہ گجرات کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔ امید ہے اب بھی وہاں ہوں گے ۵۴۔

نواں طبق

سندھ میں کوکلتاش اور ترخان گھرانوں کی مشترکہ حکومت

(الف) کوکلتاش گھرانہ

مرزا شاہ حسن غازی ولد مرزا شاہ بیگ ارغون ۹۶۲ھ ہجری مطابق ۱۵۵۴ء میں اس فانی دنیا سے بے اولاد ہو کر رحلت پا گیا۔ اس سے پہلے مرزا شاہ حسن کی ضعیفی اور بیماری کے زمانے میں سلطان محمود خان کوکلتاش اور مرزا عیسیٰ ترخان کے درمیان، جو دونوں بڑے نامور اور طاقت ور امیر تھے، سندھ پر حکومت کرنے سے متعلق ایک معاہدہ طے پایا، جو قرآن مجید رکھ کر لکھا گیا تھا۔ اس معاہدہ کے تحت سندھ کو اس طرح دو حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا، کہ لک علوی (لکی) سے اوپر ماتھیلو اور اوباوڑو تک کا علاقہ بکھر صوبے کے ماتحت سلطان محمود خان کے قبضے میں رہے گا اور لکی سے نیچے کی طرف کا علاقہ ساحل سمندر تک مرزا عیسیٰ خان ترخان کے ہاتھ میں ہوگا۔

بقول میر محمد معصوم بکھری سلطان محمود خان کوکلتاش ولد میر فاضل ولد عادل خواجہ اصفہانی، جس کے نسب کا شجرہ انیسویں نسل میں عدی ولد حاتم طائی سے جا ملتا ہے، اور اس کی والدہ کاشی شال پشنگ، جو پٹھان قوم سے تھی (یہ قوم فی زمانہ کوئٹہ کے علاقے میں مقیم ہے)، بڑا بہادر، سخی اور خوش خلق انسان تھا، اور سندھ کے بالائی حصے پر بہت ہی اچھے طریقے سے اس نے حکومت کی اور دو تین مرتبہ ملتان کے حاکموں، لانگاہوں، دھاریجوں، ڈہروں، ناہروں اور بلوچوں

۵۴ اس پیراگراف کا پچھلا حصہ مبہم ہے۔ لب تاریخ کے مؤلف نے جو کچھ لکھنا چاہا، اسے وضاحت سے نہیں لکھ پایا۔ (ن۔ب)۔

پر غلبہ حاصل کیا۔ اگرچہ شروع میں اس نے مرزا عیسیٰ خان اور اس کے فرزند مرزا محمد باقی سے عہد شکنی کر کے، شورش اور فساد برپا کیا، لیکن آخر کار اسے اپنے عہدے پر قائم رہنا پڑا۔ ایک بیٹی کے علاوہ، جو نامور بادشاہ جلال الدین محمد اکبر کو نکاح میں دی تھی، اس کی کوئی اور اولاد نہیں تھی، اور اس کے بڑھاپے کے زمانے میں زیادہ تر ارغون اور ترخان اس سے جھگڑنے لگے، جس وجہ سے اکبر بادشاہ سے ایک ایسے امیر کی اس نے طلب کی، جو سندھ میں آکر بکھر کی حکومت سنبھال سکے، مگر گیسو خان (اکبر کا بھیجا ہوا امیر) ابھی بکھر تک پہنچا ہی نہیں تھا، کہ سلطان محمود خان نے ماہ صفر ۹۸۲ہجری مطابق ۱۵۷۴ء ہفتہ کے دن عصر کے وقت اس فانی جہان سے عالم جاودانی کی طرف رحلت کی، کسی شاعر نے اس کی وفات کا سال ''در بہشت آسوذ'' سے حاصل کیا ہے، جس کے اعداد ۹۸۲ ہیں۔ بقول میر محمد معصوم بکھری اس کی ولادت ۸۹۸ہجری مطابق ۱۴۹۲ء میں ہوئی۔ اس حساب سے اس کی عمر ۸۴ سال تھی۔ راقم الحروف کا پختہ خیال ہے کہ اس کی تربت نئے سکھر میں پہاڑی پر میر محمد معصوم بکھری کے منارے کی شمال میں ہے۔

وہ حاکم یا نواب جو سلطان محمود خان کوکلتاش کی وفات کے بعد اکبر بادشاہ کی طرف سے دہلی سے بکھر میں مقرر ہو کر آئے۔

حاکم یا نواب کا نام	سندھ میں آمد کا سال	ضروری احوال
۱- گیسو خان	۹۸۲ہجری مطابق ۱۵۷۴ء	سلطان محمود خان کوکلتاش کی وفات کے بعد پہنچا۔
۲- ترسو خان	۹۸۳ہجری مطابق ۱۵۷۵ء	--- --- ---
۳- میر سید محمد امیر ولد میر عبدل	۹۸۳ہجری مطابق ۱۵۷۵ء	گذر بسر کے لئے اسے پچاس ہزار جریب جاگیر ملی ہوئی تھی۔ راقم الحروف کا پختہ خیال ہے کہ وہ جاگیر ''دیہہ بکار'' ہے۔
۴- سید ابوالفضل ولد	۹۸۴ہجری مطابق ۱۵۷۶ء	اپنے والد (سید محمد امیر) کی شہادت

میر سید محمد امیر	کے بعد مقرر ہوا۔
۵- اعتماد خان خواجہ سرا ۹۸۵ھ ہجری مطابق ۱۵۷۷ء	ذلیل طبقے سے ہونے کی وجہ سے، شریف لوگوں کو اس نے تکالیف دیں۔ وہ لوگ بادشاہ کے پاس شکایت لے کر گئے۔ بادشاہ کے منہ سے نکل گیا کہ ''اگر ایسا ہی ہے تو کسی نہ کسی کے ہاتھوں مارا جائے گا اور سچ مچ ہوا بھی یوں ہی یعنی وہ قتل ہوگیا۔ بلاشک، بادشاہ کا سخن، سخنوں کا بادشاہ ہے۔
۶- نواب فتح خان مہادت جس کے ساتھ راجہ پرمانند جاگیر میں شریک تھا۔ ۹۸۶ھ ہجری مطابق ۱۵۷۸ء	دو برسوں بعد راجا پرمانند کی شراکت ختم ہو گئی اور ساری جاگیر نواب فتح محمد خان کی ہو گئی اور اس کے عہدے میں بھی اضافہ ہوا۔ راقم الحروف کو مندرجہ ذیل نظم کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ روہڑی کی جامع مسجد، جو حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک کی درگاہ کے قریب ہے۔ اسی نواب کی تعمیر کردہ ہے۔ نظم خسرو دین پناہ اکبر شاہ

ہست کان تاج بخش ملکستان
شاہ انجم سپاہ، چرخ سریر
جامع شرع، مقتدائ زمان
بند گانش چو قیصر و فغفور
چاکرانش چوطغرل و خاقان
بندۂ کمترین او یعنی
جان جسم مستمند در دوران
سرور و نیک رائ دریا دل
منبع الجود و مجمع الاحسان
چون فتح خان کہ خون ریزش
کرد بنیاد ظلم را ویران
مسجد جامع از برائے ثواب
ساختہ بر امید قصر جنان
دل کشا ہمچو مسجد کعبہ
جان فشا ہمچو روضۂ رضوان
تا بود گنبذ فلک برپائ
باد سالم ز آفت دوران
سال تاریخ از خرد جستم
'مسجد کہ جنان گفت' روان

ابجد کے حساب کے مطابق آخری مصرعے سے ۹۹۳ ہجری کا سال حاصل ہوتا ہے، جو ۱۵۸۵ء کے مطابق ہے۔ یہ سال نواب فتح خان کی حکومت کا آخری سال تھا۔

(نظم کا ترجمہ)

[(۱) شہنشاہ دین پناہ اکبر بادشاہ، سخی ایسا جو تاج و تخت بخش دیتا ہے اور بہادر ایسا جو ملک فتح کرتا ہے۔

(۲) ایسا بادشاہ جس کا لشکر ستاروں جتنا ہے اور اس کا تخت آسمان جتنا بلند ہے۔ شریعت کا پابند اور زمانے کا پیشوا ہے۔

(۳) اس کے غلام مرتبے میں روم اور چین کے بادشاہوں جیسے ہیں اور اس کے خادم سلجوق اور ترک تاجران جیسے ہیں۔

(۴) جمشید اس کا ادنیٰ غلام اور محتاج ہے۔

(۵) سردار، اچھی سمجھ کا مالک اور سخی ہے۔ سخا کا سرچشما اور نیکی کا مجموعہ ہے۔

(۶) فتح خان جس کی خونریز (تلوار) نے ظلم کی جڑیں اکھاڑ دی ہیں۔

(۷) ثواب کی خاطر اور بہشت کی امید پر اس نے مسجد تعمیر کروائی ہے۔

(۸) جو کعبہ کی مسجد کی طرح دلکشا (فرحت بخش) ہے اور روضۂ رضوان (بہشت) کی طرح جان فزا (زندگی

بخش) ہے۔

(۹) جب تلک آسمان کا قبہ (دنیا یا کائنات) قائم ہے، خدا کرے تب تک زمانے کی آفات سے محفوظ رہے۔

(۱۰) میں نے اپنی عقل سے اس کی تعمیر کا سال پوچھا، تو میری روح نے مجھے یہ جواب دیا ۵۵]۔

۷-نواب صادق خان ۹۹۴ھ ہجری مطابق ۱۵۸۵ء

شاہی فرمان کے مطابق ٹھٹہ کے حاکم مرزا جانی بیگ پر چڑھائی کر دی۔ پہلے اسے عاجز کر دیا۔ پھر بادشاہ کے حکم سے اسے ''عاجزی'' سے آزادی بخشی۔ کیونکہ مرزا جانی بیگ نے بادشاہ کی خدمت میں مناسب نذرانے بھیج کر، اس سے معافی طلب کی تھی۔

۸-نواب اسماعیل قلی خان ۹۹۲ھ ہجری مطابق ۱۵۸۷ء

اس سال سارے سندھ میں قحط پڑ گیا۔

۹-نواب شیر و سلطان ۹۹۷ھ ہجری مطابق ۱۵۸۸ء

ہمیشہ نشہ میں مدہوش رہنے کی وجہ سے اسے برطرف کیا گیا۔

۵۵ اس نظم کے کچھ اشعار (نمبر چار، چھ، آٹھ اور دس) میں سقم ہے۔ خصوصاً آخری شعر (نمبر دس) کا مصرع ثانی، جس کے کچھ الفاظ (مسجد کہ جنان گفت) کو مادۂ تاریخ بنایا گیا ہے، انتہا درجہ کا غلط، لغو، غیر موزوں اور بے معنی ہے۔ ان الفاظ سے جو اعداد حاصل ہوتے ہیں وہ ۳۶۷ ہیں، حالانکہ یہاں ۹۹۳ اعداد مطلوب ہیں۔

میرے خیال میں یہ قصور شاعر کا نہیں ہوگا، بلکہ کاتب سے نقل کرتے وقت کوتاہی سرزد ہو گئی ہوگی۔ البتہ شاعر سے یہ سقم ضرور سرزد ہوا ہے، جو اکبر بادشاہ کی مدح کے بعد فتح خان کی کارگذاری کی طرف گریز کرنے کا کوئی معقول طریقہ اختیار نہیں کر سکا (ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ)۔

۱۰- نواب صادق خان ۹۹۸ ہجری مطابق ۱۵۸۹ء	تجربیکار ہونے کی وجہ سے اسے دوبارہ مقرر کیا گیا۔
۱۱- نواب میر ابوالقاسم خان نمکین ۱۰۰۴ ہجری مطابق ۱۵۹۵ء	اس نواب کا مقبرہ روہڑی طرف دریا کے کنارے پر واقع ہے اور ''قاسم خانی'' کے نام سے مشہور ہے۔
۱۲- نواب مرزا نور ولد خان اعظم ۱۰۰۵ ہجری مطابق ۱۵۹۶ء	''خان اعظم'' شاید اشارہ ہے خان خانان نواب عبدالرحیم کی طرف۔
۱۳- نواب میر ابوالقاسم خان نمکین ۱۰۰۷ ہجری مطابق ۱۵۹۸ء	بکھر کے حالات سے واقف ہونے کی وجہ سے اسے دوبارہ مقرر کیا گیا۔
۱۴- نواب سعد خان ۱۰۰۹ ہجری مطابق ۱۶۰۰ء	شاید روہڑی والے سادات سے تھا۔ واللہ اعلم۔
۱۵- نواب بقرا بیگ ۱۰۱۴ ہجری مطابق ۱۶۰۵ء	اس سال اکبر بادشاہ فوت ہوا۔ ''فوت اکبر شہ'' سے ابجد کے حساب سے ۱۰۱۴ ہجری کا سال حاصل ہوتا ہے اور اسی سال سے اس کے فرزند جہانگیر کی سلطنت کا دور شروع ہوتا ہے۔
۱۶- نواب سردار خان ۱۰۱۵ ہجری مطابق ۱۶۰۶ء	قندھار کی مہم میں قتل ہو گیا۔
۱۷- نواب قاضی خان ۱۰۱۶ ہجری مطابق ۱۶۰۷ء	--- --- ---
۱۸- نواب سید تاج خان ۱۰۲۰ ہجری مطابق ۱۶۱۱ء	--- --- ---
۱۹- نواب بازید خان ۱۰۲۵ ہجری مطابق ۱۶۱۶ء	--- --- ---
۲۰- نواب ہوشیار خان ۱۰۲۸ ہجری مطابق ۱۶۱۸ء	یہ نواب ''خان جہان'' کا خواجہ سرا تھا۔
۲۱- نواب مرزا علی محمد بیگ ۱۰۳۱ ہجری مطابق ۱۶۱۱ء	یہ نور جہان بیگم کی طرف سے حاکم مقرر ہوا تھا، کیونکہ بکھر کا علاقہ

نور جہان بیگم کی جاگیر تھا۔

۲۲- محمد علی فوجدار ۱۰۳۸ہجری مطابق ۱۶۲۸ء

یہ، آصف جاہی خاندان کی طرف سے ''بکھر کے فوجدار'' کے لقب سے مشہور تھا، کیونکہ بکھر اسی خاندان کی جاگیر تھا۔ اسی سال جہانگیر بادشاہ نے وفات پائی اور اس کا فرزند شاہجہان تخت نشیں ہوا۔ جہانگیر کا مقبرہ لاہور میں ہے ۵۶؎۔

۲۳- مرزا حسینی ۱۰۳۹ہجری مطابق ۱۶۲۹ء

بیگ محمد ولد زندہ علی بیگ کی تحریر کے مطابق جو ''تاریخ معصومی'' سے لاحق کی ہے، بکھر، گنجابہ (گندا واہ) اور سبی مرزا حسینی کی جاگیر تھے۔ مگر شیر خان ترین نے ''پشنگ'' سے چڑھائی کر کے، گندا واہ پر قبضہ کیا، اور شیر خان راقم الحروف یعنی ''لُب تاریخ'' کا مؤلف خان بہادر خداداد خان کا پردادا تھا۔

۲۴- عزت خان فوجدار ۱۰۴۱ہجری مطابق ۱۶۳۱ء

یہ ''فوجدار'' کے لقب سے مشہور تھا۔

۲۵- سید محمد فوجدار ۱۰۴۳ہجری مطابق ۱۶۳۴ء

یہ بھی ''فوجدار'' کے لقب سے مشہور تھا۔

۲۶- نواب اسد خان ۱۰۴۵ہجری مطابق ۱۶۳۵ء

یہ اپنے بیٹوں سمیت حکمرانی کرتا تھا۔ اس کے پاس جاگیریں تھیں۔

۲۷- نواب محمد یوسف خان ۱۰۴۶ہجری مطابق ۱۶۳۶ء

بہادر جوان تھا۔

۲۸- نواب محمد خان ۱۰۴۸ہجری مطابق ۱۶۳۸ء

--- --- ---

۲۹- نواب شاہ قلی خان ۱۰۴۹ہجری مطابق ۱۶۳۹ء

پرہیزگار انسان تھا۔ پیر اور جمعہ کی رات (مساکین کو) کھانا کھلاتا تھا۔

۵۶؎ نواب آصف جاہ ملکۂ نور جہان بیگم کا بھائی اور لاہور کا گورنر تھا۔ (ن-ب)۔

۳۰- میران سید جاون	۱۰۵۰ہجری مطابق ۱۶۴۰ء	بڑا بہادر اور شمشیر زنی کا ماہر تھا۔
۳۱- مرزا التفات بیگ	۱۰۵۱ہجری مطابق ۱۶۴۱ء	یہ مشہور حاکم تھا۔
۳۲- مرزا زمان خان	۱۰۵۲ہجری مطابق ۱۶۴۲ء	شہزادہ مراد بخش کا ملازم تھا اور ''فوجدار'' کے لقب سے مشہور تھا۔
۳۳-نواب سعد خان	۱۰۵۴ہجری مطابق ۱۶۴۴ء	شاید یہ وہ ہی سعد خان ہے، جس کا احوال اوپر (نمبر ۱۴ میں) بیان کیا گیا ہے اور شاید دوبارہ سندھ میں آیا تھا۔
۳۴-خواجہ لطف اور میر محمد ناظر	۱۰۵۸ہجری مطابق ۱۶۴۸ء	اول الذکر فوجدار تھا اور آخر الذکر دیوان۔ یہ دونوں شہزادہ محمد دارا شکوہ کے ملازم تھے۔
۳۵-نواب خواجگی	۱۰۶۱ہجری مطابق ۱۶۵۰ء	شہزادہ محمد دارا شکوہ کا ملازم تھا۔
۳۶- شیخ احمد	۱۰۶۲ہجری مطابق ۱۶۵۲ء	مشہور حاکم تھا۔
۳۷- مرزا لعل بیگ	۱۰۶۵ہجری مطابق ۱۶۵۵ء	یہ ''فوجدار'' کے لقب سے مشہور تھا۔
۳۸- خواجہ عبدالواحد	۱۰۶۶ہجری مطابق ۱۶۵۶ء	اسے ''حاکم'' بولا جاتا تھا اور بڑا شیخی مارنے والا تھا۔
۳۹- شیخ احمد	۱۰۶۷ہجری مطابق ۱۶۵۷ء	یہ دوبارہ حاکم بن کر آیا۔
۴۰- خواجہ محمد شریف	۱۰۶۸ہجری مطابق ۱۶۵۸ء	ان دنوں شہزادہ دارا شکوہ کی وجہ سے بڑا فساد برپا ہوا۔
۴۱- باقر خان	۱۰۶۹ہجری مطابق ۱۶۵۹ء	اسے ''فوجدار'' کا لقب حاصل تھا۔ اسی سال شاہجہان بادشاہ نے وفات پائی اور اس کا بڑا فرزند اورنگزیب عالمگیر تخت نشیں ہوا۔
۴۲-عبداللہ خان	۱۰۷۰ہجری مطابق ۱۶۶۰ء	یہ ''قلعدار'' کے لقب سے ملقب تھا اور چار ماہ کے بعد اس کا تبادلہ کیا گیا۔
۴۳-خنجر خان	۱۰۷۰ہجری مطابق ۱۶۶۰ء	اس کا لقب ''فوجدار'' تھا۔

۴۴- شیخ ابراہیم ۱۰۷۱ھ ہجری مطابق ۱۶۶۱ء — اس کا لقب ''قلعدار'' تھا۔

۴۵- نواب سید عزت خان ۱۰۷۴ھ ہجری مطابق ۱۶۶۳ء — اکثر معاملات ''گوپی ناتھ'' پیشکار کی معرفت سرانجام دیتا تھا۔

۴۶- نواب سید غلام مصطفیٰ خان ۱۰۷۸ھ ہجری مطابق ۱۶۶۷ء — شاید روہڑی کے سادات سے تھا۔

۴۷- سید میر یعقوب خان رضوی ۱۰۸۱ھ ہجری مطابق ۱۶۷۰ء — اس کی اولاد تا حال روہڑی کے قریب مقیم ہے اور کوٹ کے اندر ان کی رہائش ہے، جو ان ہی کے نام سے مشہور ہے۔ آج کل اس خاندان کا سرکردہ شخص سید میر یعقوب خان مؤخر الذکر ہے۔ افسوس کہ غریب ہے، لیکن سرکاری دربار میں کرسی نشین اور عزت دار ہے۔

۴۸- سید میر صادق علی خان ولد میر یعقوب خان ۱۰۸۵ھ ہجری مطابق ۱۶۷۵ء اپنے والد کی وفات کے بعد بکھر کا نواب بنا۔

۴۹- نواب خدایار خان ۱۰۸۷ھ ہجری مطابق ۱۶۷۷ء — --- --- ---

۵۰- میر محمد اکرم حکیم ۱۰۹۰ھ ہجری مطابق ۱۶۷۹ء — روہڑی کے قاضیوں میں سے تھا۔ اس کی اولاد تا حال قاضیوں کے محلّہ میں رہائش پذیر ہے۔

قارئین کرام کو معلوم ہو کہ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ میر محمد اکرم حکیم کے بعد سندھ کے کئی حصوں پر عباسیوں یعنی کلہوڑوں کا غلبہ ہو گیا، اس لئے دہلی سے بادشاہوں کی طرف سے حاکموں یا نوابوں کی آمد رک گئی، اور ہر جگہ کلہوڑوں کی طرف سے حاکم مقرر ہونے لگے، مگر یہ دہلی کے بادشاہوں کی طرف سے بھیجے گئے نوابوں کی طرح (با اختیار اور با اقتدار) نہیں تھے، اس لئے ان کے نام لکھنا مناسب نظر نہیں آتا۔

(ب) ترخان گھرانہ

اوپر تفصیل سے مذکور ہو چکا کہ ۹۶۲ھ ہجری مطابق ۱۵۵۴ء میں مرزا شاہ حسن ولد مرزا

شاہ بیگ ارغون کے، اس دنیائے فانی سے عالم جاودانی کی طرف گامزن ہونے کے بعد، قرآن مجید پر لکھے ہوئے معاہدے کے مطابق سندھ، مرزا عیسیٰ خان ترخان اور سلطان محمود خان کوکلتاش بکھری کے درمیان تقسیم ہوا۔ اب سندھ کے زیریں حصے یعنی لکی سے لے کر سمندر تک، جو مرزا عیسیٰ خان ترخان کے ماتحت تھا، اس کا احوال لکھا جاتا ہے!

بقول مؤلف تحفۃ الکرام ''ترخان'' کی تعریف اس طرح ہے کہ ایک مرتبہ صاحبِ قران امیر تیمور اٹھارہ برس کی عمر میں شکار کرتے کرتے، راستہ بھول کر، اپنے لوگوں سے بچھڑ گیا، اور پریشانی کے عالم میں ایک گاؤں میں جا پہنچا۔ پہلے تو گاؤں والوں نے اس کے ساتھ لڑنے کا ارادہ کیا، کیونکہ اندھیری رات تھی، لیکن بعد میں جب اسے پہچانا گیا، تو اس کی خوب خاطر تواضع کی گئی۔ سولہ برس بعد چونتیس برس کی عمر میں جب صاحبِ قران تخت پر بیٹھا، تو پہلے ہی د ، اس گاؤں کے لوگوں کو بلوا کر ان پر بڑی نوازشیں کیں اور انہیں ''ترخانی'' کے خطاب سے نوازا، جس کا پہلوی زبان میں مطلب ہے ''خدمت سے آزاد''، جو آگے چل کر ''ترخان'' ہو گیا۔

الغرض، مرزا عیسیٰ خان ولد مرزا عبدالعلی ترخان مذکورہ بالا سال (۹۶۲ھ ہجری مطابق ۱۵۵۴ء) ٹھٹہ شہر میں سندھ کی حکومت کی مسند پر جلوہ افروز ہوا۔ چونکہ مرزا عیسیٰ خان ترخان زمانے کے نشیب و فراز سے گذر چکا تھا اور دنیا کا وسیع تجربہ رکھتا تھا، اس لئے حکومت کا کاروبار بہت عمدہ طریقے سے چلاتا رہا، اور ہر قوم کے اعلیٰ و ادنیٰ، ارغونوں خواہ ترخانوں اور رعایا خواہ فوج کو خوب راضی رکھا۔ اگر چہ اپنی حکومت کے زمانے میں، سلطان محمود خان کوکلتاش کے مقبوضہ حصوں پر دو تین مرتبہ خود اور اس کے بڑے فرزند مرزا محمد باقی نے بھی حملے کئے، جو ناکام رہے۔ اس طرح سلطان محمود خان بھی ان کی حدود میں گھس کر ان پر حملے کرتا رہا، لیکن اس دور کے معززین نے دونوں فریقوں میں صلح کروادی۔

ایک مرتبہ مرزا عیسیٰ خان کی عدم موجودگی میں فرنگی ''گویہ'' (گوا) سے سمندر کے راستے ٹھٹہ پہنچے اور شہر میں لوٹ مار کر کے، شہر کو آگ لگا دی، اور مرزا فرخ کی جامع مسجد میں، جہاں شہر کے لوگ اپنے گھروں سے نکل کر، پناہ لینے کے لئے اکٹھے ہوئے تھے، ان کا قتل عام کیا، اور جب انہوں نے مرزا عیسیٰ خان کی واپسی کا سنا تو فرار ہو گئے۔

راقم الحروف ضروری سمجھتا ہے کہ ''فرنگی'' لفظ کی تشریح کرے۔ یہاں فرنگی کا مطلب ہے ''پورچوگیز'' جو فی زمانہ 'گوا' میں رہتے ہیں، جو بمبئی سے پانی کے راستے ایک دن کی مسافت پر ہے، اور اس جزیرے پر پورچوگیزوں کی حکومت ہے۔ پورچوگیزوں کے بادشاہ کا تخت گاہ یورپ میں ہے اور اکثر لوگ (ان جزائر کے باشندے) جو یورپی آفیسروں کے ہاں باورچی، بٹلر،

کلرک اور خانگی نوکر ہیں، وہ بھی فرنگی کہلاتے ہیں۔

مرزا عیسیٰ ترخان اٹھارہ برسوں کی حکمرانی کے بعد ۹۸۰ھ ہجری مطابق ۱۵۷۲ء میں حکومت کے تخت پر سے اتر کر زوال کے تخت پر آ بیٹھا (یعنی انتقال کر گیا)۔ بقول بیگلارنامہ ۹۶۱ھ ہجری میں وہ حکمران بنا اور ۹۹۱ھ ہجری میں اس نے وفات پائی۔ مگر اکثر روایات کے مطابق مذکورہ بالا سال درست نہیں ہے۔ مرزا عیسیٰ کے مقبرے کی دیواروں پر اور ان کے چاروں اطراف پتھر پر کلام الٰہی (کی آیات مقدسہ) کے بعد، فارسی کے جو اشعار منقش ہیں، وہ پڑھنے والوں کی آگاہی اور عبرت کے لئے یہاں درج کئے جاتے ہیں:

مرزا عیسیٰ کے مقبرے کی مغربی حصے پر درج ذیل دو رباعیاں کندہ ہیں:

(۱)

افسوس کہ دور کامرانی بگذشت،
دوران نشاط و شادمانی بگذشت۔
سرمایۂ عمر و زندگی رفت ز دست،
شد عمر بہ باد، زندگانی بگذشت۔

(ترجمہ)

[افسوس، جو کامرانی کا زمانہ گذر گیا،
خوشی اور مسرت کا زمانہ گذر گیا،
عمر اور زندگی کا سرمایہ ہاتھ سے نکل گیا،
عمر برباد ہو گئی اور زندگی گذر گئی]۔

(۲)

دیریست کہ صد ہزار عیسیٰ دید است،
طُوریست کہ صد ہزار موسیٰ دید است۔
قصریست کہ صد ہزار قیصر دید است،
طاقیست کہ صد ہزار کسریٰ دید است۔

[یہ دنیا ایسی گرجا ہے، جس نے لاکھوں عیسیٰ دیکھے ہیں،
ایسا طور سینا ہے، جس نے لاکھوں موسیٰ دیکھے ہیں،

ایسا شاہی محل ہے، جس نے لاکھوں قیصر دیکھے ہیں، ۵۷
ایسا محرابدار محل ہے، جس نے لاکھوں کسریٰ دیکھے ہیں]۔
مقبرے کے جنوبی حصے پر یہ اشعار کندہ ہیں: ۵۸

می رسد بیداد ہر لحظہ اجل از دست،
داد از دست اجل فتم باد اجل از دست۔

یا رب تو ایمان دہ کہ داری مرا،
با قول شہادت ببری جان مرا،
خوشنود کنی جملہ خصمان مرا،
پر نور کفی تربت تاریک مرا۔

گر من گناہی بر روی زمین کردہ ہستم،
امید کہ لطف گیرد دستم،
گفتی کہ بروز غم دست گیرم،
عاجزم کہ کنون ترا ازین خواہ ہستم۔

تربت کے چاروں اطراف درج ذیل رباعیاں، قطعات اور اشعار درج ہیں: ۵۸

ای چرخ فلک را سیرت کینۂ تست،
بیداد گری شیوہ دیرینۂ تست،
ای خاک اگر سینۂ تو بشگافند
بس گوہر قیمتی کہ در سینۂ تست۔
تا درند در رگِ نم خون بود پوست،

---

۵۷ قیصر اور کسریٰ روم اور ایران کے بادشاہوں کے القاب ہیں (ن۔ب)۔

۵۸ یہ اشعار نہیں ہیں، بلکہ شعر پر ایک غلیظ اور بدترین تہمت ہیں۔ لیکن چونکہ کتاب کے متن میں شامل ہیں، اس لئے انہیں نقل کرنا پڑتا ہے، مگر ان کا ترجمہ نہیں کیا جا رہا۔ ان اشعار میں کوئی کوئی شعر یا کوئی کوئی مصرع درست ہے، لیکن میرے خیال میں ''گاہ باشد کہ کودکی نادان - بہ غلط بر ہدف زند تیری'' کے مصداق یہ ایک اتفاقیہ بات ہے (ن۔ب)۔

از دوست مرا خود نخواہم جز دوست،
بستین این جہان متاع دل نکوست،
کہ آنہا ہمہ فانی باقی ہمہ اوست۔

ای از روئے دیدن رویت مردم،
گاہی نظرت بود بسوئے مردم،
تا چہا جستم فانی از پی بستی،
شد بست در فیض بروئے مردم۔

ای آنکہ قضا ہمیشہ پر حذری،
بشنو حدیث از من بہ این بی خبری،
از سوئے قضا نہ باشدت راہ گریز،
گر در حضری مقیم در سفری۔

سالہا ای چرخ! تخم درد ۔۔۔کاشتی،
عاقبت کردی بخاکم جاء درد دل داشتی۔

تربت کے سرہانے سے

غرض نقشیست کزما یاد ماند،
کہ دنیارا نہ می بینم بقائی،
مگر صاحبدلی روزی برحمت،
کند درکار درویشان دعائی۔

تربت کے پیروں سے

مشتاق آفتاب جمال محمدیم،
ما بندۂ محمد و آل محمدیم،
پروانہ وارسوختہ از آتش فراق،
در آرزوئے شمع جمال محمدیم۔

مندرجہ بالا دنوں قطعات درست ہیں، اس لئے ان کا ترجمہ لکھا جاتا ہے۔

(۱)

[ہمارا مطلب یہ ہے کہ ایسا نقش اپنے پیچھے چھوڑ جائیں، جو ہمارا یادگار بن جائے۔ کیونکہ دنیوی زندگی کو کوئی بقا نہیں ہے۔ شاید (اسے دیکھ کر) کوئی اہلِ دل درویش کسی دن مہربانی کر کے ہم مسکینوں کے حق میں دعا کرے]۔

(۲)

[ہم حضور محمد مصطفیٰ کے حسن و جمال کے آفتاب جہاں تاب کے مشتاق ہیں۔ ہم محمد اور آلِ محمد کے غلام ہیں۔ پروانے کی طرح جدائی کی آگ میں جلنے کے بعد، حضور محمد مصطفیٰ کے حسن و جمال کی شمع کی تمنا میں رہتے ہیں]۔

تربت کے مشرقی حصے پر

دوستان ذکر حق فکر مرخود را کنید،
عاقبت مرکب یاران فکر کار خود کنید،
بگذرید از فکر خط و ذکر رخسار بتان،
بعد ازین اندیشۂ لیل و نہار خود کنید،
نامۂ طاعت کہ از دود گنہ آمد سیاہ،
این بچشم شست و شوئ اشکبار خود کنید،
یاد رخ ہمچو خزان خونگیر آید پر بہار،
این خزان خویش بادی از بہار خود کنید۔

غم دنیا مخور ای ہمنشین تا یک نفس ماندہ،
کہ یک کس ماندہ در دنیا ولی دنیا بکس ماندہ،

تنی کہ بود وی را لباس حریر کنان،
ببین کہ جائی چسان کردہ زیر سنگ گران،
زمانہ داشت ہر دو شان دو عیسیٰ رفتند،

یکی یکی بچرخ و در زمین گرفتند مکان،
دھان خاک چو شد پر ز لقمۂ تن او،
نھاد دست فلک حسرتش بزھل سنان،
بسال نھصد و ھفتاد و سہ سن ہجری،
جہان گذاشتہ بگرفت ملک جاویدان۔

مذکورہ اشعار میں سے اکثر ناقص اور بحر و وزن سے خارج ہیں۔ علاوہ ازیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شاید مقبرہ مرزا عیسیٰ کے انتقال کے بعد تعمیر ہوا ہے۔

الغرض، مرزا عیسیٰ ترخان کا بڑا فرزند مرزا محمد باقی اسی سال یعنی ۹۸۰ہجری مطابق ۱۵۷۲ء میں اپنے والد کی گدی پر بیٹھا۔ اگرچہ مرزا محمد باقی کی دیوانگی اور ظلم و ستم کی عادت کی وجہ سے، اس کے اکثر عزیزوں کو بھی اور رعایا کو بھی اس کی مسند نشینی پسند نہیں تھی، لیکن سلطان محمود خان کوکلتاش بکھر سے ٹھٹہ آیا اور مرزا عیسیٰ کی بیوی ماہ بیگم سے، جو دراصل مرزا شاہ حسن ارغون کی بیوی تھی، اور اس کی وفات کے بعد مرزا عیسیٰ کے نکاح میں آئی تھی، اور اس کی وفات کے بعد مرزا عیسیٰ سے اس کا نکاح ہوگیا تھا، ہم خیال ہوکر، مرزا محمد باقی کو گدی پر بٹھایا۔

بقول ''تاریخ طاہری'' کے مؤلف ''نسیانی''، جو ان دنوں زندہ تھا، اور ٹھٹہ میں موجود تھا، ''مرزا محمد باقی نے مسند نشینی کے بعد کئی ایک معززین کو بے گناہ قتل کروایا، اور ارغونوں کے چھوٹے بڑوں کا قتل عام کروایا۔ جو باقی بچ گئے، وہ گجرات کی طرف بھاگ گئے اور تا حال وہیں پر مقیم ہیں۔''

آخر کار اللہ کے حکم سے اپنی دیوانگی کے سبب، ایک رات اس نے خود کو ذبح کر ڈالا، اور یوں قدرت نے اس سے اس کے ظلم کا بدلہ لیا۔ تیرہ برس کی حکمرانی کے بعد ۹۹۳ہجری مطابق ۱۵۸۵ء میں مرگیا۔ اس کی موت کا یہ سال جیسے راقم الحروف نے اپنی آنکھوں سے مکلی میں اس کے مقبرے پر تحریر شدہ دیکھا ہے، وہ اس طرح ہے: ''وفات یافت حضرت جنت المقام، الواصل الیٰ جوار الملک الرحمٰن مرزا محمد باقی بن مرزا محمد عیسیٰ ترخانی بتاریخ ہشتم روز شنبہ شہر شوال ۹۹۳ہجری'' (یعنی بہشت میں مقیم اور مہربان بادشاہ (اللہ) کا پڑوسی حضرت مرزا محمد باقی ولد مرزا محمد عیسیٰ ترخانی ۸-ماہ شوال ۹۹۳ہجری ہفتہ کے دن وفات پائی)۔

مقبرے پر مرزا محمد باقی کی وفات کی مندرجہ ذیل تاریخیں تحریر شدہ ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مقبرہ شاید ان ہی برسوں میں تعمیر ہوا تھا۔ مرزا محمد باقی چونکہ ظالم، زود رنج اور

پاگل تھا، اس لئے ان تاریخی اشعار کے مضامین دیکھ کر تعجب ہوتا ہے۔ بہرحال ان اشعار سے آخری اشعار (جن میں تاریخی مادے موجود ہیں) یہاں درج کئے جاتے ہیں:

زغیب آمد ندا تاریخ او گفت،
کہ گوئی سرور و سردار باقی۔

ندا شد کہ وی واصل خدا شد گفت،
غمگین مباش کہ فردوس ساختہ روشن۔

بجستم از خرد تاریخ او گفت،
مپرس ازمن، پرس از داغ دلہا ۵۹۔

آخر مرزا محمد باقی کا نواسہ مرزا جانی بیگ ولد مرزا پایندہ بیگ (جس کا والد یعنی پایندہ بیگ قدرے دیوانہ تھا) اسی سال یعنی ۹۹۳ہجری مطابق ۱۵۸۵ء میں امراء اور رعایا کے مشورے سے مسند نشیں ہوا۔ وہ بلکل نوجوان، عقلمند، بہادر، سخی اور بڑا دل رکھتا تھا۔ اس نے اپنے دور میں اعلیٰ اور ادنیٰ کو بہت خوش رکھا اور اپنے ملک کے حدود کی بڑے اچھے طریقے سے نگہبانی کی۔ لیکن چونکہ اس کے مزاج میں سرکشی تھی، اس لئے اکبر بادشاہ کے حکم سے پہلے بکھر کے نواب محمد صادق خان نے ۹۹۴ہجری مطابق ۱۵۸٦ء میں اس پر چڑھائی کی۔ لیکن بادشاہ کے حضور میں حاضر ہو کر، اس نے بڑی عاجزی کا اظہار کیا اور نذرانے پیش کئے، جس وجہ سے بادشاہ نے اسے ڈانٹ ڈپٹ کر چھوڑ دیا۔ اس کے بعد جب اکبر بادشاہ ۹۹۹ہجری مطابق ۱۵۹۰ء میں لاہور تشریف فرما ہوا، تو اس نے دوبارہ مرزا جانی بیگ کی سرکشی کی باتیں سنیں، جس وجہ سے تنبیہ کرنے، بلکہ گوشمالی کرنے کے لئے ''خان خانان'' نواب مرزا عبدالرحیم خان کو خاص احکام دے کر ٹھٹہ بھیجا۔ میر محمد معصوم بکھری کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ خان خانان ۲۲- شوال ۹۹۷ہجری ٦۰ کو بکھر پہنچا اور کچھ

۵۹ پہلی دو نظمیں تو بلکل غلط اور غیر موزوں ہیں۔ تیسری نظم صوری لحاظ سے درست ہے اور دوسری مصرع تو خاص طور پر دلکش ہے۔ مگر معنوی اعتبار سے، یہ نظم بھی پہلی دو کی طرح ہے۔ یعنی تاریخی مادہ ہونے کے لحاظ سے تینوں نظمیں یکساں غلط اور فضول ہیں۔ مرزا محمد باقی کی وفات کا سال ۹۹۳ہجری ہے، اور ان تاریخی مادوں کے اعداد (بالترتیب) یوں ہیں: (۱) ۱۰۵۰، (۲) ۳۴٦۰، اور (۳) ۱۷۱۷۔ (مترجم)۔

٦۰ یہ سنہ غلط معلوم ہوتا ہے۔ جب اکبر، خان خانان کو ۹۹٦ہجری میں بھیجا تھا، تو خان خانان ۹۹۷ہجری میں بکھر کیسے پہنچا (ن۔ب)۔

دن آرام کرنے کے بعد سہون گیا اور وہاں کا قلعہ فتح کر کے، لکی کے پاس مرزا جانی بیگ سے جنگ کی۔ مرزا شکست کھا کر نصرپور بھاگ گیا۔ خان خانان نے اس کا تعاقب کیا، اسے بری اور بحری جنگ میں سخت شکست دی۔ مرزا جانی بیگ نصرپور سے بھاگ کر انڑپور چلا گیا (ممکن ہے کہ موجودہ دور میں قارئین میں سے کوئی یہ سوچے کہ نصرپور میں دریا تو ہے نہیں، جو وہاں پر بحری جنگ کی گئی تھی۔ میں اسے جواب دوں گا کہ نصرپور شہر کے زیریں علاقے ریگستان کی طرف اگر تم نگاہ کرو گے تو وہاں تمہیں دریا کے نشانات دیکھنے کو ملیں گے۔ یعنی پہلے وہاں سے دریا بہتا تھا، جو بعد میں ۱۱۷۳ ہجری مطابق ۱۷۶۰ء میں میاں غلام شاہ کلہوڑو کے ایام میں وہاں سے اپنا رخ تبدیل کر گیا)۔ الغرض، خان خانان نے انڑپور پہنچ کر، اس کے ساتھ معمولی سی جنگ کی۔ اس کے بعد خان خانان اور مرزا جانی بیگ کے درمیان صلح ہوئی۔ مرزا جانی بیگ انڑپور سے ٹھٹہ پہنچا اور وہاں سے اپنے اہل و عیال نکال کر، ''تغلق آباد'' میں جا کر رہائش پذیر ہوا، جو فی زمانہ مکلی کے قریب مٹی کا ایک ٹیلہ ہے۔ خان خانان کچھ عرصہ ''سن'' میں قیام کرنے کے بعد ٹھٹہ پہنچا اور معزز لوگوں کو خلعتوں سے سرفراز فرمانے کے بعد، مرزا جانی بیگ کے ساتھ سمندر کی سیر کو سندھ کے آخری سرے تک گیا، اور پھر دار السلطنت دہلی کی طرف روانہ ہوا۔

اس موقع پر ایک لطیفہ بیان کیا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک دن نواب خان خانان نے مرزا جانی بیگ کو طعنہ دیتے ہوئے کہا کہ ''دیکھا، تجھے کیسی حرفت سے میں نے پکڑ لیا؟'' مرزا جانی بیگ بڑا عقلمند، باذاق، بذلہ سنج، بہادر اور شاعر تھا۔ اور موسیقی کے فن میں اچھی خاصی سمجھ رکھتا تھا، خان خانان کو فوری جواب دیا کہ ''اچھا ہوا کہ تم نے اپنی حرفت (ٹھگی) کا خود ہی اعتراف کر لیا۔ خدا کا شکر ہے کہ ہماری طرف سے کوئی حیلہ (فریب) نہیں ہوا'' (یعنی ہم نے ٹھگی کا جواب ٹھگی سے نہیں دیا)۔

روایت ہے کہ خان خانان کہتا رہتا تھا کہ مجھے ساری زندگی میں اتنی شرمساری کبھی بھی نہیں ہوئی جتنی مرزا جانی بیگ کے اس جواب سے ہوئی تھی۔

قصہ مختصر، نواب خان خانان اور مرزا جانی بیگ بہت جلد اکبر بادشاہ کی بارگاہ فلک پایگاہ میں جا کر حاضر ہوئے، اور بقول تحفۃ الکرام یہ سنہ ۱۰۰۰ ہجری مطابق ۱۵۹۱ء تھا۔ مرزا جانی بیگ کی غیر حاضری میں ''دولت خان'' نامی لودھی قوم کا ایک حکمران (ٹھٹہ میں) مقرر کیا گیا۔

میر محمد معصوم بکھری کے بقول، اکبر بادشاہ کی دربار میں شرفیابی کے بعد خان خانان کی سفارش اور مرزا جانی بیگ کی اپنی بلاغت اور دانائی کے سبب مرزا کو سر و پاء اور پانچ ہزاری منصب سے نوازا گیا، لیکن اسے بادشاہ کی حاضری میں رہنا پڑتا تھا۔ آخرکار مشیت ایزدی، جو

مرزا، فالج کی بیماری میں ۱۰۰۹ھ ہجری مطابق ۱۶۰۰ء میں فوت ہو گیا۔ اس وقت وہ دکھن کی مہم پر بادشاہ کے ساتھ تھا۔ اس کی نعش ٹھٹہ میں لائی گئی، اور شاہی فرمان کے مطابق اس کے فرزند مرزا غازی بیگ کو چھوٹی سی عمر میں ٹھٹہ کا والی بنایا گیا۔

نسیانی کے بقول مرزا جانی بیگ نے پورے آٹھ برس بادشاہ کی خدمت میں گذارے، اور آخر شراب نوشی کی کثرت کے سبب انتقال کر گیا۔ پھر اس کے فرزند مرزا غازی بیگ کی مسند نشینی کے بارے میں شاہی فرمان پہنچا، جس کی اس وقت عمر سولہ برس تھی۔

بقول بیگلارنامہ کے مؤلف کے، کہ جب مرزا جانی بیگ شہنشاہ جلال الدین محمد اکبر کے ساتھ برہانپور پہنچا، تو فانی جہان سے عالم جاودانی کی طرف انتقال کر گیا، اور اکبر بادشاہ نے اس کے فرزند مرزا غازی بیگ کو شاندار خلعت اور ٹھٹہ کی امیری کی سند سے نوازا۔

تحفۃ الکرام مطابق مرزا جانی بیگ پورے آٹھ برس بادشاہ کے حضور میں گذارے اور ۱۰۰۸ھ ہجری میں جو شاید ۱۵۹۹ء کے مطابق ہوگا، وفات پائی اور اس کی نعش ٹھٹہ لا کر، مکلی میں دفن کی گئی اور شاہی فرمان مطابق اس کے فرزند مرزا غازی بیگ چھوٹی عمر ہونے کے باوجود اس کا جانشیں ہوا۔

راقم الحروف نے مرزا جانی بیگ کی وفات کے سلسلے میں مکلی پر جو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، اس پر مکمل اعتماد رکھتا ہے اور مذکورہ بالا مؤرخین کی تاریخوں پر، جو ایک دوسرے سے مختلف ہیں، کوئی یقین نہیں رکھتا۔ مکلی میں مرزا جانی بیگ کے مقبرے کے پتھر پر لکھا ہوا ہے کہ ۲۷ رجب ۱۰۰۹ھ ہجری پر فوت ہوا۔ یہ سال ۱۶۰۰ء کے مطابق ہوگا۔ مقبرے کی تعمیر ۱۰۱۰ھ ہجری مطابق ۱۶۰۱ء میں مکمل ہوئی۔

وہ حاکم یا نواب، جو شہنشاہ محمد اکبر کی طرف سے مقرر ہو کر، دہلی سے ٹھٹہ کو آئے

حاکم یا نواب	سندھ میں آمد کا سال	ضروری احوال
۱- مرزا غازی بیگ ولد مرزا جانی بیگ ترخانی	۱۰۰۹ھ ہجری مطابق ۱۶۰۰ء	اپنے والد کی وفات کے بعد اکبر بادشاہ کے حکم سے اپنے باپ کا جانشیں ہوا۔ اگرچہ کچھ مؤرخین کا خیال ہے کہ وہ آزاد اور خود مختار حکمران تھا، لیکن جس صورت میں اس کی حکمرانی کے سلسلے

میں شاہی فرمان کا ثبوت موجود ہے، تو پھر اس طرح کے خیالات فضول ہیں۔ مرزا غازی بیگ عمر میں چھوٹا تھا، لیکن اپنے والد کی طرح عقلمند، بہادر اور بڑا دل رکھتا تھا۔ مثال کے طور پر ۱۰۱۳ھ ہجری مطابق ۱۶۰۴ء میں آگرہ جا کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا، جہاں اسے تحسین اور آفرین سے نوازا گیا۔ جاگیریں عطا کی گئیں اور ملتان کی نوابی اور قندھار کی صوبیداری اسے دے دی گئی، جس وجہ سے بار بار وہاں جاتا رہتا تھا، اور اس کی عدم موجودگی میں حکومت کا کاروبار امیر خسرو چرکس کی معرفت چلتا تھا۔ مرزا غازی بیگ، اکبر بادشاہ کے عہد حکومت میں بڑے مناصب اور عہدوں پر فائز رہا۔ اکبر بادشاہ پورے جاہ جلال اور عزت اور عظمت سے بادشاہی کرنے کے بعد، جیسا کہ اس کے سجع سے ظاہر ہے:

شہ شاہان عالم شاہ اکبر
تعالیٰ شانہ اللہ اکبر

[اکبر بادشاہ دنیا کے بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔ اللہ بڑا ہے اور اس کی شان بھی بڑی ہے)۔

آخر کار ۱۰۱۴ھ ہجری مطابق ۱۶۰۵ء میں جب اکبر بادشاہ کا انتقال ہو گیا تو اس کا فرزند ارجمند مسند نشین ہوا، اور مرزا غازی بیگ کو ہر طرح سے پہلے سے بھی زیادہ نوازا۔ مگر مرزا غازی بیگ حاسدوں کے حسد کا شکار بن کر، قندھار کے قریب عبداللطیف نامی ایک غلام زادہ کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ ایک شاعر نے اس کی

تاریخ: ''از دست غلام گل برون رفت دریغ''
کہی ہے۔ اگرچہ اس کی شہادت کا سال ابجد
کے حساب کے مطابق اسی مصرعہ سے نہیں نکلتا [61]
مگر عبارت کی موزونی کے سبب یہاں درج کی
گئی ہے۔ مرزا غازی بیگ سنہ ۱۰۲۱ ہجری مطابق
۱۶۱۳ء میں بے اولاد شہید ہو گیا۔ اس کی نعش
سنہ ۱۰۲۲ ہجری مطابق ۱۶۱۴ء میں سندھ میں لائی
گئی اور مکلی میں اس کے والد مرزا جانی بیگ
کے مقبرے میں دفن کی گئی۔

(۲) امیر خسرو چرکس سنہ ۱۰۱۵ ہجری مطابق ۱۶۰۶ء مرزا غازی بیگ کا نائب تھا اور اس کی عدم موجودگی میں اس کی طرف سے حکومت کا کاروبار چلاتا تھا۔ مرزا کی وفات کے بعد ''ہندو خان'' کی شراکت سے حکمرانی کرنے لگا۔ ہندو خان کا اصلی نام ''راءِ گھریومل'' تھا۔ مرزا غازی بیگ نے اسے مسلمان بنا کر، 'ہندو خان' کا لقب عطا کیا تھا۔

راقم الحروف، امیر خسرو چرکس کی کچھ خاص باتیں یہاں لکھنا مناسب سمجھتا ہے۔ تحفۃ الکرام کے بقول چرکس خان، چنگیز خان کی اولاد سے تھا۔ جس کی حکومت دشت قبچاق، (توران اور ترکستان کے بیچ میں ایک صحرائی علاقہ) میں تھی اور امیر خسرو چرکس اس کی جانب منسوب تھا۔ وہ پہلے ملا جاودانی کے پاس تھا۔

---

[61] اس مصرعہ کے اعداد ۳۷۴۵ ہیں، جب کہ مرزا غازی بیگ کی وفات کا سال ۱۰۳۱ ہجری ہے (ن۔ب)۔

مرزا عیسٰی ترخان نے، اس سے لے کر، اِسے اپنے پاس لوٹا بھر دینے والا بنا کر رکھا۔ آگے چل کر اس کی لیاقتیں دیکھ کر اسے عملدار بنایا گیا۔ مرزا جانی بیگ کے زمانے میں ایک معتبر امیر بنا۔ ان دنوں کوئی بھی امیر، بلکہ کوئی بادشاہ بھی اس جیسا مخیر نہیں تھا۔ تین سو ساٹھ عمارتیں مثلاً مساجد، جامع مساجد، مقبرے، پُل اور تالاب وغیرہ تعمیر کروائے، جو ٹھٹہ شہر میں، اس سے باہر مکلی پر ہیں۔ ان کی تعمیر پر لاکھوں روپے خرچ کئے۔ ان عمارتوں میں سے ایک جامع مسجد ہے، جو اب پرانی ہوگئی ہے اور ''مسجد دبگران'' (کڑھائی کرنے والوں کی مسجد) کے نام سے مشہور ہے۔ ٹھٹہ شہر کے باہر تا حال موجود ہے۔ ۹۹۷ھ ہجری مطابق ۱۵۸۸ء میں تعمیر ہوئی تھی۔ لیکن افسوس ہے کہ اس وقت وہ سخت مرمت طلب ہے۔ شہر والوں کو اتنی توفیق نہیں ہے، کہ اس کی مرمت کروا سکیں، تاکہ اس جوان (امیر خسرو چرکس) کا نشان قائم رہے، ان عمارات کی تعمیر کا مقصد یہاں بتایا جاتا ہے، کہ امیر خسرو چرکس ایک دن اپنے گھر کی چھت پر چڑھ کر، اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا، تو اچانک اس کی نگاہ ایک پڑوسن پر پڑ گئی، جو نہا رہی تھی۔ اس لئے پہلے اس نے خیال کیا کہ اپنی آنکھیں نکال دے۔ مگر علماء نے اسے منع کیا اور اسے مشورہ دیا کہ اس طرح کی عمارتیں تعمیر کروا کر، اس گناہ کا کفارہ ادا کرے۔ بلاشک دیندار ایسے ہی شخص کو کہتے ہیں۔

روایت ہے کہ اس کی وفات کے بعد کسی درویش نے، جو صاحبِ کشف تھا، اس سے پوچھا کہ اتنے نیک کاموں کا تمھیں کیا بدلہ ملا؟ جواب میں اس نے کہا کہ میں نے دنیا میں جو نیک کام کئے، وہ دنیا ہی میں رہ گئے اور مجھے یہاں کام نہیں آ سکے سوائے ایک نیکی کے، وہ یہ کہ ایک مرتبہ لکھنے میں مشغول تھا، کہ اتنے میں ایک مکھی، سیاہی چوسنے کی خاطر حرفوں پر آ کر بیٹھ گئی، اور میں اس کے اڑ جانے تک قلم کو لکھنے سے روکے رکھا۔ اسی جاندار کا دل رکھنے کی خاطر مجھے بخشا گیا۔ بیشک، اللہ رحمٰن، رحیم اور غفار ہے۔ اسے زیادہ اور کم کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ جب چاہے، تب بخش دے، کیونکہ بخشنے والا وہ ہی ہے۔

(۳) مرزا رستم ولد سلطان حسین ۱۰۲۳ھ ہجری مطابق ۱۶۱۵ء --- --- ---

(۴) مرزا مصطفیٰ خان ۱۰۲۵ھ ہجری مطابق ۱۶۱۶ء --- --- ---

(۵) مرزا بایزید بخاری ۱۰۲۸ھ ہجری مطابق ۱۶۱۸ء پہلے بکھر کا فوجدار تھا۔

(٦) شریف الملک، جو پہلے شریف خان کے نام سے مشہور تھا۔ بعد میں شریف خان ''اندھا'' مشہور ہو گیا۔ ۱۰۳۵ھ ہجری مطابق ۱۶۲۵ء

راقم الحروف ضروری سمجھتا ہے کہ اس کے اندھے ہونے کا احوال درج کرے۔ اسی سال (۱۰۳۵ھ ہجری میں) شہزادہ شاہجہان اپنے والد (جہانگیر) سے ناراض ہو کر، حرمین شریفین (زاداللہ شرفہا) جانے کے ارادے سے ٹھٹہ میں آیا اور مکلی کے نچلے حصے میں پل کے قریب ایک شامیانہ لگا کر رہنے لگا۔ نواب

(شریف الملک) نے بندوقیں اور توپیں لے کر، شہزادہ سے جنگ شروع کر دی۔ شہزادہ نے بھی کئی مرتبہ حملے کئے، مگر شکست سے دوچار ہوتا رہا۔ ایک دن شہزادہ کی بیگم، جو حاملہ تھی، شہزادہ سے انار طلب کیا۔ شہزادہ نے انار بھیجنے کے لئے نواب کو اپنے ہاتھوں سے خط لکھا۔ نواب نے جواب بھیجا کہ تھوڑی دیر میں انار بھیج رہا ہوں، پھر گولہ باری کرنے والے، جو فرنگی تھے، اس نے حکم دیا کہ بیگم کے شامیانے پر گولہ باری کی جائے، اور خود دوربین آنکھوں پر رکھ کر تماشہ دیکھنے لگا، اور شہزادہ کو کہلوا بھیجا کہ اس شہر میں اس طرح کے انار (گولے) ہیں۔

جب کہ اللہ کی مرضی تھی کہ شہزادہ کو کوئی نقصان نہ پہنچے، اس لئے گولے نشانے پر نہیں لگے۔ البتہ بیگم کا حمل ضایع ہوگیا، اور بارود کے غبار، گرمی اور آنکھیں ملنے کی وجہ سے نواب کی آنکھوں میں شورش پیدا ہوئی اور فوراً اندھا ہوگیا۔ یہ بھی روایت ہے کہ شہزادہ شاہجہان جب بادشاہ بنا، تو اندھے نواب کو اس کے رفقاء اور متعلقین سمیت بالکل ختم کروا دیا۔

(۷) مرزا عیسیٰ خان چھوٹا ولد مرزا جان بابا ولد مرزا عیسیٰ ترخان بڑا۔

سنہ ۱۰۳۷ ہجری مطابق سنہ ۱۶۲۷ء

کافی عرصے سے بادشاہوں کا خاص خدمتگار رہا ہے۔ اسی خدمتگذاری کے صلہ میں ''شراکت

داری'' سے اسے کرنال صوبہ کا حکمران بنایا گیا۔

جب جہانگیر بادشاہ ۱۰۳۸ھ ہجری مطابق ۱۶۲۸ء میں نیستی کے تختے پر سے اتر کر، ہستی کے تخت پر جلوہ افروز ہوا، یعنی اس عالم جاودانی کی طرف روانہ ہوا، تب شاہجہان بادشاہ نے اسے سندھ کا نواب مقرر کیا۔

یہ ترخان گھرانے کا آخری نواب تھا، جس نے کمال حشمت سے حکومت کی اور اٹھارہ برس کے عرصے میں مکلی پر اپنا ایسا مقبرہ تعمیر کروایا، جو سابقہ حکمرانوں میں سے کسی نے بھی اتنا خوبصورت، پائدار اور کشادہ مقبرہ تعمیر نہیں کروایا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے پتھر کرنال کے قلعے سے منگوائے تھے، مگر افسوس جو ابھی مقبرے کا کام مکمل نہیں ہوا تھا، کہ ۱۰۵۴ھ میں وہ خود ہی ختم ہو گیا یعنی وفات پا گیا۔ راقم الحروف نے ایسا مقبرہ پہلے نہیں دیکھا۔ فی الوقت مرمت نہ ہونے اور برسات پڑنے کی وجہ سے خراب ہو گیا ہے، ورنہ دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ مقبرے پر قرآن مجید کی آیات کے بعد مندرجہ ذیل ابیات تحریر شدہ ہیں:

چو رحلت کرد از دار فنا آن سرور ترخان،
بہ بستان جنان آسودہ شد در منزل اعلیٰ،
پیرسیدم چو سال رحلت او گفت از سر واہ،
آسودہ میرزا بکام میرما واہ۔[۶۲]

---

۶۲ نمبر دو بند اور خصوصاً اس کا دوسرا مصرعہ، جو تاریخی مادہ ہے، بالکل غلط ہے۔ اسی نظم مصرعہ میں ''گفت'' کا فاعل غائب ہے۔ دوسری مصرعہ میں غیر موزون، لغو اور قطعی بے معنی ہے اور تاریخی مادہ بھی نہیں ہے۔ کیونکہ یہاں مطلوب اعداد ہیں ۱۰۵۴، اور اس مصرعہ کے اعداد ہیں ۷۰۸ (یا ''واہ'' کے پہلے حرف (و) کے اعداد جمع دینے سے ۷۱۴) [مترجم]۔

(۸) نواب امیر خان عرف ابوالبقا ولد نواب قاسم خان یہ نواب، نواب قاسم خان کا فرزند تھا، جو بکھر کا گیارہواں نواب گذرا ہے، اور جس کا مختصر احوال اوپر بیان کیا گیا ہے۔ ٹھٹہ کی جامع مسجد اس نواب کی تعمیر کردہ ہے، جو شاہجہان بادشاہ کے حکم سے اس نے تعمیر کروائی تھی۔ محلّہ بھائی خان والی مسجد شریف بھی اسی کی تعمیر کردہ ہے۔ یہ مسجد اصل میں ہندوؤں کا مندر تھا۔ مکلی پر بہت ہی خوبصورت مقبرہ اس نے تعمیر کروایا۔ میر خانی سادات، جو ٹھٹہ اور دیگر مقامات پر رہتے ہیں، اسی کی اولاد سے ہیں۔

نمکین ولد ملا میر سبزواری
۱۰۵۴ھ ہجری مطابق ۱۶۶۴ء

جیسا کہ ٹھٹہ کی جامع مسجد کی تعمیر کا تذکرہ کیا گیا ہے، کہ وہ شاہجہان بادشاہ کے زمانے میں تعمیر ہوئی، جو نیکی کے کاموں میں دنیا کے اگلے پچھلے بادشاہوں سے سبقت لے گیا تھا، اس لئے راقم الحروف کو چاہیئے کہ اس ذکر خیر کو بیچ میں چھوڑ کر، کوئی اور احوال لکھنے کے لئے قلم نہ چلائے، اور اسے جو کچھ تاریخی کتب میں سے یا مسجد شریف کی دیواروں پر سے، محراب اور فرش سے معلوم ہوا ہو، اسے ذرہ پرزہ بیان کرے، تا کہ قارئین کو آگاہی حاصل ہو۔

تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت شاہجہان بادشاہ نے ۱۰۴۳ھ ہجری مطابق ۱۶۳۲ء میں مسجد شریف کی تعمیر کے لئے ۹ لاکھ روپے شاہی خزانے میں سے دیئے۔ اسی سال تعمیر کا کام شروع ہوا، اور ۱۰۴۹ھ ہجری مطابق ۱۶۳۹ء میں باقاعدہ جاری رہا۔ بالآخر ۱۰۵۴ھ ہجری مطابق ۱۶۴۷ء میں مسجد کے ابتدائی حصے تیار ہو گئے، جن کی تکمیل کی تاریخ کسی شاعر نے یوں بیان کی ہے:

ندیدہ چشم فلک مسجدی بدین خوبی،
کہ آمدند ملایک برائے دیدن فیض،
بجستم از خرد من چو سال تعمیرش،
بدیہ کرد اشارات کہ ہست "معدن فیض"۔
۱۰۵۴

[آسمان کی آنکھوں نے ایسی خوبصورت مسجد نہیں دیکھی۔
اس خیر کے کام کو فرشتے بھی دیکھنے کے لئے آتے ہیں۔ میں

نے اپنی عقل سے اس کی تعمیر کا سال پوچھا، تو فوری طور پر اشارہ ہوا کہ یہ ''معدن فیض'' (فیض کی کان، ہے]۔

ابجد کے حساب کے مطابق مذکورہ بالا سال (۱۰۵۴ھ ہجری) ''معدن فیض'' سے حاصل ہوتا ہے۔ باقی مسجد شریف کا دوسرا کام ۱۰۵۷ھ ہجری مطابق ۱۶۵۰ء میں مکمل ہوا۔ کسی شاعر نے اس کی تاریخ یوں بیان کی ہے:

چون ز صاحبقران شاہجہان،
یافت ترتیب مسجد اعلیٰ،
ھاتفم گفت سال اتمامش،
گشت زیبا چو مسجد اقصیٰ۔

[جب صاحبقران شاہجہان کی طرف سے یہ اعلیٰ درجہ کی مسجد کی تعمیر پایۂ تکمیل تک پہنچی، تو مجھے ایک غیبی فرشتے نے اس کی تکمیل کا سال بتایا، کہ مسجد اقصیٰ جیسی خوبصورت مسجد تعمیر ہوئی ہے]۔

ابجد کے حساب کے مطابق آخری مصرعہ سے مذکورہ بالا سال (۱۰۵۷ھ ہجری) حاصل ہوتا ہے۔ مسجد شریف کا صحن، فرش اور دیگر ضروری تعمیرات ۱۰۶۸ھ ہجری مطابق ۱۶۶۱ء میں، شاہجہان بادشاہ کے فرزند اورنگزیب عالمگیر کی سلطنت کے اوائل میں مکمل ہوئیں۔ فرش کی تاریخ کسی شاعر نے یوں بیان کی ہے:

بادشاہ زمان شاہجہان،
جامع تھتہ دلکشا پرداخت۔

مرتفع جامعی کہ گنبذِ او،
سایہ برقبہٖ سما پرداخت۔

خاص بہر خدائی ظل خدا،
خانۂ رحمت خدا پرداخت۔

فرش جامع بحکم شاہجہان،
زبدۂ آل مصطفیٰ پرداخت۔

رضوی انتساب میر جلال،
کہ وزارت از و صفا پرداخت۔

گشت فرشی کہ سنگ آن ز بہ صفا،
رشک جام جہان نما پرداخت۔

سال تعمیر آن دبیر خرد،
''فرش مطبوع و دلکشا'' پرداخت۔

١٠٦٨

[☆ دنیا کے بادشاہ،شاہجہان نے ٹھٹہ کی جامع مسجد تعمیر کروائی ہے۔ جو دل کے لئے مفرح ہے۔

☆ ایسی بلند ترین جامع مسجد، جس کا گنبد آسمان کے گنبد تک پہنچا ہے۔

☆ ظل الٰہی (شاہجہان) نے خاص خدا کے واسطے خدا کی رحمت کا مرکز تعمیر کروایا ہے۔

☆ شاہجہان کے حکم سے جامع مسجد کا فرش آل محمد (سادات) کے ایک برگزیدہ انسان نے بنوایا ہے۔

☆ میر جلال، جو رضوی خاندان کا فرد ہے اور جس کے طفیل وزارت کے منصب کو جلا اور ضیا عطا ہوئی ہے۔

☆ ایسا فرش بن کر تیار ہوا ہے، جس کے پتھر اپنی صفائی کی بدولت ''جام جہان نما'' ٦٣ کے لئے قابل رشک بن گئے ہیں۔

☆ عقل کے منشی نے فرش کی تعمیر کا سال ''فرش مطبوع و دلکشا'' (پسندیدہ اور مفرح دل فرش) بتایا ہے]۔

---

٦٣ ''جام جہان نما'' ایران کے بادشاہ کیخسرو کا ایک پیالہ تھا، جس سے ''نوروز'' کے دن دنیا کے حالات معلوم کرتا تھا(ن۔ب)۔

آخری مصرعہ سے ابجد کے حساب سے مذکورہ سال (۱۰۶۸) حاصل ہوتا ہے۔ قارئین کرام کو مذکورہ بالا احوال سے معلوم ہوگا کہ مسجد شریف کا کام پچیس برسوں میں مکمل ہوا (۱۰۴۳ھ ہجری میں شروع ہوا اور ۱۰۶۸ھ ہجری میں ختم ہوا)۔ ٹھٹہ کی جامع مسجد لمبائی اور چوڑائی میں بڑی مسجد ہے اور تقریباً ایک جریب، بلکہ اس سے بھی زیادہ زمین پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس کے دو بڑے دروازے ہیں، اور ایک ایک قبہ کے نیچے ایک ایک سو لوگ نماز ادا کر سکتے ہیں۔ اندرونی اور بیرونی محرابوں کے اوپر نہایت ہی نفیس اور رنگین کاشی کا کام کیا ہوا ہے، جس کی خوبصورتی اور صفائی دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ اندرونی اور بیرونی فرش اعلیٰ قسم کے پتھر سے بنے ہیں اور نہایت ہی مضبوط بنائے گئے ہیں۔ مؤذن کی جگہ بھی بہت ہی موزوں اور خطیب کا منبر بھی بڑا دلکش ہے۔ مطلب یہ کہ اس طرح کی خوبصورت اور زیادہ خوبیوں والی دوسری مسجد سندھ میں کہیں بھی نہیں ہے۔ بلکہ دہلی کی جامع مسجد کے علاوہ سارے ہندوستان میں نہیں ہوگی، جو بھی شاہجہان کی ہی تعمیر کردہ ہے۔

راقم الحروف کو یاد پڑتا ہے کہ ۱۲۷۲ھ ہجری مطابق ۱۸۵۵ء میں مرحوم سر بارٹل فریئر صاحب بہادر سندھ کے دوسرے کمشنر نے اپنی حکمرانی کے زمانے میں، کچھ مقامات کے ٹوٹ پھوٹ کی مرمت وغیرہ کے لئے سرکاری خرچے پر اور کچھ وہاں کے معزز لوگوں کی مدد سے، سید صابر علی شاہ اور مرحوم اللہ بخش شاکرانی کی معرفت، جو ٹھٹہ کے معزز لوگ تھے، اس مسجد شریف کی مرمت کروائی تھی۔ آخری مرتبہ ۱۳۱۱ھ ہجری مطابق ۱۸۹۴ء میں آنریبل مسٹر ایچ۔ اے۔ ایم جیمس صاحب بہادر سندھ کے تیرہویں کمشنر پچیس سو روپے سرکاری خزانے سے، چار ہزار روپے ہزہائنس میر فیض محمد خان صاحب بہادر والی ریاست خیرپور سے اور چار ہزار روپے دیگر معززین سے لے کر، خان صاحب رسول بخش ولد شیر محمد مختیار کار ٹھٹہ کی معرفت مرمت کروائی۔ صاحب موصوف نے زیادہ تر رقم اپنی جیب سے دی۔ مجھ راقم الحروف کی کچھ رقم بھی اس میں شامل تھی، اور جملہ رقم بیس ہزار روپے جمع کی گئی تھی۔ اس مرمت کا سال جنوبی دروازے پر باہر کی طرف سے تحریر شدہ ہے، اور امید ہے کہ مرمت کا اثر ایک سو سال تک قائم رہے گا۔

حاکم یا نواب	سندھ میں آمد کا سال	ضروری احوال
(۹) مظفر خان عرف میر عبدالرزاق خان معموری		
	۱۰۴۹ھ ہجری مطابق ۱۶۳۹ء	مشہور نواب تھا۔ ٹھٹہ کا کودری بازار اسی کا تعمیر کردہ ہے۔

(۱۰) سید ابراہیم خان ولد بایزید بخاری	۱۰۵۵ ہجری مطابق ۱۶۴۵ء	---
(۱۱) لعل خان	۱۰۵۷ ہجری مطابق ۱۶۴۷ء	--- --- ---
(۱۲) ظفر خان	۱۰۶۳ ہجری مطابق ۱۶۵۲ء	مشہور ناظم تھا۔ شہزادہ دارا شکوہ نے اسے ہفت ہزاری منصب تک پہنچایا۔ اور ان دنوں میں شہزادہ کا نائب بنا تھا۔ وہ، شاہجہان بادشاہ کے دور کا آخری ناظم تھا۔
(۱۳) قباد خان	۱۰۶۹ ہجری مطابق ۱۶۵۸ء	شاہجہان بادشاہ کے بڑے فرزند اورنگزیب عالمگیر کے حکم سے آیا تھا۔
(۱۴) لشکر خان	۱۰۷۱ ہجری مطابق ۱۶۶۰ء	--- --- ---
(۱۵) غضنفر خان	۱۰۷۵ ہجری مطابق ۱۶۶۷ء	--- --- ---
(۱۶) سید عزت خان عرف عزت خان (؟)	۱۰۷۸ ہجری مطابق ۱۶۶۴ء	پہلے بکھر کے قلعے کا فوجدار تھا۔ (برائے مہربانی بکھر کے نوابوں کی فہرست میں ۲۴ نمبر پر ایک نظر ڈالیں)۔
(۱۷) ابونصرت خان	۱۰۸۲ ہجری مطابق ۱۶۷۱ء	یہ نواب، اورنگزیب عالمگیر کا ماموں تھا۔
(۱۸) سعادت خان	۱۰۸۴ ہجری مطابق ۱۶۷۳ء	ٹھٹہ میں وفات پائی اور مکلی کے مقام میں مدفون ہوا۔ اس کی تربت پر درج ذیل کتبہ لگا ہوا ہے: بگفتا بی حجاب از غیب ھاتف سعادت جاودانی یافت پی پی
(۱۹) سید عزت خان	۱۰۸۶ ہجری مطابق ۱۶۷۵ء	دوبارہ نواب بنا۔
(۲۰) خان زاد خان	۱۰۹۰ ہجری مطابق ۱۶۷۹ء	--- --- ---
(۲۱) سرور خان	۱۰۹۵ ہجری مطابق ۱۶۸۳ء	--- --- ---
(۲۲) مُرید خان	۱۰۹۹ ہجری مطابق ۱۶۸۷ء	ایک ہندو راجا کا بیٹا تھا۔ بعد میں

مسلمان ہوا اور مرید خان کے نام سے مشہور ہوا۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ جب نیا نیا آیا اور ٹھٹہ شہر کے باہر پہنچا، تو اسے معلوم ہوا کہ اُسے گائے ذبح کرنے والوں کے بازار سے گذرنا پڑے گا۔ اس لئے اس نے شہر کے قاضی کو لکھا کہ کل بڑے گوشت کا بازار بند کروایا جائے۔ کیونکہ میرے ساتھ کچھ راجپوت بھی ہیں۔ ہوسکتا ہے ان کو یہ بات اچھی نہ لگے۔ قاضی نے اس کے برعکس ایک تاکیدی حکم جاری کیا کہ جتنی گائیں روزانہ ذبح کرتے ہو، کل ان سے بھی زیادہ ذبح کرنا۔ مسلمان بادشاہ کی حکومت ہونے کی وجہ سے قاضی کا نام تو کوئی نہیں لے سکا، مگر راجپوت دیگر مسلمانوں کو ستانے لگے، اس لئے سب مسلمانوں نے مل کر بادشاہ کی خدمت میں ایک عریضہ بھیج کر حقیقت پیش کی۔ وہاں سے جواب آیا کہ اس کے نام (مرید) میں حرف 'ی' کے نقطے نیچے سے اٹھا کر، اوپر رکھو (مرتد) اور اسے موقوف کر دو۔

(۲۴) زبردست خان سنہ ۱۱۰۱ ہجری مطابق ۱۶۸۹ء ٹھٹہ میں فوت ہوا۔ ایک شاعر نے اس کی تاریخ وفات پر ایک شعر لکھا ہے، جو تقدیر تدبیر پر ہنستی ہے۔

سبوئے زندگی خان زبردست
قضابین از کجا آوردہ بشکست[٦٤]۔

ترجمہ:
زبردست خان کی عمر کا گھڑہ، دیکھ
تقدیر نے کہاں سے لاکر، کہاں
توڑ دیا۔

(۲۴) نصرت خان ۱۱۰۱ھ ہجری مطابق ۱۶۸۹ء — دوبارہ نواب بنا۔

(۲۵) حفیظ اللہ خان ۱۱۰۳ھ ہجری مطابق ۱۶۹۱ء — یہ نواب، شاہجہان بادشاہ کے وزیر نواب سعد اللہ خان کا فرزند تھا۔ سہون میں لُو لگنے کے سبب انتقال کر گیا۔ ایک شاعر نے اس کی وفات کا سال قرآن مجید کی اس آیت شریف سے لیا ہے "فلھم جنت الماویٰ نزلاً بما کانوا یعملون"۔ جس سے سال ۱۱۱۲ھ ہجری حاصل ہوتا ہے، جو سال ۱۷۰۰ء کے مطابق ہے۔

(۲۶) سعد خان ۱۱۱۳ھ ہجری مطابق ۱۷۰۱ء — عرف خان زاد خان، سعید خانی اور چنگیز خانی تھا۔

۲۷- سید میر امین الدین خان حسین ولد سید ابوالمکارم بن میر ابوالبقا الملقب بہ امیر خان ۱۱۱۴ھ ہجری مطابق ۱۷۰۲ء — یہ نواب بھی امیر خانی، خاندان سے تھا۔ اس کا تذکرہ پہلے دو دفعہ ہو چکا ہے۔ نمبر ۸ میں ٹھٹہ کے نوابوں کے سلسلے میں، اور نمبر ۱۱ میں بکھر کے نوابوں کے سلسلے میں، مکلی میں اس کی تربت پر قرآن مجید کی آیات اور احادیث کے بعد درج ذیل قطعہ تحریر شدہ ہے:

---

[٦٤] یہ شعر مادۂ تاریخ نہیں ہے، بلکہ قطعہ کا کوئی دوسرا شعر ہے۔ کیونکہ اس کے اعداد ۳۴۸۶ ہیں، جب کہ زبردست کی وفات کا سال ۱۱۰۱ھ ہجری کے لگ بھگ ہے (ن۔ب)۔

خان باتمکین امیر الدین امیر
عالی از حسن عمل درجات او
چون سفر کرداز جہان بی ثبات
سال فوتش ''داخل لاجنات او''

ابجد کے حساب کے مطابق اس سے سال ۱۱۲۷ہجری حاصل ہوتا ہے، جو ۱۷۱۵ء کے مطابق ہے۔

۲۸- یوسف خان تبری ۱۱۱۵ہجری مطابق ۱۷۰۳ء --- --- ---

۲۹- احمد یار خان ولد اللہ یار خان،
جو لاہور، ملتان اور غزنی کی حکومتوں کا بھی نواب تھا۔ --- اس نواب کے زمانے میں بادشاہ اورنگزیب عالمگیر ۱۱۱۸ہجری مطابق ۱۷۰۷ء میں اس فانی دنیا سے عالم جاودانی کی طرف انتقال کر گیا اور اس کا فرزند ارجمند بہادر شاہ اپنے موروثی تخت پر بیٹھا۔

۳۰- سعید خان عرف عطر خان ۱۱۲۰ہجری مطابق ۱۷۰۸ء بہادر شاہ کے حکم سے مقرر ہوا۔

۳۱- مہین خان ۱۱۲۱ہجری مطابق ۱۷۰۹ء --- --- ---

۳۲- شاکر خان ۱۱۲۳ہجری مطابق ۱۷۱۱ء --- --- ---

۳۳- مہین خان ۱۱۲۳ہجری مطابق ۱۷۱۱ء دوبارہ نواب مقرر ہوا۔ جب ۱۱۲۴ہجری مطابق ۱۷۱۲ء میں بہادر شاہ بادشاہ نے وفات پائی اور اس کا فرزند معز الدین جہاندار شاہ تخت نشین ہوا، تو اس نواب کو اس نے برطرف کر دیا۔

۳۴- خواجہ محمد خلیل ۱۱۲۴ہجری مطابق ۱۷۱۳ء معز الدین جہاندار شاہ کے حکم سے نواب مقرر ہوا۔

۳۵- عطر خان ۱۱۲۵ہجری مطابق ۱۷۱۳ء ۲۹ نمبر نواب (احمد یار خان) کا

فرزند تھا۔ نوجوان اور بے تجربکار تھا۔ آخرکار نواب لطف علی خان کے ہاتھوں قتل ہوا۔

۳۶- نواب میر لطف علی خان	۱۱۲۵ہجری مطابق ۱۷۱۳ء	بکھر کے سادات سے تھا۔ اپنی شجاعت کی وجہ سے ''شجاعت علی خان'' کے لقب سے ملقب تھا۔ اس کی وفات کے بعد ایک شاعر نے اس کی وفات کا سال ۱۱۴۵ہجری ''ادخلہ فی الجنات'' سے لیا ہے، جو ۱۷۳۲ء کے مطابق ہے [۶۵] یہ تاریخ مکلی پر اس کی قبر پر درج ہے۔ بزرگوں سے سنا گیا ہے کہ اس نواب کا فرزند سید میر ذوالفقار علی شاہ حیدرآباد کے تالپور میروں کے زمانے میں مختیارکار تھا۔ اس کا فرزند حاجی روشن علی شاہ میری ملازمت کے دنوں میں پہلے کراچی کے کورٹ میں ناظر تھا۔ بعد میں جھرکوں میں مختیار کار بنا۔ اس کا فرزند سید غلام مرتضٰی شاہ زمیندار ہے۔ شعر میں اسے درک حاصل ہے اور ''مرتضوی'' تخلص۔ راقم الحروف کا دوست ہے اور بہت ہی اچھا آدمی ہے۔
۳۷- اعظم خان	۱۱۲۸ہجری مطابق ۱۷۱۵ء	بادشاہ محمد شاہ غازی کے حکم سے برطرف ہوا۔
۳۸- بھائی خان	۱۱۳۲ہجری مطابق ۱۷۱۹ء	وزیر اعظم عبدالرحیم خان الملقب بہ ''خان خانان'' کا فرزند تھا۔ بادشاہ محمد شاہ غازی کے حکم سے مقرر ہوا۔

۶۵ اس فقرہ کے اعداد ۱۲۱۵، ہیں نہیں کہ ۱۱۴۵ (ن۔ب)۔

جب ۱۱۲۵ہجری مطابق ۱۷۲۲ء میں فوت ہوا تو اس کی نعش لاہور لے جائی گئی، اور اس کے بیٹے کو کمسنی میں اس کا جانشین بنایا گیا۔

۳۹- سلطان محمود خان ۱۱۳۵ہجری مطابق ۱۷۲۲ء

یہ نواب بھائی خان (نمبر ۳۸) کا فرزند تھا، جسے کمسنی میں نواب مقرر کیا گیا۔

۴۰- سیف اللہ خان ۱۱۳۷ہجری مطابق ۱۷۲۳ء

یہ نواب شیعہ تھا۔ شیعہ مذہب کو اس نے فروغ دیا اور ہر قسم کے نشے پر اس نے پابندی لگا دی۔ کہا جاتا ہے کہ ایک دن ایک نشہ کرنے والا اس کے پاس آیا اور اسے گذارش کی کہ نواب صاحب! میری محبوبہ (بھنگ) کو تو نے کیوں مجھ سے الگ کر دیا ہے؟ میں اس کی جدائی میں سخت پریشان ہوں۔ اس نے جواب دیا کہ تیری محبوبہ بدراہ ہوگئی ہے، اس لئے میں نے اسے پردے میں بٹھا دیا ہے۔

آخر کار ۱۱۴۳ہجری مطابق ۱۷۳۰ء میں اس نے وفات پائی اور اسے مکلی پر مبارک اماموں کی جلوہ گاہ میں دفن کر دیا گیا، جو ۱۱۴۰ہجری مطابق ۱۷۲۷ء میں اس نے خود تعمیر کروایا تھا۔ اس کی تربت پر ایک دلکش مصرعہ تحریر شدہ ہے:

''دست وی با دامن آلِ عبا است''

جس سے ۱۱۴۳ھ ہجری مطابق سال حاصل ہوتا ہے، جو ۱۷۳۰ء کے مطابق ہے۔

۴۱-نواب دلیر دل خان ۱۱۴۳ھ ہجری مطابق ۱۷۳۰ء بڑا پہلوان تھا، یعنی اسم با مسمیٰ۔

۴۲- ہمت دل خان ۱۱۴۵ھ ہجری مطابق ۱۷۳۲ء مذکورہ بالا نمبر ۴۰ نواب (سیف اللہ خان) کا فرزند تھا۔

۴۳- صادق علی خان ۱۱۴۹ھ ہجری مطابق ۱۷۳۲ء مذکورہ بالا نمبر ۳۹ نواب (سلطان محمود خان) کا فرزند تھا۔ یہ ہندوستان کے بادشاہوں کا آخری نواب تھا۔

قارئین کرام کو نیک روشن ہو کہ نواب صادق علی خان کی حکومت کے زمانے میں سندھ کا بڑا حصہ محمد شاہ بادشاہ کے حکم سے ٹھیکہ کے طور پر میاں نور محمد کلہوڑو کے تصرف میں تھا۔اس لئے دہلی کے بادشاہوں کی طرف سے ٹھٹہ اور بکھر میں حاکموں اور نوابوں کا آنا بند ہو گیا۔ اگرچہ میاں نور محمد کی گدی ٹھٹہ یا بکھر میں نہیں تھی اور نہ ہی ان کی طرف سے سرکاری کاروبار کی سرانجامی کے لئے عملدار مقرر کردہ تھے، لیکن چونکہ انہیں اتنے زیادہ اختیار نہیں تھے، اس لئے ان کا تذکرہ کرنا ضروری نہیں ہے۔

دسواں طبق

سندھ کے مختلف حاکموں اور اس زمانے کی مختلف اقوام اور ذاتوں کا تفصیلی احوال

۹۶۲ھ ہجری مطابق ۱۵۵۴ء سے سندھ کا ملک، کوکلتاش اور ترخان گھرانوں کے حاکموں کے درمیان آدھا آدھا تقسیم ہوا تھا، اور مذکورہ بالا حاکموں کے دارالحکومت بکھر اور ٹھٹہ مقرر ہوئے تھے۔ جب قادر مطلق اور حاکم برحق (اللہ تعالیٰ) کی مرضی سے ان دونوں گھرانوں کی حکومتیں ختم ہوئیں، جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا، تب دہلی کے بادشاہوں نے یوں بہتر سمجھا، کہ بکھر اور ٹھٹہ کی حکومتوں کے لئے الگ الگ نواب مقرر کئے جائیں۔ قارئین کرام کی سہولت کے لئے یہاں یہ بات پھر دہرائی جاتی ہے کہ بکھر کے نوابوں کے حالات ۱۰۹۰ھ ہجری مطابق ۱۶۷۹ء تک تاریخ کی کتابوں سے، جو راقم الحروف کے پاس موجود ہیں، حاصل کر کے لکھے گئے اور ٹھٹہ کے حاکموں

کے بارے میں ۱۱۴۹ ہجری مطابق ۱۷۳۶ء تک، جو معلومات تحفۃ الکرام اور دیگر کتب سے، مل سکی، لے کر، کھول کھول کر قلمبند کی گئی، اور یہ بھی درج کیا گیا کہ دہلی کے بادشاہ اورنگزیب عالمگیر کے دور حکومت تک نواب مقرر ہوتے رہے۔ البتہ عالمگیر کے بعد حکومت کے کاروبار میں بے رونقی، بدنظمی اور کمزوری پیدا ہوگئی۔ جس طرح کہا جاتا ہے کہ ''کل یوم ابتر''۔ علاوہ ازیں جیسا کہ سندھ کا ملک دہلی کی دارالسلطنت سے بہت دور تھا، اس لئے نوابوں کے ہاتھوں حکومت کے انتظام میں خلل پیدا ہونے لگا۔ اس زمانے میں موجودہ زمانے کی طرح آگ بوٹ، ریل گاڑی اور تار کا سرشتہ نہیں تھا، جو اس خلل کو فوری طور پر ختم کیا جا سکے۔ نتیجا یہ نکلا، کہ کچھ جاگیرداروں، پیروں اور زمینداروں نے، جن کے قبضے میں بڑی بڑی اراضیاں تھیں، اور کچھ نامور با اثر لوگوں نے، ان انتشار جیسے حالات کو اپنے مطلب کے موافق دیکھ کر اور وقت کو غنیمت سمجھ کر، اس دور کے بادشاہوں اور علاقائی حاکموں سے روگردانی کی اور سندھ کے اکثر حصوں پر قبضہ کر کے، حکمرانی شروع کر دی۔ انہوں نے خود کو نوابوں کا تابع سمجھنا چھوڑ دیا اور انہیں محصول دینا بند کر دیا۔

راقم الحروف اس موقع پر مناسب سمجھتا ہے کہ ان اقوام کا احوال لکھے اور ان لوگوں کے نام بھی، جو اس وقت ان کے جانشین ہیں۔

لانگاہ قوم کے سرداروں نے، ملتان کے زیریں علاقوں پر مستقل قبضہ کیا، جو پہلے ہی سے ان کے تصرف میں تھے۔ اس زمانے میں ملتان اور اردگرد کا علاقہ بکھر کے ماتحت ہوا کرتا تھا۔ ماچھی قوم کے سرداروں نے ''ماچھکو'' کے علاقے پر قبضہ کیا، جو اس وقت بہاولپور سے ملحق ہے۔ آج کل اس قوم کا سردار، سلطان خان ولد جہان خان ماچھی ہے۔ ناہروں نے ''نہرکی'' پر قبضہ کیا، جو کشمور کے علاقے میں دریائے سندھ کے اس پار ہے۔ اس وقت اس قوم کا سردار، محمد بخش ولد اللہ رکھیو ناہر ہے، جو بالکل کمزور اور گمنام ہے۔ ڈاہروں (ڈہروں) نے ڈاہرکی (ڈہرکی) پر قبضہ کیا، جو اوباڑو کے قریب ہے۔ اس قوم کا رئیس ''جام ابوالخیر ثانی'' جونئیر ولد جام بھنبھو خان ہے، جو اول درجہ کا جاگیردار ہے اور خیر پور ڈہرکی اس کے نام سے مشہور ہے۔ ماہروں (مہروں) کے سردار، جن کی سرداری اس زمانے میں لکھی شہر، شکارپور اور سکھر کے اردگرد تھی اور اس وقت ''مہارہ کی'' (مہرکی) میں، جو میرپور مہارہ (میرپور ماتھیلو) اور گھوٹکی تحصیلوں میں ہے، رہائش پذیر ہیں۔ آج کل ان کا سردار میاں محمد بخش ولد حاجی خان مہر ہے، جو خانپور تحصیل میرپور مہارہ میں رہتا ہے اور بہت ہی بڑا رئیس ہے۔ دھاریجہ، جو اس وقت سندھ کے اکثر حصوں میں رہتے تھے، اور اس وقت سارے سندھ کے اندر پھیلے ہوئے ہیں۔ لیکن اس قوم کا سردار جام ارباب خان، جو

ایک چھوٹا سا زمیندار ہے، گھونکی تحصیل کے شہر ''عادل پور'' میں رہتا ہے، اور اس کے دیگر عزیز دیہہ ''دادلوءِ'' میں رہتے ہیں۔ دادلوءِ کا زمیندار اس وقت خان بہادر ابوالخیر ہے، جو ایک بڑا زمیندار ہے۔

دریائے سندھ کے اُس پار بلوچ سردار مزاری، بُلدی یا بردی اور جتوئی ''مزارچہ''، ''بلدک'' اور ''جتوئی'' پر قابض ہوئے۔ اس وقت ان قوموں کے سردار، نواب سر امام بخش خان صاحب بہادر حکمران (؟) ''مزارچہ'' ضلع (صوبہ) پنجاب کے ماتحت دیرہ جات کا تمندار میر علی مراد خان بلدی یا بردی، اور وڈیرہ فتح خان جتوئی دیہہ ''دڑو'' تحصیل کشمور ضلع جیکب آباد، اور نیپر آباد (بُو جا ناپر) تحصیل شکارپور ہیں۔

اس طرح پنھور، جو اس زمانے مین روہڑی اور گھونکی کے درمیان ''پنھورکی'' میں رہتے تھے، جو ایک چھوٹا سا گاؤں ہے اور اب بھی ''پنھورکی'' کے نام سے موجود ہے۔ کچھ پہنور جیکب آباد کے اردگرد، کچھ سندھ کے زیریں حصے سہون اور دادو تحصیل میں اس کے اردگرد رہتے ہیں۔ اس وقت اس قوم کا سردار پیادو خان ہے، جو تحصیل دادو کا ایک چھوٹا سا زمیندار ہے۔

کنڈیارو، نوشہرو فیروز اور مورو میں سعتہ یا سہتااور ہنگورجا رہتے تھے۔اس وقت ان قوموں میں کوئی بھی نامور آدمی موجود نہیں ہے، اور ہر قوم، بلکہ ہر ذات اور ذیلی ذات کا اپنا اپنا ایک سردار ہے۔ دریائے سندھ کے اُس پار سبئی جو اس زمانے میں بکھر صوبہ کے ماتحت ہوا کرتا تھا اور اِس وقت بلوچستان میں شامل ہے۔ میں باروزئی پٹھان رہتے تھے، آج کل اس قوم کا سردار ''باروزخان'' ہے، جو ایک معزز اور سرکار کا وظیفہ خوار ہے، اور وہ بھی وہیں (سبئی میں) رہتا ہے۔

بکھر کے قلعے میں مغل رہتے تھے، جو ترخانوں کی شاخ تھے، اور کچھ ارغون بھی، جو سابقہ حکمرانوں کی اولاد میں سے تھے اور بکھر اور اس کے اردگرد والی اراضی پر قابض تھے۔ اس وقت ٹھٹہ اور نصرپور میں اگرچہ کچھ غریب اور مسکین ترخانی موجود ہیں، لیکن ارغون کا نام و نشان ظاہر نہیں ہے۔ شاید دیگر اقوام میں ضم ہو گئے ہوں۔

داؤد پوتوں کے سردار خانپور، لکھی اور شکارپور کے علاقے میں رہتے تھے، لیکن زمانے کے انقلابات کا شکار بن جانے کے بعد، وہاں سے بھاگ کر بہاولپور جا پہنچے اور وہاں خودمختار بن گئے۔ نواب بہاول خان ثانی ولد مرحوم صبح صادق خان، جو گذشتہ سال ۱۳۱۶ ہجری مطابق ۱۸۹۸ء میں انتقال کر گیا، بہاولپور ریاست کا حکمران تھا، جو پنجاب کے صوبہ ملتان کے ماتحت ہے۔

بلوچوں کے ایک قبیلہ ''چانڈیو'' کے سردار ''چانڈکا'' میں رہتے تھے، جس کا تعلق

لاڑکانہ، قنبر اور نصیر آباد سے ہے۔ فی الوقت چانڈیوں کا سردار غیبی خان ثانی ولد وڈیرہ محمد خان چانڈیو ہے، جو غیبی دیرہ تحصیل قنبر میں رہتا ہے۔ بہت دولتمند، بڑا جاگیردار اور بڑی عزت والا ہے۔

کلہوڑوں کے سردار، ''کلہوڑکی'' میں رہتے ہیں۔ اگر کلہوڑکی کے علاقے کو اس وقت لاڑکانہ، نصیر آباد، ککڑ اور جوہی تحصیلات میں شامل سمجھا جائے تو مناسب ہے۔ ان کا مفصل احوال آگے چل کر بیان کیا جائے گا۔

''مگسی'' قوم کے سردار ''کچھی'' کے حدود میں رہتے ہیں۔ اس وقت مگسیوں کے سردار وڈیرہ قیصر خان مگسی ہے، جو ''جھل'' کے شہر (بلوچستان) میں رہتا ہے۔ قیصر خان کی سندھ میں بھی زمینداری ہے۔ لیکن بڑی جاگیر اور سرداری اسے بلوچستان میں حاصل ہے۔ اسے اگر چھوٹا حاکم تصور کیا جائے تو مناسب ہے۔

کھوسہ بلوچوں کے سردار ''کھوسکی'' میں رہتے تھے، جو پہاڑ کے دامن میں سندھ کی سرحد پر واقع ہے۔ اس وقت ان کا سردار امام بخش خان ہے، جو تحصیل ''ککڑ'' میں رہتا ہے۔ جاگیردار ہے اور اس کی کچھ زمین بھی ہے۔

''نہمر دی'' یا ''نُومری'' جوکھیہ اور کلماتی یا کرمتی اقوام کے سردار سہون سے نیچے پہاڑی اراضی اور ساحل سمندر کے علاقے میں رہتے تھے۔ اس وقت ان اقوام کا سردار ملک صوبدار خان نہمر دی ساکن تھانہ احمد خان نہمر دی تحصیل کوٹری، جام مراد علی خان جوکھیہ ساکن دیہہ ملیر تحصیل کراچی اور ملک غلام شاہ کرمتی یا کلماتی ہیں۔ یہ تینوں شخص اول درجہ جاگیردار اور بڑے معزز ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ ان تینوں قوموں میں بے اتفاقی ہے۔

دریائے سندھ کے اُس پار ''جاتی'' والے علاقے پر جت قوم کا قبضہ تھا۔ اس وقت جت قوم کا سردار ملک غلام حسین ولد ملک جہان خان ساکن تحصیل جاتی ہے۔ ملک غلام حسین بڑا جاگیردار ہے، لیکن اپنی قوم میں اس کا اتنا اثر و رسوخ نہیں ہے۔

مورو تعلقہ سے نیچے نیرون کوٹ (حیدرآباد) کی سرحد تک، انڑ کے علاوہ کوئی دوسری مشہور اور معزز قوم نہیں تھی۔ انڑ ''انڑکئی'' میں رہتے تھے۔ اس وقت اکثر انڑ یا ان کے رئیس ''قاضی احمد'' تحصیل سکرنڈ میں رہتے ہیں۔ انڑ قوم کا رئیس اللہ رکھیو خان بڑا زمیندار ہے، لیکن قدرے مسکین آدمی ہے۔

عمر کوٹ کے ارد گرد اور ریگستان (رن پٹ) کے قریب سوڈھا، راہما اور راجپوت وغیرہ رہتے تھے۔ اس وقت رانا صورت سنگھ ولد بھوت سنگھ ساکن تحصیل عمر کوٹ، اس علاقہ کا

جاگیردار اور بااختیار آدمی ہے۔ مگر پچھلے زمانے میں انہیں جو اختیارات ہوا کرتے تھے، وہ انہیں اب حاصل نہیں ہیں۔ اس علاقے میں جو دیگر قومیں رہتی ہیں، ان میں بااختیار شخصیت ''تو گاچی راہموں'' ساکن دیہہ رہمکی بازار تحصیل ڈیپلو ہے، جو انعام یافتہ ہے اور اسے وظیفہ ملتا ہے۔

ان کے علاوہ کچھ دیگر اقوام کے سردار جیسا کہ بلوچ اور تالپور وغیرہ بھی کچھ علاقوں پر قابض تھے۔ اگر مذکورہ احوال کی طرح سب قوموں کا مفصل احوال بیان کیا جائے گا، تو ایک داستان تیار ہو جائے گی اور قارئین کرام کا وقت ضایع ہوگا۔ اس لئے اس احوال کونظر انداز کر کے، اصل مقصد کی طرف لوٹنا بہتر نظر آتا ہے، تاکہ قارئین کرام مذکورہ بالا احوال سے آگاہی حاصل کرنے کے بعد، اس حقیقت سے بھی باخبر ہوں کہ مذکورہ بالا اقوام کے سرداروں نے اپنے قبضے میں رہنے والے علاقوں پر اکتفا نہ کر کے، آپس میں لڑنے، ایک دوسرے کے علاقوں پر قبضہ کرنا اور لوٹ مار کرنا شروع کر دی۔ بالآخر ''تعزمن تشاء و تذل من تشاء'' کے اصول کے مطابق ایسا اتفاق ہوا، کہ کلہوڑا قوم دن بدن زور پکڑتی گئی اور سندھ پر قابض ہوتی چلی گئی، جس کا بیان آگے چل کر کیا جائے گا۔

افسوس کہ رائے بہادر سیٹھ آلومل ''مختصر تاریخ'' (سندھی) میں لکھتا ہے کہ ''مؤرخین نے ایک صدی تک سندھ کا احوال لکھا ہی نہیں۔'' اگر رائے بہادر موصوف تحفۃ الکرام اور فارسی میں لکھی ہوئی دیگر تاریخی کتب کا مطالعہ کرنے کی زحمت گوارہ کرتا، تو جو حالات اس نے جس انداز میں لکھے ہیں، انہیں شاید کسی دوسرے انداز میں لکھتا۔

گیارہواں طبق

کلہوڑہ گھرانے کی خودمختیار حکومت

۱۱۳۱ہجری مطابق ۱۷۱۸ء سے

تحفۃ الکرام کے بقول یہ عباسی (سندھ کے کلہوڑا حکمران) اصل میں حضور رسول اکرم ذکی اُمی صلی اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد سے ہیں۔ پہلے مکران میں رہتے تھے (بعد میں سندھ میں آئے)۔ اگرچہ تحفۃ الکرام کی تشریح کے مطابق ان کی نسب کا شجرہ بہت ہی لمبا ہے، مگر راقم الحروف اتنے لمبے شجرے کو نظر انداز کرتے ہوئے، صرف درج ذیل چند سطور لکھنے پر اکتفا کرتا ہے، جو اس گھرانے کے نامور آدمیوں اور

حکمرانوں کے احوال پر مشتمل ہیں۔

تحفتہ الکرام کے بقول داؤد، جس کی اولاد ''داؤد پوتہ'' کے نام سے مشہور ہے اور بہاولپور اور ملتان کے اردگرد والے علاقے کا حکمران ہے، اس گھرانے کا جدامجد ہے۔ اسی طرح لاشاری، جو ''جت'' کہلاتے ہیں اور اونٹ پالتے ہیں، وہ بھی ان ہی میں سے ہیں۔ مگر سندھ کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے، اور سندھ میں بھی یہی مشہور ہے کہ کلہوڑے قدیم زمانے سے سندھ کے ہی باشندے ہیں۔ میاں آدم شاہ، ولد جگن شاہ، ولد ''میاں صاحب''، ولد میاں خان، ولد میاں طاہر، ولد میاں رانجن، ولد میاں شاہ محمد عرف شاہل، ولد میاں ابراہیم، ولد میاں محمد، ولد جام چنہ، جو اس گھرانے کا مُورث اعلیٰ تھا۔ میاں آدم شاہ بڑا بزرگ اور خدا ترس تھا اور اکثر لوگ اس کے مرید تھے۔ اس بزرگ کی رہائش ''چانڈکا'' میں تھی، جو اس وقت تحصیل لاڑکانہ، نصیرآباد اور قنبر کی حدود میں شامل ہے۔ ۸۵۴ ہجری مطابق ۱۴۵۰ء میں شہرت حاصل کی۔ اس کی عمر لمبی تھی۔ بالآخر کچھ پڑوسی زمینداروں کی دشمنی کا شکار ہوگیا۔ جن کا اس کے ساتھ زمین کے معاملے پر تنازع تھا۔ بکھر کے حاکموں نے اسے گرفتار کر کے، ملتان بھیجا اور وہیں قید کی حالت میں شہید ہوگیا۔ اس کی نعش ملتان سے سندھ میں لائی گئی اور سکھر کے باہر پہاڑی (آدم شاہ کی ٹکری) پر دفن کیا گیا۔ تا حال اس بزرگ کا مقبرہ اسی پہاڑی پر جلوہ نما اور عوام کی زیارت گاہ ہے۔

میاں آدم شاہ کی وفات کے بعد اس کا فرزند میاں داؤد ثانی مسند نشیں ہوا۔ اگرچہ اس زمانے میں بہت ساری زمین کلہوڑوں کے قبضے سے نکل چکی تھی، مگر مریدوں کا اعتقاد ان میں بڑھ گیا، جس وجہ سے اصل زمین، بلکہ اس سے بھی زیادہ ان کے قبضے میں آ گئی۔ میاں داؤد نے مریدوں کی تعداد بڑھا کر طاقت حاصل کی اور اس کی زندگی میں کوئی بھی متنازع صورت حال پیدا نہیں ہوئی۔

اس کے بعد اس کا فرزند میاں الیاس اپنی موروثی مسند پر رونق افروز ہوا اور اس نے اپنی زمینداری بڑھانے اور مریدوں کی تعداد میں اضافہ کرنے کی جدہ جہد کرتے ہوئے، زندگی بسر کی۔ اس کا مقبرہ گھاڑ واہ کے کنارے پر لاڑکانہ شہر کے اُس طرف ہے [۶۶]۔ اگرچہ اس وقت زیادہ تر مسمار ہو گیا ہے۔ تاہم اس کی اولاد سے کوئی بھی نہیں بچا جو اس کے مقبرے کی مرمت کروائے۔

میاں الیاس کی وفات کے بعد اس کا بھائی میاں شاہلی عرف شاہل محمد اپنی موروثی

---

۶۶ یہ بات درست نہیں ہے۔ مقبرہ تحصیل ڈوکری میں ہے (ن۔ب)۔

مسند پر بیٹھا۔ وہ بڑا پرہیزگار تھا۔ مشہور ہے کہ ''گھاڑ واہ'' نامی ایک بڑی پر، جو لاڑکانہ شہر کے پاس سے بہتی ہے، اسے اس نے کھدوائی تھی۔ سانگی اور ابڑو قوم کے لوگوں کی بہت ساری زمین پر اس نے قبضہ کیا، جس وجہ سے میاں شاہل محمد اور ان قوموں کے درمیان مسلح لڑائی ہوئی، جس میں میاں شاہل محمد ۱۰۶۸ھ ہجری مطابق ۱۶۵۷ء میں قتل ہو گیا۔ اس کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ اس کا مقبرہ اس کے بھائی کے قریب گھاڑ واہ کی اُس طرف لاڑکانہ کے قریب ہے۔ مگر اس وقت اس کے نشان باقی ہیں ۶۷۔

اسی سال میاں نصیر محمد ولد میاں الیاس مسند نشین ہوا۔ وہ اگرچہ بظاہر فقیر تھا، لیکن بڑا دلیر تھا۔ کئی مرتبہ ''میر پنھور'' بکھر کے مغلوں اور سبئی کے پٹھانوں سے جنگ کر کے، مریدوں کے زور پر سندھ کے اکثر حصوں پر قبضہ کر لیا، جن کی تعداد اس وقت بہت تھی۔ پینتیس برس کے بعد ۱۱۰۳ھ ہجری مطابق ۱۶۹۲ء میں اس نے رحلت پائی۔ اس کا مقبرہ ''فولجی'' (پھلجی) جوہی تحصیل میں مغربی نارے کے کنارے پر واقع ہے۔

اگر قارئین کرام کو ناگوار نہ گذرے، تو راقم الحروف اس زمانے کی ایک عجیب و غریب بات یہاں بیان کرے، جو عبرت سے خالی نہیں ہے، اور یہ عجیب و غریب بات سندھ کے لوگوں میں پہلے ہی سے مشہور ہے۔

تحفۃ الکرام کے بقول ۱۰۶۷ھ اور ۱۱۰۳ھ ہجری مطابق ۱۶۵۷ء اور ۱۶۹۲ء کے درمیان سندھ کے زیریں حصے میں دو نیک طبیعت بھائی رہتے تھے، جو کاشتکاری کرتے تھے۔ بڑا بھائی عیالدار تھا اور چھوٹا بھائی کنوارہ تھا۔ خدا کے فضل سے ایک سال دونوں بھائیوں کی فصل میں ہمیشہ سے زیادہ برکت ہوئی۔ بڑے بھائی نے نیک نیتی سے کہا کہ چھوٹا بھائی غیر شادی شدہ ہے۔ اگر اس کے پاس اناج زیادہ ہوگا تو شادی کر کے گھر آباد کر لے گا، اور چھوٹے بھائی نے خیال کیا کہ بڑا بھائی اہل و عیال والا ہے۔ اگر اس کے ہاں اناج زیادہ ہوگا تو خوشحالی سے وقت گذارے گا۔ یہ باتیں سوچ کر، دونوں بھائی رات کے اندھیرے میں ایک دوسرے سے چھپ کر، اپنے اپنے اناج کے ذخیرے سے اناج لے جا کر، دوسرے کے ذخیرے میں ڈالنا شروع کیا۔ مگر اللہ کی قدرت، کہ دونوں بھائیوں کے ذخائر، اناج کے اتنے بڑے ٹیلہ بن گئے، جو دونوں کے لئے اناج لے جانا مشکل ہو گیا۔ بہرحال ان دونوں کا وقت بہت ہی آسانی سے گذرنے لگا۔ قادر مطلق کی قدرت سے اناج کے یہ ٹیلے، پتھر کے ٹیلے بن گئے، جو تا حال موجود ہیں اور جھرک شہر سے دریائے

سندھ کے اس پار نظر آتے ہیں اور ''بدھکی ٹکری'' کے نام سے مشہور ہیں۔ بات بہت پرانی ہے، لیکن نیک نیتی کا تقاضا یہ ہے کہ حدیث نبوی ''انما الاعمال بالنیات'' کے مصداق اس کا ثمر اتنا ہی میٹھا ہونا چاہئے۔

میاں نصیر محمد کی وفات کے بعد اس کے بڑے فرزند میاں دین محمد اسی سال اپنے موروثی مسند پر بیٹھا۔ کلہوڑوں کے قبضے میں سندھ کے جو حصے تھے، ان میں ہر وقت اضافہ ہوتا رہتا تھا۔ مگر میاں دین محمد کے زمانے میں، جس نے مریدوں کے زور اور جھگڑے کی طاقت سے پنھور اور داؤد پوتوں پر فتح حاصل کی تھی، اگرچہ ان کے ہاتھوں میں حکومت بھی تھی، فوج بھی اور قلعے بھی۔ تاہم نتیجہ یہ نکلا، کہ سندھ کا بڑا حصہ میاں دین محمد کے قبضے اور زیر اقتدار آ گیا، اور لکھی پر قبضہ کرنے کے بعد، داؤد پوتہ کی شکار گاہ پر بھی قبضہ کیا اور اسے آباد کرکے اس کا نام ''شکارپور'' رکھا۔ شکارپور کی تعمیر ۱۰۲۶ھ ہجری میں ہوئی تھی، جو ۱۶۱۷ء کے مطابق ہے اور اس کی تعمیر کا سال ''غوک'' کے لفظ سے حاصل ہوتا ہے، جس کے اعداد ۱۰۲۶، ہیں۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ سندھ کی سرحد پر قلات کے حکمرانوں کے جو قلعے تھے، وہ بھی ان سے چھین کر اس نے اپنے تصرف میں لے لئے۔ بالآخر بہت ہی فتوحات اور کئی ممالک پر قبضہ کرنے کے بعد، مشیت ایزدی کے مطابق ۱۱۱۱ھ ہجری مطابق ۱۷۰۰، یا ۱۷۰۱ء میں وفات پا گیا۔

میاں دین محمد کا بھائی میاں یار محمد اسی سال عزت، عظمت اور حکومت کی موروثی مسند پر جلوہ افروز ہوا، اگرچہ اسے مسند نشینی کے شروع میں اتنی طاقت نہیں تھی، بلکہ اصلی مملکت کے چند حصے بھی اس کے قبضے سے نکل گئے، مگر دو برسوں کے بعد بروہی اور تالپور سرداروں کی مدد سے، اور ''راجو لیکھے'' کی بیعت اور دیگر مریدوں کی ہمت سے کھوئے ہوئے حصوں پر دوبارہ قبضہ کر لیا اور اپنی طاقت اور لڑائی سے اپنے علاقے سے زیادہ حصے بھی اپنے تصرف میں لے لئے۔ ''خدا آباد'' کے نام سے ایک شہر اس نے تعمیر کروایا، جس کے آثار دادو میں ابھی تک موجود ہیں۔ خدا آباد میں ایک جامع مسجد بھی بنوائی، جو دیس بدیس مشہور ہے اور وہاں ایک چھوٹا ریلوے اسٹیشن بھی ہے۔ بالآخر بہت بڑی اور زیادہ فتوحات کی وجہ سے اسے دہلی کے بادشاہ فرخ سیر کی طرف سے ''خدا یار خان'' کا خطاب عطا ہوا۔ ۱۱۳۱ھ ہجری مطابق ۱۷۱۸ء میں انتقال کر گیا۔ اس کی تربت خدا آباد میں ہے۔

اس تاریخ کے قاری یہ سوال پوچھنا چاہیں گے کہ ''کیا، راجو لیکھی اتنا طاقتور تھا، جو

میاں یار محمد نے اس کی بیعت لیتے ہی اتنا زور پکڑ لیا، جو وہ اپنے ملک کے کھوئے ہوئے حصے دوبارہ حاصل کرنے میں کامیات ہوگیا؟'' میں قارئین کرام کی معلومات کے لئے واضح کرنا چاہتا ہوں کہ اس زمانے میں یہ قوم واقعی اتنی طاقتور اور عزتدار تھی۔ ''راجو دیرو''، جو ''پٹ گل محمد لغاری'' اور ''نئی گاج'' کے قریب ہے، وہ اسی قوم کا آباد کردہ ہے، اور ''تاجپور''، جو ٹمیاری کے قریب ہے، راجو لیکھی کے فرزند ''تاجے لیکھی'' کی آباد کردہ ہے۔ فی زمانہ نوشہرو فیروز تحصیل میں اس گھرانے سے ''بلاول لیکھی'' اول درجہ کا جاگیردار ہے، مگر اس کی آمدنی معمولی ہے۔ خدا کی قدرت، یہ گھرانہ کتنی طاقت رکھتا تھا اور اب کتنا کمزور ہوگیا ہے!

میاں یار محمد کا دوسرا نمبر فرزند میاں نور محمد اسی سال اپنے والد کا جانشیں ہوا۔ اس تاریخ کے قاری کو اچھی طرح معلوم ہو جائے گا کہ عباسی خاندان یعنی کلہوڑا گھرانہ میاں آدم شاہ سے لے کر میاں یار محمد تک پیری مریدی کے سلسلے کی وجہ سے مشہور تھا۔ اگرچہ میاں یار محمد اپنے آخری زمانے میں اپنی ہمت سے سندھ کے اکثر حصوں پر قبضہ کر کے، دہلی کے بادشاہ کی طرف سے ''خدا یار خان'' کے خطاب سے سرفراز ہوا تھا، اور یوں پیروں کے سلسلے سے نکل کر، حاکموں کی قطار میں شمار ہونے لگا تھا۔ مگر اکثر مؤرخین کلہوڑا گھرانے کی حکومت کی ابتدا میاں یار محمد کے فرزند میاں نور محمد سے شمار کرتے ہیں، اور راقم الحروف بھی ان ہی کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے، اس خیال کا اظہار کرتا ہے، کہ میاں نور محمد نے اپنے والد کی بہ نسبت زیادہ ملک قبضے کئے تھے۔ اگرچہ اس کے زمانے میں بھی کئی نامور سردار سندھ کے کچھ حصوں پر حکمران تھے، لیکن مہر قوم کا سردار، داؤد پوتے اور پنھور، جو خود مختار حاکم ہونے کا دم بھرتے تھے، وہ میاں نور محمد کے زمانے میں تھوڑے سے وقت کے اندر نیست و نابود ہو گئے۔ علاوہ ازیں ۱۱۵۱ہجری مطابق ۱۷۳۹ء میں دہلی کے بادشاہ کی مرضی سے سندھ کے کئی حصے ٹھٹہ کے والی نواب صادق علی خان سے ٹھیکہ کے طور پر اس نے حاصل کئے، اور ۱۱۵۲ہجری مطابق ۱۷۳۹ء میں قلات کے میر عبداللہ بروہی پر فتحیاب ہونے کے سبب (بادشاہ کی طرف سے) اُس نے ''خدا یار خان'' کا خطاب حاصل کیا اور ''صوبہ داری'' کے منصب پر فائز ہوئے۔ یعنی مکمل اختیار اور اقتدار سے سندھ کا حاکم بنا۔ ملتان کے زیریں حصے سے لے کر سمندر، کچھ بھج، ریگستان اور کوہستان وغیرہ اس کے قبضے میں تھے۔ حتیٰ کہ نادرشاہ افغانستان اور ایران کا بادشاہ کچھ عجیب و غریب اور گوناگون وجوہات کے باعث، جیسا کہ حافظ شیرازی نے کہا ہے کہ ''رموز مملکت خویش خسروان دانند'' (یعنی بادشاہ اپنی

بادشاہی کے رموز خود ہی جانتے ہیں) ۱۱۵۲ہجری مطابق ۱۷۳۹ء میں ہندستان پر آسمانی آفت کی طرح ٹوٹ پڑا۔

اے مؤلف! اب جب کہ تو نے بادشاہ کو آسمانی آفت کہا ہے، تو بہتر ہوگا کہ تو اس کی وضاحت بھی کرے، تاکہ قارئین کرام کو معلوم ہو سکے کہ ایسے سخت الفاظ تحریر کرنے کی وجہ کیا ہے؟ ہاں، قارئین درج ذیل احوال سے، مادہ تاریخ سے اور (خود نادرشاہ کے) سجع سے اس کی وجہ خودبخود جان لیں گے۔سندھ میں نادر شاہ کی آمد کا سال اس مصرع سے نکلتا ہے: ''یاد باد زمانی کہ قیامت است'' ۶۸ اور اس کی سجع پر غور کیا جائے:

نادرم در ملک ایران، قادرم بر ہر دیار،
لافتیٰ الا علی، لا سیف الا ذوالفقار۔

[ایران میں نادر کے نام سے مشہور ہوں اور دنیا کے ہر ایک ملک پر قادر ہوں۔ حضرت علی کے علاوہ دنیا میں کوئی بھی پہلوان جوان نہیں ہے اور ذوالفقار کے علاوہ اور کوئی بھی تلوار نہیں ہے]۔

(نادرشاہ کی آمد کے باعث) ہندوستان، خواہ سندھ میں اتنا شور شرابا، خوف و ہراس، بدانتظامی اور بے مروتی پیدا ہوئی، جو کسی اگلے یا پچھلے بادشاہ کے زمانے میں نہیں ہوئی تھی۔ سندھ میں تو ابھی تک یہ حال ہے کہ کوئی بھی آدمی کسی خوف و ہراس میں مبتلا ہوتا ہے تو اسے کہتے ہیں کہ ''اتنا ڈرتا کیوں ہے، نادر تیرا پیچھا کر رہا ہے کیا؟'' یا کسی کو کوئی سخت حکم دیا جاتا ہے تو اسے ''نادری حکم'' کہتے ہیں۔

قصہ مختصر، نادرشاہ، پہلے دہلی پہنچا اور محمد شاہ بادشاہ سے معمولی لڑائی لڑکر، اس پر غالب آ گیا، جو بڑا عیاش اور حکومت کے کاروبار سے بے خبر تھا۔ اس کے بعد انہوں نے آپس میں صلح کی۔ کچھ مؤرخین کے بقول جب ایک دوسرے سے ملے تو آپس میں پگڑیوں کا تبادلہ کر کے، بھائی بندی کا انہوں نے عہد کیا۔محمد شاہ نے اپنا تاج نادرشاہ کو دیا، جس کی قیمت کئی لاکھ روپے تھی اور جس میں نہایت ہی قیمتی ہیرے جواہر جڑے ہوئے تھے۔ نادرشاہ نے اپنی کشمیری شال محمد شاہ کو دی، جس کی قیمت شاید سو روپے بمشکل ہوگی۔ نادرشاہ نے اس ''دینی بھائی بندی'' میں بھی

۶۸۔ یہ ناموزوں مصرع ہے اور نہ صحیح اور فصیح نثر، بلکہ ایک مہمل اور لغو فقرہ ہے، اور اس کے اعداد بھی ۱۱۵۲ نہیں، بلکہ ۱۱۶۷ ہیں۔ (ن۔ب)۔

حکمت عملی دکھائی۔ دہلی میں فتح اور کامرانی کے بعد وہ سندھ میں آیا۔ لاڑکانہ میں اس نے قیام کیا۔ سندھ کا حکمران میاں نور محمد کلہوڑو نادری تاب برداشت نہ کر سکا اور بھاگ کر عمرکوٹ میں چھپا۔ نادرشاہ نے پہلے اپنے ہاتھ سے اسے یہ درج ذیل حکم لکھ بھیجا:

اے مور کمزور ساکن زمین شور چون گور، بلند بینی
بگزار و خودی و خود پسندی از خود دور دار۔ باید و
شاید کہ قمری وار طوق اطاعت در گردن انداختہ،
حاضر بشوی، ورنہ بہ سُمِ سمند میدان آہن شکن
پائمال خواہی شد۔

[اے کمزور چیونٹی اور اے تھور والی زمین کے
باشندے، جو قبر کی طرح تنگ ہے، اوپر نگاہ کرنا
اور خود کو کچھ سمجھنا چھوڑ دے۔ بہتر ہوگا کہ قمری
کی طرح فرمان برداری کا طوق اپنی گردن میں
ڈال کر حاضر ہو جا۔ ورنہ میدان جنگ گھوڑے
کے سموں تلے، جو فولاد کو بھی توڑ دیتے ہیں، تو
کچلا جائے گا]۔

جب میاں نور محمد مذکورہ حکم سے حاضر نہیں ہوا، تب نادر شاہ تن تنہا فقط ایک رہنما کو ساتھ لے کر جس کے پاس، ایک تیز رفتار گھوڑا تھا، اپنے نہایت ہی تیز رفتار گھوڑے پر چڑھ کر، لاڑکانہ سے نکلا اور عمرکوٹ کا راستہ لیا۔ کہا جاتا ہے کہ نادر شاہ کا گھوڑا ایک دن-رات میں دو سو میل فاصلہ طے کر لیتا تھا۔ بالآخر ایک دن-رات میں عمرکوٹ کے قریب پہنچے، اور وہاں نادر شاہ کا گھوڑا ہنہنایا اور پیشاب بھی کیا۔ نادر شاہ نے رہنما سے کہا کہ میرا گھوڑا دو سو میل فاصلہ طے کر چکا ہے۔ اس کا ہنہنانا اور پیشاب کرنا اس کی علامت ہے۔ رہنما نے گذارش کی کہ تھوڑی دیر رکنا چاہئے۔ جب سورج طلوع ہوگا تو قلعہ نظر آنے لگے گا۔ مطلب یہ کہ سورج طلوع ہوتے ہی وہ عمر کوٹ میں داخل ہوئے، اسی اثنا میں نادر شاہ کا فاتح لشکر بھی وہاں پہنچ گیا۔ نادرشاہ نے، میاں نور محمد سے ایک کروڑ روپے جرمانہ لیا اور اس کے دو بیٹے میاں محمد مرادیاب خان اور غلام شاہ خان کو یرغمال بنا کر اپنے پاس رکھا۔ اس کے بعد وہ لاڑکانہ کو لوٹا، اور ایران واپس جاتے ہوئے میاں نور محمد کے ذمے سالانہ بیس لاکھ روپے شاہی نذرانہ مقرر کیا۔ اور اسے ''شاہ قلی خان''

(شاہی غلام) کا خطاب دیا۔ بکھر قلعہ کی اصل صورت تبدیل کر کے، اور اس میں ایک نواب کو مقرر کیا (پانچویں دفعہ تھی، کہ بکھر کے قلعہ میں تبدیلی کرائی گئی تھی) بکھر کے قلعہ اور دریائے سندھ کے مشرق میں بکھر والے علاقے کو سندھ سے الگ کر کے اور میاں نور محمد کے قبضے سے نکال کر، افغانستان اور ایران کی مملکت سے ملحق کر دیا۔ اس زمانے سے لے کر اس صوبہ کو ''موغلی'' کہا جاتا ہے، اور شکارپور شہر اور اس کے ارد گرد کے علاقہ کو سبی اور داؤد پوتہ کے سرکردہ لوگوں کو، باروزئی افغانوں کے سپرد کر کے، دوسرے سال افغانستان لوٹ گیا، اور جاتے وقت درج ذیل سجع کو اپنی پہلی اور اصلی سجع سے شامل کیا:

سکہ زد بر ہند و سند و طبلہ زد بر روم و شام،
ثانی سلطان سکندر، شاہ نادر ذوالکرام۔

[نادر شاہ نے جو سلطان سکندر کا ثانی اور عزت و
عظمت والا بادشاہ ہے، ہند و سندھ میں اپنا سکہ
چلایا اور روم و شام میں اپنا ڈنکہ بجایا]۔

نادر شاہ جب لوٹ گیا، تو سندھ کے باشندے کہنے لگے کہ ''رسیدہ بود بلائے ولی بخیر گذشت'' (یعنی ایک مصیبت آ کر گری تھی، لیکن خیر سے ٹل گئی)۔ امید ہے یہ احوال معلوم کر لینے کے بعد، راقم الحروف پر ''آسمانی آفت'' کا فقرہ لکھنے پر حرف نہیں آئے گا۔

بالآخر اس طرح کی بے واجبی کارگذاریوں بعد جمادی الآخر ۱۱۶۰ ہجری میں اپنے سالے ''علی'' افشار کے ہاتھوں خراساں میں قتل ہو گیا۔ اکثر مؤرخین نے لکھا ہے کہ اس کے قتل کا واقعہ کابل شہر میں ہوا تھا۔ لیکن تاریخ احمدی کے مؤلف سر جان مالکم نے لکھا ہے کہ کابل کے قریب ''فتح آباد'' میں قتل ہوا تھا۔ اس زمانے کے شعراء نے اس کے قتل کی تاریخ بڑے اچھے انداز میں کہی ہے ''رخت بست از تخت ہستی شہر یار'' اور ''جن خراب شد''۔ دونوں میں سے ابجد کے حساب سے ۱۱۵۹ ہجری اور ۱۱۶۰ ہجری کا سال حاصل ہوتا ہے، جو ۱۷۴۷ء اور ۱۷۴۸ء کے مطابق ہے [۶۹]۔

نادر شاہ کے قتل کے بعد اسی سال ''احمد خان ابدالی'' جس نے خود کو بعد میں ''احمد شاہ درانی'' کہلوایا، افغانستان کے تخت پر فائز ہوا۔ پہلے ذکر ہو چکا کہ نادر شاہ دریائے سندھ کے

۶۹۔ پہلا تاریخی مادہ بلکل غلط ہے۔ اس کے اعداد ۱۲۶۱ ہیں، نہیں کہ ۱۱۶۰ (ن۔ب)۔

بائیں کنارے والے علاقے سندھ سے الگ کر کے اور بکھر قلعہ کو نئے سرے سے بنوا کر، اس پر اپنی طرف سے ایک نواب مقرر کر کے اور خود افغانستان چلا گیا۔ اس لئے بہتر ہے کہ جس طرح پہلے ہندوستان کے بادشاہوں کی طرف سے بکھر اور ٹھٹہ کے لئے مقرر کئے ہوئے حاکموں اور نوابوں کا احوال بیان کیا گیا ہے، اسی طرح بکھر کے علاقے کے لئے خراسان کے بادشاہوں کی طرف سے بھیجے ہوئے نوابوں کا تفصیلی احوال بھی لکھا جائے۔

ان نوابوں، ناظموں، حاکموں، قلعیداروں اور صوبیداروں کا تفصیل، جو وقت بوقت خراسان کے بادشاہوں کی طرف سے بکھر کے علاقے کے لئے مقرر کر کے بھیجے گئے۔

پہلا نواب سعادت خان، دوسرا نواب منصور خان، تیسرا نواب مقصود خان (اس نواب سے متعلق مشہور ہے کہ ایک دن کسی مسجد کا پیش امام اس کے پاس آیا۔ نواب نے اس سے پوچھا تیرا نام کیا ہے؟ پیش امام نے بتایا کہ ''آخوند ملا محمد معروف''۔ نواب کو غصہ آ گیا، اور اس سے کہنے لگا کہ تو مسجد کا ملا ہے اور نام اتنا لمبا رکھا ہے۔ میں، جو بکھر کے قلعے اور اس کے اردگرد کے سارے علاقے کا نواب ہوں، فقط ''مقصود خان'' کہلواتا ہوں۔

اس کے بعد (چوتھا) نواب ذوالفقار علی خان اور پھر (پانچواں) نواب غلام صدیق خان آیا، جس نے بکھر کے قلعے کی آخری تعمیر کروائی (جو چھٹی تعمیر تھی) جیسا کہ درج ذیل نظم (قطعہ) سے ظاہر ہے کہ:

در زمان شاہ عالم دین پناہ،
خسرو عالم ز ماہی تا بماہ۔

خاکپایش فخر اورنگ بریں،
اوج فرقش رتبۂ تاج و کلاہ۔

میکند گلشن گیاہ خشک را،
لالۂ در شورہ روید از نگاہ۔

آتش از دریا بر آرد تیغ او،
ہر کجا انگیختہ طوفان سپاہ۔

شاہ تیمور آنکہ با لطف خدا،
باد دائم بر سرش ظل الٰہ۔

ساختہ از سر بندۂ صدیق خان،
قلعۂ بکھر بحکم بادشاہ۔

چون بخواہی سال تاریخش صفا،
گو ''برزیبد قلعۂ تیمور شاہ''۔
۱۱۹۲

[☆ دنیا کے بادشاہ، دین کی پناہ گاہ کے زمانے میں، جو مچھلی سے لے کر چاند تک (یعنی زمین سے لے کر آسمان تک) ساری کائنات کا بادشاہ ہے۔
☆ جس کے پاؤں کی دھول ایک بلند ترین تخت کے لئے فخر کا باعث ہے، جس کے سر کی بلندی (عظمت) شاہانہ تاج کے لئے عزت کا سبب ہے۔
☆ جو سوکھی ہوئی گھاس کو سرسبز باغ میں تبدیل کرتا ہے اور جس کے نظر سے تھور والی زمین میں گل لالہ پیدا ہوتے ہیں۔
☆ اس کا لشکر کہیں جا کر طوفان برپا کرتا ہے، تو اس کی تلوار دریا سے بھی آگ کے شعلے نکال کے رکھ دیتی ہے۔
☆ وہ بادشاہ تیمور ہے، جس کے سر پر ہمیشہ خدا کا سایہ رہے۔
☆ اس بندہ صدیق خان نے (اسی) بادشاہ کے حکم سے قلعہ از سرِنو تعمیر کروایا ہے۔
☆ اگر تمہیں اس کی تعمیر کا سال معلوم کرنا ہے، تو کہہ ''برزیبد قلعہ تیمور شاہ'' (تیمور شاہ کا قلعہ بہت جچتا ہے]۔

اس قطعہ کے آخری مصرع سے ابجد کے حساب سے ۱۱۹۲ ہجری کا سال حاصل ہوتا ہے، جو ۱۷۷۸ء کے مطابق ہے۔

اس کے بعد (چھٹا) نواب صادق محمد خان (ساتواں) نواب غلام خان (آٹھواں) نواب موسیٰ خان (نواں) نواب عطائی خان اور (دسواں) نواب مولا داد خان آیا۔ (اس نواب کا فرزند، جس کا نام دلاور خان تھا، گوسرجی تحصیل سکھر میں پٹواری تھا اور راقم الحروف نے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اس کا دوسرا فرزند سمندر خان میرا داماد تھا، جو اب وفات پا چکا ہے۔ اس کے دو فرزند غلام رسول خان اور غلام سرور خان تا حال اس کی یادگار ہیں)۔ اس کے بعد (گیارہواں) نواب مدد خان وغیرہ آیا۔ اس گیارہویں نمبر نواب کو راقم الحروف نے خود شکارپور میں دیکھا تھا، جب وہ بہت ہی ضعیف ہو گیا تھا۔ بڑا متقی، زاہد اور پرہیزگار تھا۔ اس کی وفات کے بعد اس کا فرزند محمد عمر اس کی یادگار ہے۔

قارئین کرام کو یہ بات اچھی نہیں لگے گی، کہ ہندوستان کے بادشاہوں کی طرف سے آئے ہوئے نوابوں کا احوال تو تفصیل سے لکھا گیا، مگر خراسان کے بادشاہوں کی طرف سے آئے ہوئے نوابوں کی نام درج کرنے کے علاوہ کوئی بھی تفصیلی احوال بیان نہیں کیا گیا۔ انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ہندوستان کے بادشاہوں کے زمانے کے نواب زیادہ تر پانچ ہزاری، چار ہزاری اور کچھ کم و بیش مناصب کے مالک ہوا کرتے تھے۔ انہیں بڑے اختیارات حاصل ہوا کرتے تھے۔ حکومت پر، فوج پر، مالی معاملات پر اور فوجداری امور پر۔ مگر ان کے برعکس خراسان کے بادشاہوں کے بھیجے ہوئے نواب برائے نام ہوا کرتے تھے۔ یعنی قلعدار اور فوجدار۔ اس لئے ان کے حالات تفصیل سے بیان کرنا ضروری نہیں سمجھا گیا۔

جیسا کہ نادر شاہ کی بادشاہی کا دور گذر چکا ہے، اور اب احمد شاہ درانی کا دور آ رہا ہے، اور راقم الحروف بھی افغان قوم میں سے ہے، اس لئے بہتر ہے کہ افغان قوم کی ذاتوں کا مختصر احوال درج کیا جائے، تا کہ قارئین کو آگاہی حاصل ہو۔

تاریخ احمدی خواہ دیگر معتبر تواریخ کے مطابق قیس عرف عبدالرشید، جسے خالد بن ولید کہا جاتا ہے، در اصل بنی اسرائیل سے تھا، جس کا نسب حضرت یوسف علیہ السلام کے حقیقی بھائی ''ابنا یامین'' سے جا ملتا ہے۔ عبرانی زبان میں ابنا یامین ایک ایسے بچے کو کہا جاتا ہے، جس کی پرورش ماں نے نہ کی ہو۔ قیس (خالد بن ولید) پیغمبر آخر زمان کے وقت میں اسلام کی سعادت سے مشرف ہوا۔ اس کے تین بیٹے تھے سرین، مہبین اور غرغشت۔ سرین کے دو بیٹے تھے ایک شرف الدین عرف ''شیر حیوان'' اور دوسرا خیرالدین عرف ''خیر شبون''۔ شرف الدین کے پانچ

بیٹے ہوئے شیرانی، ترین، بھرتج، میانہ، اور اُوتر۔ ترین سے ابدال پیدا ہوا۔ افغان اور ترین اُسے اپنا بڑا سمجھتے تھے۔ اگرچہ اس کا نام کوئی اور تھا، مگر مشہور ابدال کے نام سے ہوا۔ ابدال کے دو بیٹے تھے زیرک اور پنج باء۔ زیرک سے پوپل، الکو اور بارک ہوئے۔ پوپل سے اسماعیل، حسن، بالی، غضب اور قلندر پیدا ہوئے۔ بالی کے پانچ بیٹے تھے: صدو، صالح، علی جان، رتک اور ادرک۔ صدو کے دو بیٹے تھے: ایک خواجہ خضر، جو احمد خان کا دادا تھا۔ بعد میں احمد خان بادشاہ بنا۔ احمد خان کے نسب کی باقی تفصیل موقع آنے پر لکھی جائے گی۔ راقم الحروف ترین قوم سے ہے۔ مطلب یہ کہ احمد خان کا والد محمد زمان خان اپنے چھوٹے بیٹے کے ساتھ ملتان سے ہرات اور قندھار پہنچا اور وہاں ابدالی قوم کا سردار بنا۔ اتفاقاً احمد خان، نادرشاہ کی خدمت سے شرف یاب ہوا۔ احمد خان نے نادرشاہ کی بڑی خدمت کی اور اُسے اچھے اچھے مشورے دئے۔ وہ ہمیشہ بادشاہ کے حضور میں رہتا تھا۔ بادشاہ اس سے بہت راضی تھا۔ دربار میں درباری امراء اور مصاحب کی موجودگی میں کہتا تھا کہ میں نے ایران، توران اور ہندوستان میں احمد شاہ ابدالی جیسا اچھی سیرت اور اچھے خصائل والا انسان نہیں دیکھا۔ بادشاہ اسے خود سے دور نہ ہونے دیتا۔

ایک دن نادرشاہ سونے کی کرسی پر بیٹھا تھا اور احمد خان تھوڑا سا دور باادب کھڑا تھا۔ نادرشاہ نے اسے حکم دیا کہ ''احمد، نزدیک آؤ۔'' احمد خان تھوڑا سا آگے بڑھا۔ نادرشاہ نے اسے پھر کہا کہ ''اور، نزدیک آؤ۔'' جب احمد خان اس کے قریب گیا، تو نادرشاہ نے اسے کہا کہ ''میرے بعد بادشاہ تو بنے گا۔ میری اولاد سے اچھی طرح پیش آنا۔'' احمد خان نے اس سے عرض کیا کہ ''قربان جاؤں، اگر حضور والا، غلام کو قتل کرنا چاہتے ہیں تو غلام حاضر ہے۔ باقی اس سلسلے میں کچھ بھی کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' نادرشاہ نے اسے پھر کہا کہ ''مجھے یقین ہے کہ میرے بعد تو ہی بادشاہ بنے گا۔ میری اولاد سے اچھا سلوک کرنا اور میرے حقوق بجا لانا۔'' بالآخر ایسا ہی ہوا۔ اس پیشگوئی کو نادرشاہ کی کرامت سمجھنا چاہئے۔ ویسے بھی ''کلام الملوک، ملوک الکلام'' (بادشاہ کا سخن، سخنوں کا بادشاہ) ہوتا ہے۔ اس لئے احمد خان نے نادرشاہ کی وصیت کو اپنے دل پر نقش کئے رکھا، اور بادشاہ بننے کے بعد اس کی اولاد کی عزت، احترام اور خاطر تواضع میں اپنے طرف سے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ مشہد مقدس، شاہ رخ مرزا ولد رضاقلی مرزا ولد نادرشاہ کے اختیار میں دے دیا۔ شاہ رخ مرزا فاطمہ سلطان بیگم بنت سلطان حسن صفوی سے تھا اور احمد شاہ خود اس کا معاون اور مددگار رہتا تھا۔ احمد شاہ کا سعادت مند فرزند تیمورشاہ بھی اپنے والد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے، اُسی عہد پر قائم رہا۔

تاریخ احمدی میں ایک عجیب وغریب بات درج ہے، جو یہاں لکھی جاتی ہے۔ احمد شاہ کے بادشاہ بننے سے پہلے صابر شاہ نامی ایک درویش، نادرشاہ کے لشکر میں آیا۔ پرانے کپڑے کے ٹکڑوں سے چھوٹے چھوٹے شامیانے بنا کر زمین میں گاڑ دیتا تھا اور ازرمٹی سے چھوٹے چھوٹے گھوڑے بنا کر شامیانے کے سامنے باندھ دیتا تھا۔ یوں بچوں کی طرح سارا دن کھیلتا رہتا تھا۔ جب احمد خان (یا احمد شاہ) نادرشاہ کو سلام کرنے کے لئے وہاں سے گذرتا تھا، تو درویش کو سلام کرتا ہوا جاتا تھا۔ درویش اسے کہتا تھا کہ ''احمد خان! میں تجھے بادشاہ بنانے کی تیاری میں لگا ہوا ہوں''۔ احمد خان کو درویش کی اس بات پر یقین تھا۔ جس دن نادرشاہ قتل ہوا۔ اسی دن احمد خان درویش کو اپنے ساتھ لے کر لشکر میں پھیلتی ہوئی افراتفری، پکڑ دھکڑ اور خونریزی سے بچ کر، قندھار روانہ ہو گیا۔ جب نادرشاہ کے لشکر سے ایک دو منزلیں دور چلا گیا، تب درویش نے احمد خان سے کہا کہ ''اب تو بادشاہ بن''۔ احمد خان نے اس سے کہا کہ ''حضرت! مجھ میں نہ بادشاہی لیاقت ہے اور نہ شاہانہ ساز و سامان۔'' درویش نے گیلی مٹی سے تخت بنا کر، احمد خان کو اس پر بٹھایا اور اس سے کہا کہ ''یہ تیرا تخت ہے''، اور ہری گھاس لے کر اس کے سر پر رکھ کر کہا کہ ''یہ تیرا تاج ہے اور تو درانی بادشاہ ہے''۔ احمد شاہ نے اسی دن سے اپنی قوم کو ''درانی'' کے نام سے مشہور کیا، جو اصل ''دورانی'' ہے، اور خود کو ''احمد شاہ درانی'' کے نام سے موسوم کیا۔ مطلب یہ کہ ظاہر میں درویش کی دعا سے، جو ''اولیا اطفال حق اند'' کی مصداق تھا، اور درحقیقت ''تو تی الملک من تشاء و تنزع الملک ممن تشاء'' کے امر سے ہر طبقہ کے لوگوں نے اس کی طرف رجوع کیا، جن میں اعلیٰ اور ادنیٰ بھی تھے اور جوان اور بوڑھے بھی۔ احمد شاہ قندھار میں شاہی تخت پر جلوہ افروز ہوا۔ یہی سبب ہے کہ قندھار کے پرانے شہر کو ''احمد شاہی'' کہا جاتا ہے۔

لگتا ہے کہ نادرشاہ کے انتقال کے بعد میاں نور محمد کلہوڑو نے اپنی حکومت کو مستحکم کیا اور نادرشاہ کی طرف سے مقرر کردہ نذرانے کی ادائیگی میں دیر کرنے لگا۔ اگرچہ نئے بادشاہ نے اسے ''شاہ نواز خانی'' کے خطاب سے نوازا تھا اور حکومت کی باگ بھی اصلی قول وقرار کے مطابق اس کے ہاتھ میں دے دی تھی۔ بالآخر ایک مرتبہ صاحبِ اقتدار بادشاہ احمد شاہ اپنی سلطنت کی حدود کے ملاحظہ خاطر، جو کہتے ہیں کہ ''رموز مملکت خویش خسروان دانند''، اچانک سندھ میں آ کر وارد ہوا، اور سکھر سے براستہ پل، جو اُسی وقت تیار کیا گیا تھا، روہڑی میں جا کر منزل انداز ہوا۔ کچھ شعراء نے سندھ میں اس کی آمد اور دریا کا پل عبور کرنے پر کہا کہ (۱) ''نفخ فی الصور'' اور (۲) ''دو طوفان اعظم''۔ ہر ایک فقرہ سے ہجری سال ۱۱۶۷ حاصل ہوتا ہے، جو عیسوی سال

۵۴-۱۷۵۳ء مطابق ہے ۶۹۔ اگر کوئی قاری پوچھے کہ "دو طوفان اعظم" کا کیا مطلب ہے؟ تو میں اسے یہ جواب دوں گا کہ (۱) بادشاہ کا اچانک آنا اور دریا پر پل باندھنا ایک طوفان ہے اور (۲) میاں نور محمد کلہوڑو کا بھاگنا اور اس کی وفات دوسرا طوفان ہے۔

جب بادشاہ نے روہڑی کے قریب ایک ویران میدان کو اپنی قیام گاہ بنانے کا شرف بخشا، تو میاں نور محمد کلہوڑو نے سورج کی تاب سے سایہ میں پناہ لینے کے لئے بھاگ جانے کے سوا کوئی دوسرا چارہ نہیں دیکھا اور جیسلمیر کے راستے میں حقیقی شہنشاہ کے حکم سے عالم جاودانی کی طرف راہ لی۔ اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت کرے!

اسی سال (۱۱۶۷ہجری میں) میاں نور محمد کا فرزند میاں محمد مرادیاب خان اپنی موروثی مسند پر بیٹھا، اور احمد شاہ بادشاہ گذشتہ برسوں کا بقایا سارا شاہی نذرانہ وصول کرنے اور پہلے سے زیادہ سالانہ نذرانہ مقرر کرنے کے بعد اسے "سر بلند خانی" کے خطاب سے نوازا، اور حکومت کی سند اسے عطا کر کے، اس کے بھائی محمد عطر خان کو یرغمال بنا کر اپنے ساتھ لے گیا۔

راقم الحروف ضروری سمجھتا ہے کہ اس بادشاہ عالم پناہ کی کچھ تعریف کرے۔ اگر چہ اس کی مختصر تعریف اوپر کی جا چکی ہے۔ اس کا سکہ جو ملک میں رائج تھا، وہ اس طرح تھا:

حکم شد از قادر بی چون به احمد شاہ،
سکہ زد بر سیم و زن از موج ماہی تا بماہ۔

اور اس کی سجعیں (مہریں) اس طرح تھیں:

(۱) اللہ الحکم یا ہو احمد شاہ دور درانی یا فتاح۔
(یہ سجع مور کی صورت میں منقوش تھی)۔

(۲) زمین لرزد، زمان خیزد، کشد چون تیغ احمد شاہ۔

مطلب یہ کہ بادشاہ کی تشریف لے جانے کے بعد محمد مراد یاب خان ملقب بہ سربلند خان نے ہر قسم کے اندیشوں سے بے فکر ہو کر، "خدا آباد" نامی ایک شہر کی بنیاد ڈالی اور اسے اپنا دار الحکومت مقرر کیا، جو اس وقت ہالا شہر کے قریب شمالی کونے میں ایک ویرانہ ہے۔ وہاں کلہوڑوں اور تالپوروں کے مقبرے ہیں اور دیگر لوگوں کی قبریں بھی، محمد مرادیاب خان "سربلند خان" کے لقب ملنے کی وجہ سے خود کو اتنا سر بلند سمجھنے لگا، کہ اعلیٰ اور ادنیٰ پر اس نے ظلم کرنا شروع

۶۹۔ اس فقرہ (جو قرآن مجید کی ایک آیت کا حصہ ہے) کے اعداد ۱۲۲۷ ہیں، نہیں کہ ۱۱۶۷۔ اگر "ونفخ" پڑھا جائے گا، جیسا کہ اصل آیت میں ہے، تو اس کے عدد ۱۱۵۳ ہوں گے۔ دوسرے فقرہ کے اعداد درست ہیں۔ (ن-ب)۔

کر دیے، جس وجہ سے عام و خاص اس سے بیزار ہو گئے اور اسے قید کر لیا۔ کسی شاعر نے اس واقعہ سے متعلق ایک عجیب قطعہ کہا ہے، جس سے محمد مراد یاب خان کے قید ہونے کا سال حاصل ہوتا ہے:

بہ بین کار بد قوم با پیر خویش،
کہ کردند با پیر مرشد مراد۔

چو پرسیدم از ہاتفی سن بگفت،
سرایان فراموش نمک آن نہاد۔

آخری مصرعہ سے ابجد کے حساب سے ہجری سال ۱۱۷۰ حاصل ہوتا ہے، جو عیسوی سال ۱۷۵۷ء کے مطابق ہے •ے۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ محمد مراد یاب خان قید کی حالت میں ہی فوت ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

محمد مرادیاب خان کی وفات کے بعد اس کا پانچواں نمبر بھائی میاں غلام شاہ اسی سال (۱۱۷۰ ہجری میں) اپنی لیاقت اور عام و خاص لوگوں کی کوشش سے، بلکہ اللہ کے حکم سے حکمرانی کی مسند پر رونق افروز ہوا۔ اس موقعہ پر ایک عجیب کہاوت، جو سرائکی زبان میں ہے اور آج تک مشہور ہے، یاد آ رہی ہے اور بے زبان قلم اس کے لکھنے کی جرات کرتا ہے، یعنی ''گُلاں وچوں گل پیدا تھیا، کجھ کھلیا ہے، کجھ کھلسی''۔ یہ اشارہ ہے میاں غلام شاہ کی والدہ کی طرف، جو ''گلاں'' نامی ایک طوائف تھی۔ اس کہاوت کا مطلب یہ ہے کہ ''گلاں سے ایک پھول پیدا ہوا، جو کچھ کِھلا ہے، اور کچھ کِھلے گا''۔

میاں غلام شاہ نے بڑے اچھے طریقے سے حکومت چلائی۔ اگرچہ اپنے بھائیوں کی شورش کی وجہ سے بار بار اسے کچھ اور کچھ دیگر ممالک میں اسے جا کر ٹھہرنا پڑتا تھا، لیکن چونکہ بڑا عقلمند اور دور اندیش شخص تھا، اس لئے اپنی حکومت کو مستحکم کرنے میں کامیاب رہا۔ ۱۱۷۱ ہجری مطابق ۱۷۵۸ء میں اس نے انگریز بیوپاریوں کو بڑی خوشی سے ٹھٹہ میں بیوپار کرنے کی اجازت دی ۱۱۷۲ ہجری مطابق ۱۷۵۹ء میں اس نے ''شاہپور'' نامی ایک شہر تعمیر کروایا، اسے دارالحکومت بنایا، جو تحصیل سکرنڈ میں اس وقت ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ ۱۱۷۵ ہجری مطابق ۱۷۶۱ء میں خراسان کے بادشاہ احمد شاہ کو، کچھ الجھے ہوئے اور اہم کام حل اور مکمل کر کے، اتنا خوش کیا، کہ

•ے۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ اعداد پورے ہیں، مگر مصرعہ غیر موزوں، غلط اور بالکل بے معنی ہے (ن۔ب)۔

اسے ''شاہ وردی خان'' کا لقب عطا کیا گیا اور اسے کچھ تحائف بھی دئے گئے۔

میاں غلام شاہ کی حکومت دن بدن اس قدر مستحکم ہوتی چلی گئی، کہ بالآخر اس کے بھائی اور دیگر لوگ جو شرارت پر کمر بستہ، بالکل کمزور ہو گئے اور اس کے سامنے جھک گئے، اور اس کے فرمانبردار بن گئے۔ اپنی ذاتی شجاعت سے سندھ کے پڑوسی حاکموں جیسا کہ ''کچھ بھج'' کے رائے سے ۷۷-۱۱۷۶ ہجری مطابق ۶۳-۱۷۶۲ء میں ''بست'' اور ''لکھپت'' بندر زبردستی چھین کر، اپنی مملکت میں شامل کر لئے اور اس سے دامادی کی نسبت بھی قائم کر لی یعنی اس سے اس کی بیٹی کا رشتہ لے لیا)۔ بہاولپور کے نواب بہاول خان داؤد پوتہ سے اُچ شہر اور سبزل کوٹ کا قلعہ لے کر سندھ میں شامل کر لیا۔ یوں کراچی اور اس کے ارد گرد کا علاقہ خان قلات کے قبضے سے لے کر، اپنے قبضے میں لے لیا۔ حکومتِ سندھ کی اس توسیع کے سبب ۱۱۷۸ ہجری مطابق ۱۷۶۴ء میں احمد شاہ ابدالی نے اسے ''صمصام الدولہ'' کا خطاب دیا اور ڈیرہ غازی خان اور ڈیرہ اسماعیل خان کا انتظام بھی اس کے حوالے کیا۔ علاوہ ازیں میاں غلام شاہ نے ۱۱۸۲ ہجری مطابق ۱۷۶۸ء میں حیدرآباد میں، جو دراصل نیرون کوٹ کے نام سے مشہور ہے، قلعہ تعمیر کروایا اور ایک خوبصورت اور مضبوط شہر پناہ (فصیل) تعمیر کروائی، حیدرآباد کو اپنا دارالحکومت بنایا۔ یہ قلعہ ابھی تک قائم ہے اور شہر بھی ویسے کا ویسا ہی ہے، بلکہ اس سے بھی زیادہ خوش منظر ہے۔ مؤرخین کا کہنا ہے کہ میاں غلام شاہ والے قلعہ کے قریب ایک اور بھی چھوٹا سا قلعہ تھا، جو ایک ولی اللہ سید مکی رحمۃ اللہ علیہ کا تعمیر کردہ تھا۔ چونکہ یہ قلعہ میاں غلام شاہ کے قلعہ سے زیادہ بلند نظر آتا تھا، اس لئے ۱۱۸۵ ہجری مطابق ۱۷۷۱ء میں اسے مسمار کروا دیا۔ سید محمد مکی کے مقبرے اور اس کے قلعہ کی تاریخ درج ذیل ابیات سے حاصل ہوتی ہے، اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ قلعہ میاں غلام شاہ والے قلعہ سے پہلے کا تھا:

ز عزت بنا یافت خوشہائے منظر،
کہ از فیض حق می زند موج نور۔
بہشت آستان بوس خدام او،
ز خاک درش سرمۂ چشم حور۔
بجستم ز دل سال تعمیر او،
بگفتا خرد ''زیب بزم حضور''۔

[☆ یہ قلعہ جو عزت اور احترام سے تعمیر ہوا ہے، خوبصورت ہے، جو اس کی خداداد

خوبصورتی سے نور کے شعاعیں پھوٹتی ہیں۔

☆ بہشت، قلعہ کے خدمتگاروں کی دہلیز کو بوسہ دے رہا ہے اور اس کے دروازے کی مٹی کو حوریں اپنی آنکھوں میں سرمہ کر کے لگاتی ہیں۔

☆ میں نے اپنے دل سے اس کی تعمیر کا سال پوچھا، تو عقل نے جواب دیا کہ ''زیب بزم حضور'' (حضور کی محفل کا سنگھار]۔

آخری مصرعہ سے ابجد کے حساب سے قلعہ کی تعمیر کا سال ۱۰۸۳ھ ہجری حاصل ہوتا ہے اے، جو ۱۷۷۱ء کے مطابق ہے۔

عام لوگوں کی روایت کے مطابق جب میاں غلام شاہ جیسے کم آزار اور نیک خصائل حکمران کے ہاتھوں اہل اللہ کے مقبرے اور قلعہ سے متعلق اس طرح کی بے ادبی سرزد ہوئی، تو اُسی رات لقوہ، فالج اور غشی جیسی بیماریوں میں مبتلا ہو گیا اور بالآخر ۱۱۸۶ھ ہجری مطابق ۱۷۷۲ء میں وفات پا گیا۔ کسی شاعر نے اس کی وفات کی تاریخ کتنے اچھے الفاظ میں بتائی ہے کہ ''جنات فیھا خالداً''۔ جس میں سے ابجد کے حساب موجب مذکورہ بالا سال حاصل ہوتا ہے۔

بیشک، یہ ایک اہل اللہ کی غیرت کا اثر ہے۔ انسان کے لئے اولیاء اللہ سے ڈرنا بہتر ہے۔ اُسی اہل اللہ کا مقبرہ اُسی حالت میں قائم ہے اعلیٰ اور ادنیٰ، جوان اور بوڑھوں کے لئے زیارتگاہ ہے۔ ہمیشہ ذوالحج کی ۹ تاریخ کو بڑا اجتماع ہوتا ہے اور دور دور سے لوگ آکر اکٹھے ہوتے ہیں۔ میاں غلام شاہ کو ایک الگ مقبرے مین دفن کیا گیا، جو حیدرآباد شہر کے شمال میں ہے اور عام و خاص کے لئے زیارتگاہ ہے۔

میاں غلام شاہ کا فرزند میاں محمد سرفراز اُسی سال ۱۱۸۶ھ ہجری مطابق ۱۷۷۲ء میں اپنی موروثی مسند پر جلوہ افروز ہوا۔ مگر حکومت کے کاروبار کی سرانجامی میں اپنے والد کے طریقے کے خلاف چلنے لگا۔

بادشاہ احمد شاہ درانی ۱۱۸۷ھ ہجری مطابق ۱۷۷۳ء میں اس فانی دنیا سے عالم جاودانی کی طرف راہی ہوا۔ ایک شاعر نے اس کی وفات کی تاریخ اس مصرعہ سے حاصل کی ہے:

ز دنیائے دون شاہ رحلت نمود

پھر احمد شاہ کا بڑا فرزند تیمور شاہ تخت نشیں ہوا۔ اُس نے بھی میاں سرفراز خان کو ''خدایار خان'' کے خطاب سے سرفراز کیا۔ تیمور شاہ کی سجع یوں تھی۔

اے اس فقرہ کے اعداد ۱۰۸۲ ہیں، نہیں کہ ۱۰۸۳ (ن۔ب)۔

حکم شد از عنایات الٰہی،
بعالم دولت تیمور شاہی۔

اور اس کا ٹکسالی سِکّہ یہ تھا:

چرخ می آرد طلاء و نقرہ از خورشید و ماہ،
تا زند بر چہرہ نقش سکۂ تیمور شاہ۔

میاں محمد سرفراز خان نے اگرچہ اپنے والد کی روش کے خلاف کئی ایک کام کیئے، مگر یہاں چند باتیں بیان کی جاتی ہیں:

۱- جن کاروباری لوگوں کو اس کے والد میاں غلام شاہ نے کاروبار کی ترقی کے لئے تسلیاں اور دلداریاں دے کر، ٹھٹہ میں ٹھہرایا تھا، میاں سرفراز نے انہیں نکال دیا۔

۲- اپنے وزیر اعظم میر بہرام خان اور اس کے فرزند میر صوبدار خان کو بغیر کسی سبب کے شہید کروایا دیا۔ کسی شاعر نے میر بہرام خان کی شہادت کی تاریخ درج ذیل قطعہ کی آخری مصرعہ سے حاصل کی ہے:

زہی میر بہرام، بہرام رزم،
کہ عزمش سر نیزہ بر ماہ زد،

بازیچہ در عرصہ گاہ نبرد،
اگر رخ زدی، بر رخ شاہ زد۔

و گر نہ کجا پیچد اہل خرد،
کہ با شیر سر پنجہ روباہ زد۔

و لیکن چو تقدیر بود اینچنین،
قضا از قضا تیغ ناگاہ زد۔

بسال و صالش ملک بر فلک،
بگفتا "بفردوس خرگاہ زد"۔

[☆ میر بہرام خان بڑا بہادر تھا۔ میدان جنگ میں گویا کہ بہرام گور۔ اس کا حوصلہ اتنا

بلند تھا، کہ اپنے نیزے کی نوک چاند (کے سینے) میں چبھوتا تھا۔

☆ کھیل کھیلتے وقت میدان جنگ میں (شطرنج کی بساط پر) اگر رخ (گوٹ) مارتا تھا، تو شاہ (گوٹ) کے منہہ پر مارتا تھا (یعنی اتنا عالی ظرف تھا کہ کھیل میں بھی ''پیادہ'' (گوٹ) کی طرف متوجہ ہونے کی بجائے، شاہ کی طرف توجہ دینا پسند کرتا تھا)۔

☆ دراصل کوئی سمجھدار آدمی اس سے الجھنا پسند نہیں کرتا تھا، اور یوں سمجھا جاتا تھا، گویا کہ لومڑی نے شیر سے دشمنی لیا ہے۔

☆ لیکن چونکہ تقدیر بس یوں ہی تھی، اس لئے قضا قدر والوں نے اچانک از غیبی تلوار کا وار کر دیا۔

☆ فرشتہ نے آسمان سے اس کے وصال کا سال بتایا کہ ''بفردوس خرگاہ زد'' (بہشت میں جا کر اس نے شامیانے لگائے]۔

اسی فقرہ سے ہجری سال ۱۱۸۹ ہجری حاصل ہوتا ہے، جو عیسوی سال ۱۷۷۵ء کے مطابق ہے۔ اسے نئی خدا آباد میں دفن کیا گیا، جو ہالہ کے قریب ہے۔

بالآخر میاں سرفراز کی ایسی حرکات کی وجہ سے بڑی شورش برپا ہوئی، اور سب لوگوں نے یکرائے ہو کر، اسے اسی سال قید کیا اور اس کے بھائی محمد خان کو گدی پر بٹھایا۔ میاں سرفراز قید کی حالت میں انتقال کر گیا۔

محمد خان میاں غلام شاہ کا دوسرا نمبر فرزند ۱۱۸۹ ہجری مطابق ۱۷۷۵ء میں سندھ کی حکومت کی گدی پر بیٹھا۔ مگر وہ حکمرانی کے معاملات سے بے خبر تھا، جس وجہ سے اسے اسی سال برطرف کیا گیا۔

پھر میاں نور محمد کا فرزند اور میاں غلام شاہ کا بھائی میاں غلام نبی ۱۱۸۹ ہجری مطابق ۱۷۷۵ء میں امراء اور معتبرین کے مشورے سے گدی پر بیٹھا، اور حکومت کا کاروبار نہایت ہی ذمہ داری سے سرانجام کرنا شروع کیا۔ لیکن اس کے دل میں سخت شک پیدا ہوا کہ مبادا تالپور سردار اس سے میر بہرام خان شہید کے خون کا انتقام نہ لیں۔ آخر ہوا یوں، کہ ۱۱۹۰ ہجری مطابق ۱۷۷۶ء میں جب میر بجار خان بیت اللہ کی زیارت کرنے کے بعد مکہ معظمہ سے سندھ میں واپس آیا، تو بلوچ اور دیگر لوگ (غیر بلوچ) متحد ہو کر، میاں غلام نبی سے جنگ کرنے کے لئے میدان میں نکل آئے۔ میاں غلام نبی اسی جنگ میں قتل ہو گیا اور اس کی نعش حیدرآباد میں لا کر، اس کے بھائی میاں غلام شاہ کے پہلو میں دفن کی گئی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

میاں غلام نبی کا بھائی میاں عبدالنبی اپنے شہید بھائی کی وصیت اور امراء کے مشورے

سے، بلکہ خود میر بجار خان تالپور کے مشورے سے ۱۱۹۱ہجری مطابق ۱۷۷۸ء میں گدی پر بیٹھا۔ مگر حکومت کے ابتدائی دنوں میں اپنے خاندان (کلہوڑہ گھرانے) کے ان لوگوں کو، جو حکومت کے خواہشمند تھے، اول قید کیا اور پھر انہیں قتل کروا دیا۔ وہ مقتول یہ تھے: میاں غلام شاہ کے بیٹے میاں محمد سرفراز خان، میاں محمد خان اور میاں عطر خان کا چھوٹا بھائی میاں محمود خان۔ اس موقع پر ایک سال کے اندر اندر پانچ افراد شہید ہوئے تھے، جن میں میاں غلام نبی بھی شامل تھا، جو پہلے ہی سے میر بجار خان کے ہاتھوں جنگ میں قتل ہو گیا تھا۔ کسی شاعر نے اس کے قتل پر بہت ہی خوبصورت مصرعہ لکھا ہے: ''از گل باغ عباسی پنج کسم''۔ اس مصرعہ میں شاعر نے صنعت ایہام سے کام لیا ہے۔ ''عباسی'' ایک مشہور پھول کا نام ہے اور سندھ کے کلہوڑا حکمران بھی عباسی تھے۔ اس خاندان کے پانچ بندے قتل ہو گئے تھے۔ اگر ''گل عباسی باغ'' کے فقرہ سے، جس کے اعداد ۱۱۹۶ ہیں، پانچ عدد کم کئے جائیں، تو ۱۱۹۱ بچ جائے گا، جو ان پانچوں کی شہادت کا ہجری سال ہے اور عیسوی سال ۱۷۷۸ء کے مطابق۔

میاں عبدالنبی اپنے عزیزوں کو قتل کروانے کے بعد بڑی تسلی اور تشفی سے حکومت کرنے لگا اور افغانستان کے بادشاہ کے نذرانہ کو، جو کلہوڑا گھرانے کے حکمران سالہا سال سے ادا کیا کرتے تھے، بھول گئے۔ ۱۱۹۲ہجری مطابق ۱۷۷۹ء میں شاہی نذرانہ نہ دینے کے سبب یا سندھ حکومت کے دعویدار عزت خان کی فریاد پر، افغانستان کے بادشاہ، محفوظ خان کے سپہ سالار ہی نے سندھ پر بڑا لشکر بھیجا۔ میاں عبدالنبی بھی نہایت ہی رعب اور دبدبہ سے اپنے وزیر اعظم میر بجار خان کو ساتھ لے کر، افغان لشکر سے مد مقابل ہونے کے لئے شکارپور میں آن پہنچا۔ عزت اور ذلت یا فتح یا شکست چونکہ اللہ کی طرف سے ہے اور بڑی یا چھوٹی سلطنت پر منحصر نہیں ہے، اس لئے قدرت نے فتح کا پرچم میاں عبدالنبی کی طرف سے بلند کیا۔ اگرچہ بعد میں بادشاہ تیمور کی طرف سے یکے بعد دیگرے بڑا لشکر آتا رہا، مگر میاں عبدالنبی اور اس کے امراء نے اپنی خطاؤں کی معافی لے کر اور شاہی نذرانہ دے کر، اپنی جان آزاد کروالی، اور پھر پورے اطمینان سے حکومت کے کاروبار میں مشغول ہو گئے۔ تاہم میاں عبدالنبی، میر بجار خان کی حشمت، دانائی اور سیاستدانی سے اندر ہی اندر ڈرتا رہا، کہ مبادا کسی وقت موقع پا کر اسے قتل نہ کر دے۔ اس لئے جودھ پور کے راجا سے جلاد بلوا کر، اسے اپنی آنکھوں کے سامنے ذبح کروا ڈالا۔ کسی شاعر نے اس کی شہادت کی تاریخ یوں بیان کی ہے:

از سر افسوس گفتا ہاتفم،
''میر شد از جمدر ہندو شہید۔

[مجھے غیب کے فرشتے نے افسوس سے بتایا کہ ''میر بجار خان ایک ہندو کے خنجر سے شہید ہوا۔'') (''افسوس'' کے الف کا عدد دوسری مصرعہ کے اعداد سے شامل کیا جائے گا]۔

دوسری تاریخ یہ ہے:

''بمحفل شہدا جلوہ کرد میر بجار''

(میر بجار شہداء کی محفل میں جا کر جلوہ افروز ہوا)۔ دونوں تاریخوں سے ہجری سال ۱۱۹۴ھ حاصل ہوتا ہے، جو عیسوی سال ۱۷۸۰ء کے مطابق ہے۔

بالآخر میاں عبدالنبی اسی اندیشہ (میر بجار کے قتل کے انتقام کا اندیشہ) کی وجہ سے قلات چلا گیا اور وہاں سے مدد لی۔ مگر اس کے امراء نے اس کی غیر حاضری میں میاں صادق علی ولد میاں غلام حسین کلہوڑہ کو سندھ کی گدی پر بٹھایا۔ لیکن میاں عبدالنبی قلات کے خان، بہاولپور کے نواب اور سردار مدد خان کی مدد سے دوبارہ گدی پر بیٹھا۔

اگر قارئین کرام کو ناگوار نہ گذرے تو سردار مدد خان اور اس کے لشکر کے ظلم وستم کا مختصر احوال بیان کیا جائے۔ سندھ میں اس کی آمد کی تاریخ اس مصرعہ سے ظاہر ہے:

اے داد، از بی دادیءِ ظالم منحوس۔

ابجد کے حساب سے ہجری سال ۱۱۹۴ حاصل ہوتا ہے، جو عیسوی سال ۱۷۸۰ کے مطابق ہے۔ غور کرنا چاہئے کہ جس کی بسم اللہ (ابتدا) ہی اس عنوان سے ہو رہی ہو، تو پھر سمجھ جانا چاہئے کہ جو شخص عمرکوٹ تک منزل بہ منزل جا پہنچا ہوگا، اس شخص نے لوٹ مار، تباہی، بربادی اور غرباء کے گھروں اور جھونپڑوں کو آگ لگانے کے سوا اور کیا کچھ نہ کیا ہوگا۔ اس کے لشکر کے بے لگام گھوڑے روزانہ محض لوٹ مار کے لئے بے دھڑک پھرتے رہتے تھے۔ اعلیٰ اور ادنیٰ اور جوان اور بوڑھے اس کے ظلم وستم سے بیزار تھے اور ڈرتے رہتے تھے۔ الغرض، مدد خان کی آمد سے سندھ میں اتنی لوٹ مار، خونریزی، خرابی اور ویرانی ہوئی کہ اس کا مختصر احوال لکھا جائے گا تو ایک داستان تیار ہو جائے گا۔ لیکن چونکہ یہ کتاب ''لُب تاریخ'' (تاریخ کا خلاصہ) کے نام سے موسوم ہے اور میں چونکہ قارئین کو کانٹے چبھونا (ذہنی اذیت دینا) مناسب نہیں سمجھتا، اس لئے دو تین سطور لکھنے اور ایک شاعر کے اس شعر کو قلمبند کرنے پر اکتفا کرتا ہوں:

چنان ہول در ملک سند اوفتاد
کہ ہول قیامت بدادہ بیاد

[یعنی سندھ میں ایسا ہراس پھیل گیا، کہ قیامت کی دہشت یاد آ گئی]۔

قارین کرام کو اچھی طرح معلوم ہے کہ سندھ کے باشندے کسی مصیبت کی آمد پر، بھلے وہ قدرت کی طرف سے ہو، خواہ کسی دنیوی حکومت کی طرف سے، آہ و بکا کرتے ہیں تو کہتے ہیں ''گھوڑا، گھوڑا'' یا ''گھوڑا ڑے گھوڑا''۔ یہ علامت ہے مدد خان کے لشکر کی، جس کے گھوڑے ہر شہر، ہر گاؤں، بلکہ گھر گھر میں داخل ہوکر لوٹ مار کرتے پھرتے تھے۔ لوگ ان گھوڑوں کو دیکھ کر، ''گھوڑا، گھوڑا'' کہنے لگتے تھے، اور یوں گویا دوسروں کو بھی خطرہ سے مطلع کرتے تھے، اور پھر بھاگنا شروع کرتے تھے۔ بالآخر یہ آہ و بکا زبان زد عام ہوگئی اور آج تک ہے۔

راقم الحروف کئی ممالک کی سیر کر چکا ہے، مثال کے طور پر خراسان، ایران، عرب، بلوچستان، پنجاب، ہندوستان، مکران، دکھن، کوکن، کاٹھیاواڑ، ریگستان (کچھ کا علاقہ)، مارواڑ اور گجرات وغیرہ۔ مگر میں نے کسی بھی ملک میں کسی بھی آدمی کے منہہ سے ایسی آہ و بکا نہیں سنی۔ ہر ملک کی رسمیں الگ الگ ہوتی ہیں (دیگر ممالک میں ایسے مواقع پر اور طرح کے الفاظ نکالے جاتے ہونگے)۔ مجھے اس موقع پر ایک عجیب بات یاد آ رہی ہے۔ ۱۲۸۵ہجری مطابق ۱۸۶۸ء میں جب میں، سندھ کے کمشنر جناب مینسفیلڈ صاحب اور کچھ دیگر معززین کے ساتھ، کچھ خاص خدمات کی بجا آوری کے سلسلے میں دارالسلام بغداد پہنچا، اور وہاں درگاہ فلک پایگاہ غوث الاعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ العزیز، کی زیارت فیض بشارت کی سعات حاصل کی، تو اس موقع پر حضرت صاحبزادہ والاتبار مرحوم پیر مصطفیٰ شاہ آفندی کی قدم بوسی کا شرف بھی نصیب ہوا، جو اس زمانے میں عالی جناب مولانا و مکرمنا و معززنا حضرت مرحوم سید علی شاہ کی مسند امجد پر رونق افروز تھا، اور اس وقت صاحبزادہ موصوف کی عمر گیارہ برس سے زیادہ نہیں تھی، اور اس کی زیادہ توجہ، نہیں نہیں، میں نے غلط لکھا، بلکہ اُن کا لطف و کرم افغانستان، ہندوستان، اور اس سے بھی زیادہ پنجاب اور سندھ کے لوگوں پر تھا۔ قدمبوسی کے بعد تعارف کے وقت جب صاحبزادہ صاحب کو میرے بارے میں معلوم ہوا کہ میں سندھ سے آیا ہوں، تو انہوں نے مسکرا کر فرمایا کہ ''منشی! مجھے تیرے ملک کی زبان آتی ہے ''گھوڑا ڑے گھوڑا''۔ میں نے گذارش کی کہ ''آمنا و صدقنا۔ یہ بات درست ہے۔ بیشک، سندھ کے باشندوں کی یہی زبان ہے۔''

یہ بھی علامت ہے، اسی سردار مدد خان کی، جو سندھ کے باشندوں کا تکیۂ کلام بن گئی ہے کہ جب کوئی آدمی اپنے کسی کام سے کسی طرف جلدبازی میں جاتا ہے یا کسی سختی سے بھاگتا

اور ڈرتا ہے، تو دوسرے لوگ اسے طعنہ کے طور پر کہتے ہیں کہ "اتنا بھاگ کیوں رہا ہے، یا ڈر کیوں رہا ہے، "مدد" تیرا پیچھا کر رہا ہے کیا؟" اس بے باگ شخص (مدد خان) کے جانے کے بعد ایک شاعر نے کہا کہ "بشر بود رفت" [۲] اس جملے سے ہجری سال ۱۱۹۴ حاصل ہوتا ہے، جو عیسوی سال ۱۷۸۰ کے مطابق ہے۔ مدد خان بے اولاد فوت ہو گیا اور اس کے لواحقین میں کوئی بھی نہ رہا۔

میاں عبدالنبی اگرچہ سردار مدد خان اور دیگر نوابوں کی مدد سے گدی پر بیٹھا، لیکن ۱۱۹۷ھ ہجری مطابق ۱۷۸۲ء میں موقع پا کر، میر عبداللہ خان اور میر فتح خان تالپور کو، جو دونوں معززین ان دنوں میاں عبدالنبی کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے، میر بجار خان کی طرح قتل کروا دیا۔ تالپور، دیگر بلوچ لوگ اور اس دور کے سردار اس خون ناحق کی وجہ سے جوش میں آ کر، لشکر اور دوسرا ساز و سامان اکٹھا کر، میاں عبدالنبی سے جنگ پر اتر آئے۔ اس وقت لشکر کے سردار میر فتح علی خان، میر سہراب خان اور میر ٹھارو خان تھے، جو ہم قوم، ہم ذات، بلکہ ایک ہی دادا کی اولاد تھے۔ ہالانی کی جنگ میں میاں عبدالنبی کو شکست دے کر انہوں نے بھگا دیا۔ میاں عبدالنبی، خان قلات اور افغانستان کے بادشاہ تیمور شاہ کے ہاں ملتجی ہو کر گیا۔ مگر سندھ کی گدی پر بیٹھ نہ سکا اور ۱۱۹۳ھ ہجری مطابق ۱۷۷۹ء کو سارا سال دوڑ دھوپ اور التجاؤں میں گذار کر، راہ ربانی چلا گیا۔ اللہ کی یہی مرضی تھی، جو پوری ہوئی۔ ہر کسی کو باری باری عزت اور بادشاہی نصیب ہوتی ہے، جیسا کہ ایک شاعر نے کہا ہے:

درین نوبت گہ صورت پرستی،
زند نوبت بنوبت کوس ہستی۔
اگر عالم بہ یک دستور ماندی،
بسی انوار گان مستور ماندی۔
زمستان از چمن بارانہ بندد،
ز تاثیر بہاران گل نہ خندد۔

[☆ دنیا کے اس نقارخانے میں ہر شخص باری باری اپنی موجودگی کا نقارہ بجاتا ہے۔
☆ اگر دنیا ایک حال پر قائم رہتی، تو کئی عجائبات پوشیدہ رہ جاتے۔
☆ اگر موسم سرما باغ سے کوچ کر کے چلا نہ جاتا، تو بہار کے سبب سے پھول نہیں کھلتے]۔

---

[۲] یہ فقرہ ذومعنیٰ ہے (۱) ایک آدمی (بشر) تھا جو چلا گیا (۲) ایک فسادی (شر) تھا جو دفع ہو گیا۔ (ن-ب)۔

بارہواں طبق

تالپوروں کی حکومت

۱۱۹۹ ہجری مطابق ۱۷۸۴ء سے

ٹال پوروں (عرف تالپوروں) کی قوم، بلوچ قوموں کی کئی ایک شاخوں سے ایک شاخ ہے۔ بقول بلوچ لوگوں کے، وہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسل سے ہیں، اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے شہنشاہ محمد اکبر کے زمانے میں ۹۹۵ھ ہجری مطابق ۱۵۸۶ء میں حلب (شام) اور دیگر عرب ممالک سے بلوچستان میں آئے اور وہاں انہوں نے رہائش اختیار کی۔ان کی رہائش کی وجہ سے وہ ملک بلوچستان کہلانے لگا۔ بلوچ تا حال بلوچستان میں بڑی تعداد میں رہتے ہیں۔وہیں سے سندھ میں بھی آئے اور بلوچستان کے قریبی علاقوں میں بھی جا کر سکونت پذیر ہوئے، اور مختلف پیشوں جیسا کہ ملازمت اور کاشتکاری میں مشغول ہوکر گذارہ کرنے لگے۔

''ٹالہ'' نامی ان کا ایک جدامجد گذرا ہے۔''پُور'' عجمی (فارسی) زبان میں بیٹے کو کہتے ہیں۔''ٹالہ پور'' کثرت استعمال سبب ''ٹالپر'' ہوگیا۔ ٹالپر قوم بھی کئی شاخوں میں تقسیم شدہ ہے۔ میں دوسروں کو چھوڑ کر، صرف ان تالپوروں کا ذکر کروں گا، جنہوں نے سندھ میں حکومت کی اور حیدرآباد، میرپور خاص اور خیرپور میں حکمران تھے۔ ان تینوں خاندانوں کا بڑا ''ککو خان'' عرف سلیمان خان تھا۔ اگرچہ اس کے آٹھ بیٹے تھے، لیکن میرا واسطہ اس کے فقط دو بیٹوں نمبر اول اور نمبر تین سے ہے۔ اس لئے میں اس کے دیگر بیٹوں سے متعلق کچھ لکھنے کے بجائے، فقط ان دو سے متعلق لکھوں گا۔ پہلے کا نام ''ہوتک خان'' تھا اور تیسرے کا نام ''مانک خان'' تھا۔ پہلے میں ہوتک خان سے متعلق لکھنا مناسب سمجھتا ہوں۔

ہوتک خان کی اولاد سے حیدرآباد اور خیرپور کے میروں کا خاندان وجود میں آیا۔ ہوتک خان کا شہداد خان نامی ایک نامور فرزند تھا، جس نے شہدادپور کا شہر تعمیر کروایا اور اسے آباد کیا۔ وہ ۱۱۴۷ھ ہجری مطابق ۱۷۳۴ء میں اس فانی دنیا سے عالم جاودانی کی طرف روانہ ہوا اور شہدادپور میں اسے دفن کیا گیا۔ اگرچہ شہداد خان کے اور بھی بیٹے تھے، مگر مجھے فقط اس کے دو

بیٹوں میر چاکر خان اور میر بہرام خان کا ذکر کرنا ہے۔ قارئین کرام کو معلوم ہونا چاہئے کہ میروں کا خیر پور والا خاندان پہلے ''شہدادانی'' کہلاتا تھا، اور پھر ''چاکرانی'' کے نام سے مشہور ہوا۔ چاکر خان ایک نامور زمیندار تھا، جس کی کھدوائی ہوئی نہر ''چاکر واہ'' کے نام سے فی الوقت تعلقہ شہداد پور میں مشہور اور موجود ہے۔ میر بہرام خان وہ ہے، جس کا تذکرہ اوپر کلہوڑوں کے احوال میں گذر چکا ہے، اور جو ۱۱۸۹ہجری مطابق ۱۷۷۵ء میں میاں محمد سرفراز خان کی کوشش سے شہید ہوا تھا۔ اس کی تعریف اور تعارف بھی پہلے ہو چکا ہے۔ میر بہرام خان کے بھی کئی بیٹے تھے۔ مگر حیدرآباد کے میروں کا خاندان اس کے دوسرے نمبر بیٹے میر صوبدار خان سے شروع ہوتا ہے، اس لئے یہ ضروری نظر آ رہا ہے کہ اس کا احوال بیان کیا جائے۔ یہ میر صوبدار خان وہ ہے، جو اپنے والد کی شہادت کے وقت شہید ہوا اور دونوں باپ بیٹا نئی خدا آباد میں دفن کئے گئے۔ میر صوبدار خان کے چار بیٹے تھے۔ لیکن پہلے اس کے بڑے بیٹے میر فتح علی خان کا نام لکھا جاتا ہے، جو فاتحِ سندھ تھا۔ اس کے دیگر بیٹوں کے نام مناسب موقع پر لکھے جائیں گے۔ میر چاکر خان ولد میر شہداد خان کے اگرچہ کئی بیٹے تھے، مگر اس کا نامور بیٹا میر سہراب خان تھا، جو فاتحِ سندھ میر فتح علی خان کا ساتھی تھا۔

اب ککا خان کے تیسرے بیٹے مانک خان کا احوال لکھنا ضروری ہے۔ مانک خان کے اگرچہ کئی بیٹے تھے، اور میر پور خاص کے میروں کا خاندان بھی ''مانکانی'' کے نام سے مشہور ہے، مگر مجھے اس کے بڑے بیٹے میر اللہ یار خان کا تذکرہ کرنا ہے، اس لئے دوسروں کا تذکرہ ترک کیا جاتا ہے۔ اللہ یار خان کے بھی کئی بیٹے تھے، مگر میرے پیش نظر اس کا بڑا بیٹا میر مسو خان ہے۔ میر مسو خان کے بھی کئی بیٹے تھے، مگر مجھے اس کے بڑے بیٹے میر فتح خان کا تذکرہ کرنا ہے۔ اس طرح میر فتح خان کے بھی کئی بیٹے تھے، مگر سندھ کی فتح میں اس کے دوسرے نمبر بیٹے میر ٹھارو خان نے بیڑہ لیا تھا۔ امید ہے کہ قارئین کرام کو سندھ کے تینوں فاتح میر فتح علی خان، میر سہراب خان اور میر ٹھارو خان اچھی طرح متعارف ہو گئے ہوں گے۔ مزید وضاحت کے لئے ان کے نسب کا شجرہ یہاں دیا جاتا ہے۔

سندھ کے تالپور حکمرانوں کا مختصر شجرہ

ککو خان یا ککہ خان عرف سلیمان خان تالپور اور اس کے بیٹے

- پہلا۔ ہوتک خان
  - میر شہداد خان
    - میر چاکر خان [کے پانچ بیٹے تھے]
      - میر سہراب خان [فاتح سندھ کا پہلا نمبر ساتھی]
    - میر بہرام خان
      - میر صوبدار خان
        - میر فتح علی خان [سندھ کا پہلا فاتح]
- تیسرا۔ مانک خان
  - میر اللہ یار خان
    - میر مسو خان
      - میر فتح خان
        - میر ٹھارو خان [فاتح سندھ کا دوسرا نمبر ساتھی]

قارئین کرام مذکورہ بالا شجرہ سے، جو مختصر ہونے کے باوجود بالکل واضح ہے، سندھ کے حکمرانوں کی ایک دوسرے سے قریبی رشتیداری، ایک ذات، بلکہ ایک ہی دادا کی اولاد ہونے کا اندازہ ہو گیا ہوگا۔

الغرض، تینوں سرداروں (جو اکثر شہداد پور تحصیل میں رہتے تھے اور کچھ نئی خدا آباد میں) آپس میں یکراءِ ہو کر اپنے بڑوں (میر بجار خان، میر عبداللہ خان اور میر فتح خان) کے قتل کا انتقام لینے کے لئے پورے جوش و خروش سے تیار ہو کر اور سب بلوچوں اور دیگر قوموں کو بھی خود سے ملا کر، تلوار کے بل بوتے پر سندھ پر قبضہ کیا۔ میاں عبدالنبی کلھوڑو ۱۱۹۸ ہجری مطابق ۱۷۸۳ء میں بھاگ کر جودھپور چلا گیا اور وہیں وفات پائی۔ اس کی اولاد تا حال جودھپور میں مقیم ہے اور وہاں ''سندھی صاحبزادے'' کے خطاب سے مشہور ہے۔ پنجاب میں بھی کچھ جاگیردار اور زمیندار کلھوڑوں کی اولاد کہلاتے ہیں۔

مذکورہ بالا میر صاحبان نے سندھ پر قبضہ کرنے کے بعد کابل کے بادشاہ تیمور شاہ

سے، پرانے دستور کے مطابق اول شاہی نذرانہ ادا کر کے، سندھ پر حکومت کرنے کا پروانہ حاصل کیا، اور اس کے بعد ۱۱۹۹ھ ہجری مطابق ۱۷۸۴ء میں سندھ کو سات حصوں میں تقسیم کیا، جن میں سے چار حصے میر فتح علی خان کو بشمول اس کے بھائی اور دیگر بلوچ دیئے گئے۔ دو حصے میر سہراب خان کو اور ایک حصہ میر ٹھارو خان کے سپرد کیا گیا اور حیدرآباد، میرپور خاص اور خیرپور میں مسند نشیں ہو کر، حکومت چلانے لگے۔ کابل کے بادشاہ کا نذرانہ حیدرآباد اور میرپور خاص کے حکمران مل کر ادا کرتے تھے اور خیرپور کا حکمران الگ سے ادا کرتا تھا۔ بالآخر خراسان کے بادشاہ اور خراسان کے امراء کے درمیان بے اتفاقی پیدا ہونے کے سبب، کافی عرصہ بعد سندھ کے میروں نے شاہی نذرانہ بھیجنے کا سلسلہ بند کر دیا اور ان کی اولاد خودمختار اور آزاد بن گئی۔ جب ۱۲۰۷ھ ہجری مطابق ۱۷۹۲ء میں بادشاہ تیمور ۲۳ سالہ بادشاہی اور حکمرانی کے بعد اس فانی دنیا میں عالم جاودانی کی طرف راہی ہوا، تو اس کے تیسرے نمبر فرزند شاہ زمان اُسی سال ۲۳ برسوں کی عمر میں اپنے موروثی تخت و تاج کا وارث بنا، اور اپنے والد کی طرح والیانِ سندھ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتا رہا۔ اس کے سکہ پر یہ شعر منقش تھا۔

طراز یافت بہ حکم خدائیء ہر دو جہان،
رواج سکۂ دولت بنام شاہ زمان۔

اور اس کی سجع اس طرح تھی:

قرارداد ز الطاف خویشتن یزدان،
نگین حکم جہان را بنام شاہ زمان۔

اگر قارئین کرام کو ناگوار نہ گذرے اور اپنی معلومات میں اضافہ کرنا پسند کریں، تو اس کی والدہ صاحبہ کی سجع، جو نہایت ہی دلکش ہے، یہاں درج کی جائے:

سپہر رشک برد از بلندیء جاہم،
کنیز فاطمۂ و مادر زمان شاہم۔

[میرے مرتبہ کی عظمت اور بلندی دیکھ کر، آسمان کو رشک آ رہا ہے۔ کیونکہ میں حضرت فاطمۃ الزہراء کی کنیز اور شاہ زمان بادشاہ کی ماں ہوں]۔

شاید بیگم صاحبہ کا نام ''کنیز فاطمہ بیگم'' تھا۔

قصہ مختصر، تینوں تالپور حکمران اپنی اپنی حدود میں نہایت ہی اچھے نمونہ اور پورے رعب وحشمت سے رہتے تھے۔ اگرچہ ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف کدورت نہیں تھی، تاہم

کبھی کبھار ان کے درمیان خانہ جنگی جیسی حالت پیدا ہو جاتی تھی۔ اس موقع پر میر سہراب خان اور میر فتح علی خان کے درمیان واقع شدہ سوال و جواب لکھنا مناسب نظر آتا ہے:

میر سہراب خان:

ما باد شمالیم وزیدم ہمہ کس را،
ما گرگ درندیم، دریدم ہمہ کس را۔

[میں بادشمال ہوں، سب پر چلتی ہوں۔ میں ایک خونخوار بھیڑیا ہوں، میں نے سب کو چیر پھاڑ کے رکھ دیا ہے]۔

میر فتح علی خان:

پشہ چہ باشد کہ پرد پیش پیل،
گر بہ ہوا رفت، نہ شد جبرئیل۔
ور مگسی زور دوباز و نمود،
طعمۂ سیمرغ نہ باید ربود۔

[مچھر کی کیا مجال ہے کہ وہ ہاتھی کے سامنے اڑنے کی جرأت کرے۔ اگر چہ فضا میں اوپر اس نے پرواز کی، تب بھی جبرئیل نہ بن سکا۔ مکھی نے دونوں ہاتھوں کا زور لگایا، تب بھی سیمرغ سے کھانا نہیں چھین سکی]۔

الغرض، (ان باتوں کے باوجود) میروں کا آپس میں اچھا اتفاق تھا۔ جب کبھی بھی کوئی دشمن ان کی طرف رخ کرتا تھا تو آپس میں متحد ہو کر، اس کا مقابلہ کرتے تھے۔ کسی وقت کسی ملک کا کوئی رقبہ ان کے قبضے میں آتا تھا، تو آپس میں مذکورہ بالا طریقے پر تقسیم کرتے تھے، اور سچ تو یہ ہے کہ میاں غلام شاہ کلہوڑے کے زمانے میں سندھ کا جو رقبہ تھا اور میاں غلام شاہ کی اولاد کے ہاتھوں سے نکل گیا تھا، وہ سارے کا سارہ رقبہ میروں نے دوبارہ لے لیا۔ جیسا کہ بہاولپور کے نواب سے سبزل کوٹ، خان قلات سے کراچی اور اس کے اردگرد والا علاقہ، پٹھانوں سے شکارپور اور اس کا قریبی علاقہ، کچھ کے راجا سے لکھپت اور بست اور جودھ پور کے راجا سے عمرکوٹ اور ریگستان وغیرہ۔ مطلب یہ کہ سندھ کے جو حصے کلہوڑوں کے ہاتھوں سے نکل گئے تھے، وہ میر صاحبان نے تلوار کے زور پر دوبارہ حاصل کئے اور ان پر اچھی طرح قابض رہے۔

سندھ کے پہلے فاتح کا مختصر احوال

(شہدادانی میر، جن کا دارالحکومت حیدرآباد میں تھا)

۱- میر فتح علی خان تقریباً اٹھارہ برس نہایت ہی آسودگی اور فارغ البالی سے حکمرانی کر کے عالم بقا کی طرف راہی ہوا۔ اس کی سجع یہ ہے:

داد نصرت خدا بہ فتح علی،
بہ مدد گاری نبی و علی۔

اور ''جائے جنت نصیب فتح علی'' اس کی وفات کی تاریخ ہے، جس سے ہجری سال ۱۲۱۷ حاصل ہوتا ہے، جو عیسوی سال ۱۸۰۲ کے مطابق ہے۔ اس کا جنازہ خدا آباد لے جایا گیا، اور اسے اس کے آباؤ اجداد کے قبرستان میں دفن کیا گیا، جو ان کا اصلی قبرستان ہے۔ میر صاحب اپنے لواحقین میں ایک بیٹا میر صوبدار خان چھوڑ گیا، جو اس کی وفات کے وقت فقط ایک دن کا معصوم بچہ تھا اور بڑا ہونے کے بعد اپنے باپ کی گدی پر بیٹھا۔

۲- میر غلام علی خان ولد میر صوبدار خان، جو حیدرآباد کی گدی پر جلوہ افروز ہوا۔ اس کی سجع یہ ہے:

ناصر من بود نبی و ولی،
منم از جان و دل غلام علی۔

اس میر صاحب کے زمانے میں کورا روپیہ، جس کا وزن تیمور شاہ کے سکے سے کم تھا، ڈھالہ گیا، اور اس کی ایما کاری میں ۱۲۲۴ ہجری مطابق ۱۸۰۹ء میں سندھ، ایران اور برطانوی سرکار کے عملداروں کے درمیان ایک معاہدہ ہوا۔ بالآخر میر صاحب موصوف نے اپنے لواحقین میں میر محمد خان نامی ایک فرزند چھوڑ کر، ۱۲۲۷ ہجری مطابق ۱۸۱۳ء میں رحلت پائی۔ اس کا جنازہ نئے خدا آباد میں دفن کیا گیا۔ افسوس کہ نہ اس کی تاریخ وفات کا قطعہ مل سکا اور نہ ہی اس کی سجع۔

۳- پھر میر کرم علی خان ولد میر صوبدار خان حیدرآباد کی گدی پر رونق افروز ہوا۔ اس کی سجع یہ ہے:

کرد با من کرم علی عظیم

خود کو ''سرکار عظمت مدار'' کہلوایا۔ اس میر صاحب کے زمانے میں راجا رنجیت سنگھ نے

شورش برپا کی۔ مگر برطانوی سرکار کی محبت کے سبب ختم ہوگئی۔ افغانستان کا بادشاہ، شاہ شجاع الملک حیدرآباد میں وارد ہوا، مگر اسے راضی کر کے واپس روانہ کیا گیا۔ سید ثابت علی شاہ سندھی کا مرثیہ گو شاعر، جو سہون کا رہنے والا تھا، اسی میر صاحب کے زمانہ میں تھا۔ میر صاحب موصوف ۱۲۴۴ہجری میں بے اولاد فوت ہوگیا۔ اس کا جنازہ حیدرآباد کے قریب ایک پہاڑی پر دفن کیا گیا۔ اس کی وفات کا ہجری سال ''بادا بہشتش بارگاہ'' سے حاصل ہوتا ہے، جس کے اعداد ۱۲۴۴ ہیں۔ یہ سال، عیسوی سال ۱۸۲۸ کے مطابق ہے۔

۴- میر مرادعلی خان ولد میر صوبدار خان اسی سال اپنے بھائی کی گدی پر بیٹھا۔ اس کی سجعیں اس طرح تھیں:

(۱) بحق حضرت نبی و ولی - یافت از حق ہمہ مرادعلی

(۲) بندۂ مصطفیٰ مرادعلی۔

یہ میر صاحب پہلے خود کو ''سرکار بلند اقتدار'' کہلواتا تھا۔ پھر ''سرکار جہان مدار'' کہلانے لگا۔ اس میر صاحب کے زمانے (۴۹-۱۲۴۸ ہجری مطابق ۳۳-۱۸۳۲ء) میں برطانوی سرکار نے کاروبار کے اضافے اور جہاز رانی سے متعلق مختلف معاہدے کر کے، اسے پابند بنایا۔ اس کی زندگی کے آخری سال میں شجاع الملک نے شکارپور اور گرد و نواح پر قبضہ کر لیا، جس وجہ سے میر صاحبان اور شجاع الملک کے درمیان سخت جنگ چھڑی، جس میں حیدرآباد اور خیرپور کے میروں کے کچھ نامور سردار شہید ہو گئے۔ یہ جنگ پرانا سکھر سے باہر کھرڑی کے میدان پر لگی تھی۔ اس لئے ''کھرڑی کی جنگ'' کے نام سے مشہور ہے۔ ''کھرڑی'' سکھر شہر کی حدود میں ایک مقام کا نام ہے، جو دریاء کے اُس پار ہے۔ جنگ کا نتیجہ شجاع الملک کے حق میں نکلا۔

میر صاحب موصوف نے ۱۲۴۹ہجری مطابق ۱۸۳۳ء میں اپنے لواحقین میں چار فرزند (جن کے نام برموقع لکھے جائیں گے)، چھوڑ کر راہ ربانی لے لی، اور اپنے بھائی میر کرم علی خان کے مقبرے کے پہلو میں دفن ہوا۔ افسوس کہ اس کی تاریخ وفات کا قطعہ نہیں مل سکا۔ یہ چاروں بھائی ''چار یار'' کہے جاتے تھے، جنہوں نے یکے بعد دیگرے حیدرآباد سندھ پر حکومت کی۔ بقا فقط اللہ کی ذات کو ہے۔

جیسا کہ سکھر کا تذکرہ ضمناً آ چکا ہے اور راقم الحروف بھی سکھر کا باشندہ ہے، تو مناسب نظر آتا ہے کہ حضرت شاہ خیرالدین رحمت اللہ علیہ کے حالات اور کرامات کا تذکرہ ہو جائے، جو بے سود نہیں ہوگا۔

حضرت شاہ خیرالدین کے مختصر حالات اور اس کی کرامات

(جس کا روضہ مبارک پرانا سکھر کے وسط میں جلوہ نما ہے)

صحیح روایت کے مطابق حضرت شاہ خیرالدین رحمت اللہ علیہ حضرت احمد شاہ رحمت اللہ علیہ کے فرزند ارجمند ہیں، جو پانچویں نسل میں حضرت غوث الثقلین مولانا و مرشدنا و مکرمنا و معززنا و فخرنا حضرت پیر شیخ شاہ عبدالقادر جیلانی بغدادی رحمت اللہ علیہ سے جا ملتا ہے۔ ان کی ولادت بغداد میں ۹۱۱ ہجری مطابق ۱۵۰۵ء میں ہوئی۔ چالیس برس کی عمر میں بغداد شریف سے مکہ معظمہ (زادہا اللہ شرفا) کو گئے اور بارہ حج کئے۔ اس کے بعد مدینہ منورہ پہنچ کر، چودہ برس تک علم حاصل کرنے میں مشغول رہے۔ پھر عرب، عجم اور ہندوستان کے ممالک کی سیر کی۔ ۳۳ برسوں کی سیر سیاحت کے بعد سکھر میں آئے اور ایک پہاڑی پر، جو تا حال ''شاہ جی ٹکری'' کے نام سے مشہور ہے، ایک غار میں بیٹھ کر، عبادت الٰہی میں مشغول ہو گئے۔

اس علاقہ کے لوگوں نے حضرت شاہ خیرالدین کی کئی ایک کرامات دیکھیں، جس وجہ سے کئی لوگ ان کے مرید بن گئے۔ یہاں ''مشتی نمونۂ از خرواری'' کے مصداق، ان کی چند کرامات بیان کی جاتی ہیں، جو ملاحظہ کرنے کے بعد قارئین، اولیاء اللہ کی کرامات کو سمجھ سکیں گے اور محسوس کریں گے کہ اولیاء اللہ کی کیا شان ہے اور کیا ان کی کرامات ہیں۔

مرحوم نور محمد جلبانی جاگیردار تحصیل نوشہرو فیروز کی بیاض سے ماخوذ

(جس کا فرزند ارجمند میاں دین محمد جلبانی جاگیردار تا حال زندہ ہے)۔

خلیفہ محمود ساکن کڑیو گنوہر تحصیل ٹنڈو محمد خان ضلع حیدرآباد، سے سنا گیا کہ حضرت پیر صاحب ''روضے دھنی'' جس کا نام ''پیر محمد راشد'' تھا، اور اس وقت اس کی مسند پر اس کا نواسہ پیر شاہ مردان شاہ ساکن دیہہ اپنی، تحصیل روہڑی، فائز ہے، سے روایت ہے کہ حضرت شاہ خیرالدین رحمت اللہ علیہ ایک باکمال اور صاحب حال بزرگ تھا، جو سکھر میں رہتا تھا۔ ایک دن اس کا ایک مرید، جو سندھی تھا، شہر سے باہر خلوت میں اپنے پروردگار سے مشغول ہوا (عبادت کرنے لگا)۔ اتفاقاً اس خلوت گاہ کے اوپر دریا بہنے لگا اور کچھ مدت تک بہتا رہا، چند برسوں کے بعد دریا نے اپنا رخ تبدیل کیا اور ریت کے ٹیلے چھوڑ گیا۔ ایک دن حضرت شاہ خیرا لدین نے اپنے مریدوں سے پوچھا کہ ''فلاں مرید بڑے عرصے سے نظر نہیں آ رہا، تمہیں کچھ علم ہے کہ کہاں

گیا ہے؟'' اس کے مریدوں نے عرض کیا کہ شہر کے باہر ایک خلوت گاہ میں بیٹھ کر اللہ کی عبادت کرتا تھا۔ پھر وہاں سے دریا بہنے لگا اور کئی سال بہتا رہا۔ اب دریا وہاں سے رخ تبدیل کر گیا ہے اور ریت کے انبار لگے ہوئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ''میری گھوڑی تیار کر کے لے آؤ۔'' پھر گھوڑی پر چڑھ کر ریت کے ٹیلوں کی طرف روانہ ہوا۔ گھوڑی ایک مقام پر کھڑی ہوکر پاؤں ہلانے لگی۔ حضرت شاہ خیرالدین نے فرمایا کہ اس ٹیلے کو کھودو۔ ٹیلہ کھودا گیا تو اندر سے ایک جگہ کی دیوار نمودار ہوئی، جس میں ایک دروازہ تھا اور اسے تالہ لگا ہوا تھا۔ دروازہ کھول کر دیکھا گیا کہ وہ مرید شمال کی طرف سر اور جنوب کی طرف پاؤں پھیلائے سویا ہوا ہے اور آرام میں ہے۔ مرید چونکہ صرف سندھی زبان جانتا تھا، اس لئے حضرت شاہ خیرالدین نے سندھی میں اس سے فرمایا کہ:

نه تو ڪعبو نه تو قبلو، رهين منجهه سجود،
ويساري پاڻ کي، ملين سان درياهه

مرید نے جواب دیا کہ:

ڪوهه ڪندو تن، قبلو جن سجاتو سلطان،
پرين اسين پاڻ، سجدو ڪريون ڪنهن کي

حضرت شاہ خیرالدین کی کرامات کی کیا تفصیل بیان کروں۔ اس کے ہزاروں مرید مذکورہ بالا مرید سے بھی روحانیت میں بڑے درجہ پر فائز تھے۔ اس مرید کی خلوت گاہ تا حال ''شاہ بیلو'' کے نام سے مشہور ہے اور سکھر کے قریب ہے۔ حضرت شاہ خیرالدین جب ۱۱۶ برس کی عمر کو پہنچا، تو جس جگہ فی زمانہ اس کا روضہ مبارک ہے، وہاں ترخانی مغلوں کا محلّہ تھا۔ ان سے زمین کا وہ ٹکڑا لے کر، اس پہاڑی سے، جو ''شاہ جی ٹکری'' کے نام سے مشہور ہے، نکل کر، وہاں سکونت اختیار کی۔ اپنے پاس صرف دو مرید میاں سدھو اور میاں جمال الدین کو ٹھہراتا تھا۔ آخر جب خدا کا حکم ہوا تو ۱۰۲۷ھ ہجری رمضان شریف کی ۲۷ تاریخ بے اولاد وصال فرما گیا۔ کسی شاعر نے درج ذیل قطعۂ تاریخ کہا ہے، جو اس کے روضے مبارک پر تحریر ہے:

شاہ خیرالدین مہِ برج شرف،
مُقبل درگاہ ایزد سرمدی،
سال تاریخ وصالش عقل گفت،
''مرشدی کامل طریق احمدی''۔

[☆شاہ خیرالدین، جو عزت وعظمت کے برج کا چاند ہے وہ ہمیشہ اللہ کی بارگاہ میں

مقبول رہا ہے۔ اس کے وصال کا سال میری عقل نے یوں بتایا کہ ''مرشدی کامل طریق احمدی'' یعنی محمدی مسلک کا کامل رہنما ہے)]۔

اس آخری مصرع سے ابجد کے حساب سے ہجری سال ۱۰۲۷ حاصل ہوتا ہے، جو عیسوی سال ۱۶۱۸ کے مطابق ہے۔

مرحوم میاں جمال الدین کی اولاد سے، میاں غلام محمد نامی ایک سجادہ نشین تھا، جس نے پہلے روضہ کو، جو چھوٹا سا تھا، مسمار کروا کر، از سرِ نو تعمیر کروایا، جو پہلے سے نسبتاً بڑا تھا۔ روضہ کی از سرِ نو تعمیر کا سال درج ذیل قطعہ کی آخری مصرعہ سے ظاہر ہوتا ہے:

شہہ خیر دین سرور سالکان،
ولی خدا، زبدۂ عارفان۔
زھی روضہ-اش مظہر نور حق،
بسیابند فیضی زیارت کنان۔
غلام محمد سجادہ نشین،
ز سعیش بنا روضۂ نو نشان۔
چو ساقی طلب کرد تاریخ آن،
بگفتا خرد ''درکہ فیض دان''۔

[☆ شاہ خیرالدین سالکوں کا سردار - ولی اللہ اور عارفوں کا انتخاب (برگزیدہ)۔

☆ کیا تو اس کا روضہ ہے، جو خدا کے نور کا مظہر ہے۔ جہاں سے زیارت کے لئے آنے والے فیض حاصل کرتے ہیں۔

☆ یہ نیا روضہ غلام محمد سجادہ نشین کی کوشش سے بن کر مکمل ہوا ہے۔

☆ جب ساقی (شاید شاعر کا تخلص ہے) نے روضہ کی تعمیر کی تاریخ معلوم کرنا چاہی، تو اسے عقل نے بتایا کہ ''درگہ فیض دان'' (سمجھ کہ فیض کا مرکز ہے)]۔

آخری مصرعہ سے ابجد کے حساب سے ہجری سال ۱۱۷۴ حاصل ہوتا ہے، جو عیسوی سال ۱۷۶۰ کے مطابق ہے۔

ہر سال رمضان شریف کی ۲۷ تاریخ مریدوں اور زیارت کے لئے آنے والوں کا بڑا اجتماع ہوتا ہے۔ مگر افسوس کہ آخری سجادہ نشین مرحوم میاں سعید محمد کے بعد، جو اسم با مسمیٰ تھا (یعنی جیسا اس کا نام اچھا تھا، خود بھی ویسا ہی اچھا تھا) کوئی مستقل سجادہ نشین نہیں ہے۔ مگر اولیاؤں کے حکم (تصرف) سے سارے کام بہرحال اچھے طریقے سے سرانجام ہوتے رہتے ہیں۔

اب آتے ہیں اصل موضوع پر:

میر مراد علی کے انتقال کے بعد اس کا فرزند ارجمند میر نور محمد خان ۱۲۴۹ھ ہجری مطابق ۱۸۳۳ء میں حیدرآباد میں گدی پر بیٹھا، اور دیگر میر صاحبان ہر ایک میر نصیر خان (اس کا بھائی)، میر محمد خان ولد میر غلام علی اور میر صوبدار خان ولد میر فتح علی خان (فاتح اول) اپنے اپنے حصوں پر قابض اور حکمران تھے۔ ان کے سجعوں اور القاب سے ان کی عزت وعظمت کے آثار تاریخ میں یادگار رہیں گے:

(۱) نور محمد جہان روشن است

(۲) علی وحسین وحسن دستگیر- خدا یارو یاور محمد نصیر

(۳) میر محمد مہہ اوج کرم۔

(۴) ظل احمد تاج فرق صوبدار۔

(۵) صوبدار جہان ز فتح علی۔

مذکورہ بالا میروں میں سے ہر ایک میر صاحب الگ الگ لقب سے ملقب تھا۔ مثال کے طور پر میر نور محمد خان کا لقب تھا ''سرکار عالی مدار''۔ میر نصیر خان ''سرکار فیض آثار''۔ میر محمد خان ''سرکار عالی مدار'' اور میر صوبدار خان کا لقب ''سرکار حشمت مدار'' تھا۔ اگرچہ ان میں سے ہر ایک میر صاحب اپنے اپنے حصے پر قابض اور حاکم تھا، لیکن دراصل صحیح معنوں میں ملک کا حاکم، حیدرآباد کا گدی نشیں میر نور محمد خان تھا۔ جس نے اپنا دور حکومت اچھے طریقے سے پورا کیا۔ ۱۲۵۵ھ ہجری مطابق ۴۰-۱۸۳۹ء میں اپنے لواحقین میں دو فرزند میر شہداد خان اور میر حسین علی خان اپنی یادگار چھوڑ کر، اس فانی دنیا سے عالم جاودانی کی راہ لی، اور اسے حیدرآباد میں ان کے آباء و اجداد کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔ مگر افسوس کہ اس کی وفات سے متعلق قطعۂ تاریخ کہیں سے بھی ہاتھ نہ آسکی۔ میر صاحب مرحوم کے دونوں فرزند تقسیم کے اصول پر اپنے اپنے حصے کے والی بنے، جس طرح ان کے سجعوں سے معلوم ہوتا ہے:

(۱) خاکپائے مرتضیٰ شہداد خان۔

(۲) کرد روشن ز فیض لم یزلی- آفتاب جہان حسین علی

یہ آخری شہزادہ حسین علی خان بڑا با اخلاق انسان تھا۔ راقم الحروف کی اس کے ساتھ جان پہچان تھی۔

سندھ کا دوسرا فاتح خیرپور کا حکمران

سندھ کے دوسرے نمبر فاتح میر سہراب خان انتہا درجہ کی ہمت اور دانائی سے اپنے ملک میں توسیع کی۔ جس کا تفصیل راقم الحروف کی دوسری تصنیف ''خیرپورنامہ'' میں بیان کردہ ہے۔ اس لئے یہاں دوبارہ بیان کرنا بے سود ہے۔ صرف اتنا لکھنا کافی ہے کہ میر سہراب خان نے ۴۷ برسوں کی حکمرانی بعد اپنا ملک اپنے تین بیٹوں کو درج ذیل طریقے سے تقسیم کر کے دیا۔

دو حصے میر رستم خان کو، ایک حصہ میر مبارک خان کو، اور ایک حصہ میر علی مراد خان کو۔ پھر اس نے خود جا کر گوشہ نشینی اختیار کی۔ ایک دن اپنے محل کے دریچے سے نیچے گر گیا اور رحلت کر گیا۔ کچھ شعراء نے اس کی وفات کی تاریخیں یوں بیان کی ہیں:

(۱) طشت از بام افتاد

(۲) سخی ولی میر سہراب بود

دونوں مصرعوں سے الگ الگ ۱۲۴۶ہجری کا سال حاصل ہوتا ہے، جو ۱۸۳۰ء کے مطابق ہے۔ میر صاحب کو خیرپور کے قریب دفن کیا گیا۔

میر رستم خان اپنے والد بزرگوار کی گدی پر بیٹھا۔ میر مبارک خان اور میر علی مراد خان ان دنوں چھوٹے تھے اور اپنے والد کے دئے ہوئے حصوں پر حکمرانی کر رہے تھے۔ مگر میر علی مراد خان تینوں بھائیوں میں چھوٹا تھا، اس لئے اس کے دونوں بھائی اس کے ساتھ بہت حسد وکینہ رکھتے تھے اور مختلف معاملات میں اس سے اُلجھتے رہتے تھے، جس کا تفصیلی احوال ''خیرپورنامہ'' میں لکھا گیا ہے۔ میر سہراب خان کا دوسرا نمبر فرزند میر مبارک خان ۱۲۵۵ہجری مطابق ۱۸۳۹ء میں وفات پا گیا اور اس کا بڑا فرزند میر نصیر خان اس کا جانشین ہوا اور اپنے حصہ پر حکمرانی کرنے لگا، لیکن اپنے والد کی طرح طاقتور نہیں تھا۔ اس لئے ناموری حاصل نہیں کر سکا۔

سندھ کا تیسرا فاتح میرپور خاص کا حکمران

میر ٹھاروخان، فاتح سندھ (میر فتح علی خان) کے تیسرے نمبر ساتھی نے اپنا دارالحکومت میرپور خاص میں مقرر کیا تھا اور بڑی ہمت سے ریگستان کی کچھ زمینیں اپنے ملک میں شامل کر دی تھیں۔ میر صاحب ۱۲۴۵ہجری مطابق ۱۸۲۹ء میں وفات پا گیا۔

اس کا فرزند ارجمند میر علی مراد خان اسی سال اپنی موروثی گدی پر بیٹھا۔ میر صاحب موصوف کے لئے مشہور ہے کہ خدا ترس اور فقیر-دوست تھا۔ بالآخر اپنے لواحقین میں تین فرزند ہر ایک میر شیر محمد خان، میر شاہ محمد خان اور میر خان محمد خان چھوڑ کر، ۱۲۵۲ہجری مطابق ۱۸۳۷ء

میں اس عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف انتقال کر گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

میر شیر محمد خان، جسے عوام ''شیر سندھ'' کہتے تھے، بلکہ تاریخوں میں بھی اسے شیر سندھ لکھا گیا ہے، کمال جرأت اور ہمت سے میر پور خاص میں اپنی موروثی گدی پر جلوہ افروز ہوکر حکمرانی کرنے لگا۔

راقم الحروف کو امید ہے کہ قارئین کرام مذکورہ بالا احوال سے اچھی طرح سمجھ گئے ہوں گے، کہ ۱۲۵۸ہجری مطابق ۱۸۴۲ء میں حیدرآباد میں میر نصیر خان ولد مرحوم میر علی مراد خان، میر میر محمد خان ولد مرحوم میر غلام علی خان، میر صوبدار خان ولد مرحوم میر فتح علی خان اور میر نور محمد خان کے فرزند ارجمند میر شہداد خان اور میر محمد حسین علی خان الگ الگ حصوں پر حکمران تھے۔ خیرپور میں مرحوم میر سہراب خان کے فرزند میر رستم خان، میر علی مراد خان اور میر نصیر خان ولد مرحوم میر مبارک خان اگرچہ اپنے اپنے حصوں پر حکومت کر رہے تھے، تاہم ان کی آپس میں دلی محبت نہیں تھی۔ میر پور خاص میں میر مراد علی خان ولد میر شیر محمد خان حاکم تھا۔ احکم الحاکمین کی حکمت، جو ''تعز من تشاء و تذل من تشاء'' میں پوشیدہ ہے، وقت آنے پر ظاہر ہوگئی۔ مگر اس کے ظہور میں آنے کے کچھ ظاہری اسباب بھی تھے، جن میں سے کچھ یہاں پر بیان کئے جاتے ہیں:

۱- حیدرآباد اور خیرپور کے حکمرانوں میں دشمنی اور اندرون خانہ لڑائی۔

۲- میر صاحبان نے کچھ موقع پر اپنے غیر آزمودگار مشیروں کی مشوروں پر لگ کر، برطانوی سرکار کے عملداروں سے شوخی برتی اور انہیں ناراض کر دیا۔

۳- واجبی عہد ناموں کو غیر واجبی سمجھ کر، ان پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا اور برطانوی سرکار کو، جو بڑی دبدبہ والی سرکار تھی، ناراض کر دیا۔

۴- کچھ موقعوں پر برطانوی لشکر کے سپاہیوں پر حملے بھی کئے گئے اور انہیں لوٹا بھی گیا۔

۵- عہدنامے میں طے شدہ شرطوں کی خلاف ورزی کی مطلب یہ کہ تقدیر ربانی کے مطابق میر صاحبان اور برطانوی سرکار کے درمیان، سوائے میر علی مراد علی خان خیرپوری کے جنہوں نے اپنے بھائیوں اور عزیزوں کا ساتھ چھوڑ کر برطانوی سرکار کا ساتھ دیا۔ محرم الحرام ۱۶۲۰ھ مطابق فروری ۱۸۴۳ء میں اور ماہ صفر ۱۲۶۰ھ مطابق مارچ ۱۸۴۳ء میں دو بڑی جنگیں ایک ''میانی'' میں اور دوسری ''ڈبی'' میں ہوئیں۔ اور دونوں جنگوں میں میر صاحبان کو شکست نصیب ہوئی اور انگریز لشکر کے سالار اور (انگریز حکومت کی طرف سے) مکمل اقتدار کو مالک سرچارلس نپئر کو فتح اور نصرت حاصل ہوئی۔ حیدرآباد اور خیرپور کے میروں نے ہتھیار پھینک دیئے۔ برطانوی سرکار کی تابعداری اور فرمانبرداری قبول کی۔ سوائے میر شیر محمد خان کے، جو شکست کے بعد ریگستان کی طرف پھر خراسان کی طرف اور آخر میں پنجاب جاکر نواب لیفٹیننٹ

گورنر پنجاب کے سامنے پیش ہوئے اور ان کی فرمانبرداری قبول کی۔ دستور کے مطابق میروں کو بروقت نظر بند کیا گیا۔ پہلے بمبئی میں پھر پونا، سوات، کلکتہ اور ہزاری باغ وغیرہ میں برطانوی سرکار کے عملداروں کی نگہبانی میں رہے۔ کئی لوگوں نے نظربندی کی حالت میں اس جہانِ فانی سے عالم جاودانی کی راہ لی۔ اور کچھ زندہ اپنے وطن لوٹ آئے۔ حیدرآباد کے حکمران میر جن کی الگ الگ جگہوں پر وفات ہوئی قارئین کے لئے ان کے نام جن شہروں میں وفات ہوئی ان کے نام اور ان کے وفات کے سال لکھے جاتے ہیں:

۱۔ مرحوم میر نصیر خان — سال ۱۲۶۱ھ بمطابق ۱۸۴۵ء، کلکتہ
۲۔ مرحوم میر صوبدار خان — سال ۱۲۶۲ھ بمطابق ۱۸۴۶ء، کلکتہ
۳۔ مرحوم میر، میر محمد خان — سال ۱۲۷۱ھ بمطابق ۱۸۵۵ء، کلکتہ
۴۔ مرحوم میر شہداد خان — سال ۱۲۷۴ھ بمطابق ۱۸۵۷ء کلکتہ
۵۔ مرحوم میر محمد حسن علی خان زندہ واپس آئے اور ۱۲۹۵ھ بمطابق ۱۸۷۸ء میں حیدرآباد میں رحلت فرمائی۔ اور اپنے آباو اجداد کے حیدرآباد والے قبرستان میں دفنایا گیا۔

خیرپور کے میر صاحبان میں صرف نیچے دیئے گئے دو حکمران سندھ سے باہر نظر بند تھے جو وہیں فوت ہوئے۔

۱۔ مرحوم میر رستم خان — ۱۲۶۲ھ بمطابق ۱۸۴۶ء، پونا
۲۔ مرحوم میر نصیر خان — ۱۲۸۱ھ بمطابق ۱۸۶۴ء، پونا

حیدرآباد اور خیرپور کے میر صاحبان کی لاشیں باہر سے سندھ میں لاکر ان کے آبائی قبرستانوں میں دفن کی گئیں۔

میر شیر محمد خان (میرپور والے) برطانوی سرکار کے نظربند نہ تھے بلکہ پنجاب گئے ہوئے تھے (اور آزاد تھے) میرپورخاص میں زندہ لوٹ آئے آخرکار ۱۲۹۴ھ بمطابق ۱۸۷۷ء میں رحلت فرمائی۔

اوپر لکھا گیا ہے کہ میر مراد علی خان والیٔ خیرپور شروع میں ہی اپنے بھائیوں (رشتہ داروں) کا ساتھ چھوڑ کر اپنے آپ کو فاتح سپہ سالار سرچارلس نیپئر کے حوالے کیا تھا اور برطانوی سرکار کی فتح کے بعد اپنے والد کے دیئے ہوئے حصے پر حکمرانی کرتا رہا اور آخر ۱۳۱۱ھ بمطابق ۱۸۹۴ء میں انتقال ہوا۔ ان کی لاش کربلا معلیٰ لے جاکر سید الشہداء (امام عالی مقام حضرت امام حسین علیہ السلام) کے پڑوس میں دفنایا گیا۔ اس وقت ان کے تیسرے نمبر فرزند سر میر فیض محمد خان صاحب بہادر ان کے جانشین ہیں جن کا احوال تفصیل کے ساتھ راقم الحروف نے اپنی دوسری تصنیف ''خیرپور نامے'' میں درج ہے جس کی وجہ سے دوبارہ لکھنا غیرضروری نظر آتا ہے۔

مناسب ہے کہ تالپر خاندان حکمرانوں کی اولاد کا احوال بھی پڑھنے والوں کی معلومات کے لئے لکھا جائے۔

ا۔ ہز ہائنس میر محمد حسن خان سی۔آئی۔اے فرزند ارجمند میر نصیر خان حکمران حیدرآباد کو برطانوی سرکار کی طرف سے تین ہزار روپے ماہوار پینشن ملتی ہے اور نہایت ہی عزت و وقار کے ساتھ حیدرآباد کے قریب دریائے سندھ کے کنارے پر قیام پذیر ہیں اور بہت خوبصورت بنگلہ اور باغ ہے۔

۲۔ ہز ہائنس میر حاجی نور محمد خان فرزند ارجمند مرحوم میر محمد حسین علی خان (حیدرآباد کے آخری حکمران) کو بھی برطانوی سرکار کی طرف سے تین ہزار روپے پینشن ملتی ہے اور حیدرآباد کے قریب دریائے سندھ کے کنارے پر بے انتہا عزت و وقار کے ساتھ وقت گذار رہے ہیں۔

۳۔ ہز ہائنس میر عبدالحسین خان فرزند ارجمند میر عباس علی خان اور ہز ہائنس میر محمد حسن علی خان سی۔آئی۔اے کے پہلے نمبر بھتیجے کی برطانوی سرکار کی طرف سے آٹھ سو روپے پینشن مل رہی ہے اور حیدرآباد کے دریائے سندھ کے کنارے پر نہایت ہی عزت و وقار کے ساتھ وقت گذار رہے ہیں۔

۴۔ خیرپور کے پہلے حکمران مرحوم میر رستم خان کے نواسے میر رستم خان ثانی کے برطانوی سرکار کی طرف سے ۱۲ سے روپے پینشن ملتی ہے نہایت خوش ہیں اور تعلقہ روہڑی کے دیہہ ''جنوبی'' میں اپنے سگے بھائیوں اور چچا سمیت رہائش پذیر ہیں۔

۵۔ خیرپور کے حکمران مرحوم میر نصیر خان کے فرزند ارجمند ہز ہائنس میر علی مدد خان کو برطانوی سرکار کی طرف سے ۹۵۰ روپے پینشن مل رہی ہے اور تعلقہ روہڑی کی دیہہ ''علی آباد'' میں بہت اچھا وقت گذار رہے ہیں۔

٦۔ میرپورخاص کے حکمران مرحوم حاجی میر شیر محمد خان کے بڑے بیٹے ہز ہائنس میر حاجی فتح خان کو برطانوی حکومت کی طرف سے دو ہزار روپے پینشن ملتی ہے اور میرپورخاص میں بہت خوشی سے اپنا وقت گزار رہے ہیں۔

یہ چھ میر صاحبان سندھ کے حکمرانوں کی اولادیں ہیں، ان کے علاوہ تالپر خاندان کے تقریباً ایک سو تک دوسرے میر صاحبان بھی ہیں جن میں کئی ایک کو مناسب پینشن ملتی ہے اور بہت سی جاگیریں اور زمینیں عطا کی ہوئی ہیں۔جن کی تفصیل بیان کرنے میں طوالت ہوگی، جو اس مختصر کتاب کے اصل مقصد کے خلاف ہے۔ اس لئے راقم الحروف نے طوالت کو ترک کرکے اختصار سے کام لیا ہے اور پڑھنے والوں کی معلومات کے لئے اتنا کافی ہے۔

بابِ سوم

انگریز سرکار کے عملداروں کی حکومت

(۶۰-۱۲۵۹ہجری مطابق ۱۸۴۳ء سے)

تالپوروں کی حکومت کے احوال میں لکھا گیا ہے کہ مرحوم سرمیر علی مراد خان والیء خیر پور کے علاوہ، جس نے انگریز سرکار کی طرفداری کی تھی، سندھ کے دیگر سب تالپور حکمرانوں کو شکست ملی اور سر چارلس نیپئر صاحب بہادر کو مکمل فتح حاصل ہوئی۔ اس کے بعد ہندوستان کے فرمان روا اور گورنر جنرل جناب لارڈ ایلنبر و صاحب بہادر کے حکم مطابق سر چارلس نیپئر سندھ کا گورنر نامزد ہوا۔ اسے کچھ نائب اور مددگار (اسسٹنٹ) بھی دیئے گئے اور اسے سیاسی، فوجی اور مالی اختیاریوں کے ساتھ سرفراز بھی کیا گیا۔ سر چارلس نیپئر سندھ پر قبضہ کرنے کے بعد وہ حصہ، جو مرحوم میر سہراب خان نے اپنے فرزند سرمیر علی مراد خان کو دیا تھا، چھوڑ کر، باقی سارے سندھ پر حکمرانی کرنے لگا۔

سندھ کے گورنر کا مرکز کراچی

اس زمانہ میں سندھ کی حدود، جن پر تالپور حکمران تھے، کچھ اس طرح سے تھیں:

مشرق میں سبزل کوٹ تک۔ شمال میں خانگڑھ (جیکب آباد) تک، جنوب میں ننگر پارکر اور رن کچھ تک اور مغرب میں سمندر تک۔ اگرچہ انگریزوں کی حکومت میں سرکاری کاروبار دستور کے مطابق بڑے اچھے طریقے سے سرانجام دیا جارہا تھا، لیکن کچھ اہم اور عجیب باتیں بھی نمودار ہوئیں، جنہیں اختصار کے ساتھ یہاں درج کیا جاتا ہے:

۱- کچھ اشتہار نکالے گئے، جن میں سے کچھ کا مطلب بیان کیا جاتا ہے۔ (مثلاً) سندھ کا ملک، جو تالپور حکمرانوں کے قبضے اور حکومت کے ماتحت تھا، اب انگریز سرکار کے قبضے اور حکومت کے ماتحت ہے۔اس لئے زرعی زمین وغیرہ کا محصول انگریز سرکار کے عملداروں کو دیا جانا چاہئے۔ اگر سندھ کے باشندوں میں سے کوئی بھی آدمی انگریز سرکار کے خلاف کسی بھی قسم کی کارروائی کرے گا، وہ جانی اور مالی نقصان کا مستحق ہوگا۔ جاگیردار اور وہ لوگ، جنہیں محصول معاف ہے اور وہ ۱۷ فروری ۱۸۴۳ء تک ان زمینوں پر قابض تھے، حاضر ہوکر، سلامی کا پروانہ حاصل کریں اور اپنے محصول معاف زمینوں پر قابض ہو جائیں۔

۱۷ فروری ۱۸۴۳ء کی تاریخ، سندھ کی فتح کی تاریخ تھی، اور سلامی کے پروانے انگلینڈ کی ملکہ معظمہ اور ہندوستان کی قیصرہ (ملکہ وکٹوریہ) کی یوم ولادت (سالگرہ) پر جاری کیئے گئے، علاوہ ازیں میر شیر محمد خان کی گرفتاری کے بارے میں بھی، جو بھاگا ہوا تھا، اچھی تجاویز پر عمل کیا گیا۔

۲- کراچی ضلع کے لئے میجر ہنری پریڈی کو مکمل اختیارات اور مناسب عملہ فراہم کر کے، کلیکٹر اور (ضلع) میجسٹریٹ مقرر کیا گیا۔ اس طرح حیدرآباد ضلع میں کیپٹن رتھبورن کو اور شکارپور ضلع میں کیپٹن گولڈنی کو (کلیکٹر اور میجسٹریٹ) مقرر یا گیا، اور یہ صاحب سپرد کردہ ذمہ داریاں خوش اسلوبی سے بجا لانے لگے۔

۳- کام کاج میں سہولت کے لئے سارے سندھ میں کلیکٹروں کے ماتحت ڈپٹی کلیکٹر مقرر کیئے گئے۔

۴- ڈپٹی کلیکٹروں کے زیر دست دیسی لوگوں کو کاردار اور سزا دل کار مقرر کیا گیا، اور سب کے سب اپنے فرائض کی بجاآوری میں مصروف ہو گئے۔

۵- پولیس ملازمین کا بندوبست کیا گیا، جن میں سوار بھی تھے اور پیادہ بھی، جو پہرہ بھی دیتے تھے اور چوروں کو بھی پکڑتے تھے۔ پولیس محکمہ کے اختیارات کیپٹن مارسٹن صاحب کے سپرد کیئے گئے اور اس کے زیر دست ہر ضلع میں ''ضلع عملدار'' ڈسٹرکٹ سپرنٹینڈنٹ پولیس، الگ سے مقرر کیئے گئے، جنہیں ''کیپٹن'' کہا جاتا تھا، ان کے بالا عملدار (کیپٹن مارسٹن) کو ''کمانڈنگ پولیس'' کہا جاتا تھا۔

۶- سال ۱۲۶۴ہجری مطابق سال ۱۸۴۸ء میں افغانستان کے والی امیر دوست محمد خان کے فرزند اور افغانستان کے وزیر اعظم سردار محمد اکبر خان کے انتقال پُر ملال کی خبر مشہور ہوئی۔

۷- جب حکومت کا زیادہ تر کاروبار جیسا کہ مالی، انتظامی اور سیاسی اچھے طریقے سے سرانجام پانے لگا اور شوروشر فتنہ اور فساد ختم ہوا، تب یعنی ۱۲۶۳ہجری مطابق ۱۸۴۷ء کے آخر میں سرچارلس نیپئر سندھ کا گورنر ولایت (انگلینڈ) روانہ ہو گیا اور وہاں جاکر اپنی خدمات سے سبکدوش ہوا (رٹائر کیا)۔

پہلا کمشنر مسٹر پرنگل صاحب بہادر

سال ۱۲۶۳ ہجری کے آخر میں اور سال ۱۸۴۷ء کے شروع میں مسٹر پرنگل، جو بمبئی (صوبہ) کے چیف سیکریٹری کے عہدے پر فائز تھا، کراچی آیا۔ ان دنوں سندھ کے گورنری کے عہدے میں تخفیف کر کے، اسے کمشنری میں تبدیل کیا گیا، اور سندھ کا کمشنر، بمبئی کے گورنر کے ماتحت رہ کر، کام کرنے لگا۔ اس وقت بمبئی کا گورنر سرجارج کلارک تھا۔ اگرچہ اس کمشنر (مسٹر پرنگل) کے دنوں میں حکومت کا کاروبار بہت ہی اچھے طریقے سے چل رہا تھا، مگر ایک بڑی بات جو اس وقت رونما ہوئی وہ یہ تھی، کہ والیء خیر پور سر میر علی مراد خان، سندھ کے کچھ حصے، جو دراصل انگریز سرکار کے تھے، اپنے قبضے میں رکھے، جس وجہ سے سرکاری صلاحکاروں کے سامنے اس حقیقت کی تفتیش کے لئے تجویز پیش کی گئی۔ تفتیش کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان حصوں پر انگریز سرکار کا حق ثابت ہو گیا، جس کی رپورٹ اوپر (انگریز سرکار کو) بھیج دی گئی۔ اس امر کا مفصل احوال ''خیر پورنامہ'' میں درج کیا گیا ہے۔ اس لئے دوبارہ اس کے لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر اس کتاب کے پڑھنے والوں کو یہ بات معلوم کرنے کی خواہش ہو، تو ''خیر پور نامہ'' صفحہ ۳۶ سے ۴۱ تک ملاحظہ فرمائیں۔

۲- سال ۱۲۶۶ ہجری مطابق سال ۱۸۴۹ء میں ہندوستان کے فرمانروا اور گورنر جنرل لارڈ ڈلہوزی صاحب بہادر نے سندھ سے دریا کے راستے سفر کیا۔

۳- مذکورہ بالا سالوں میں پہلی اور دوسری پلٹن ''بلوچی'' اور ''سندھی'' قائم کرنے کی تجویز پر عمل درآمد کیا گیا۔ یہ پلٹنیں تا حال قائم ہیں اور زیادہ تر سندھ کے اندر ہی رہتی ہیں۔

۴- سال ۱۲۶۶ ہجری مطابق سال ۱۸۴۹ء میں ملتان کا قلعہ اور پنجاب کا صوبہ انگریز سرکار کے قبضے میں آ گیا۔

کئی امور کی سرانجامی کے بعد سال ۱۲۶۷ ہجری مطابق سال ۱۸۵۰ء میں یہ کمشنر بھی ولایت (انگلینڈ) چلا گیا اور وہیں گھر میں بیٹھ گیا (رٹائر کیا)۔

دوسرا کمشنر سر بارٹل فریئر صاحب بہادر

۱۲۶۸ ہجری مطابق ۱۵۸۱ء کی ابتدا میں بمبئی سے کراچی آیا اور سندھ کی کمشنری کا چارج لیا۔ پہلے مسٹر ایلیس صاحب اور مسٹر بیلاسس صاحب اس کے اسسٹنٹ تھے۔ اس کمشنر کے زمانے میں اگرچہ کئی کام سرانجام ہوئے، لیکن بطور ''مشتی نمونہ از خرواری''۔ یہاں کچھ امور کا تذکرہ کیا جاتا ہے، جو ظاہر ہیں اور ان کا اثر تا حال قائم ہے:

۱- ۱۲۶۹ ہجری مطابق ۱۸۵۲ء میں ہندوستان کے فرمانروا اور گورنر جنرل جناب

مارکوئیس آف ڈلہوزی صاحب بہادر کے حکنامہ کی تعمیل کی گئی، جو سندھ کی ان دیہوں کی واپسی سے متعلق تھا، جو میر علی مراد خان کے قبضے میں تھیں، اور جن کے بارے میں اوپر (انگریز سرکار کو) رپورٹ بھیجی گئی تھی۔ گورنر جنرل صاحب بہادر اپنی فوج ظفر موج سمیت روہڑی کے نزدیک منزل انداز ہوا اور ان دیہوں کی واپسی کے لئے مناسب انتظام کیا، اور وہ حصے واپس لے کر شکارپور اور حیدرآباد ضلعوں میں شامل کر دیئے گئے، جن پر انگریز سرکار کے عملداروں کا عمل دخل رہا، جو تا حال اُسی طرح قائم ہے۔ وہ دیہیں یہ ہیں: (۱) ڈہرکی (۲) مہرکی (۳) ماتھیلو (۴) بلدکو (۵) موغلجا (۶) ساہتی (۷) لدھوگاگن (۸) چک ہزارچو اور (۹) روپا وغیرہ۔

۲- مذکورہ بالا سالوں میں سندھ کے باشندوں کی سہولت کی خاطر سندھی حروف عربی رسم الخط میں لکھنے کا فرمان جاری ہوا اور سندھ میں مکتب اور مدرسہ (اسکول) قائم کرکے، سندھی زبان میں تعلیم دینے کا رواج ڈالا گیا۔ سرکاری دفتر، جن میں فارسی زبان رائج تھی، ان میں فارسی کا رواج بند کر کے، سندھی زبان اور سندھی رسم الخط رائج کیا گیا۔ سندھ کے باشندے اس سہولت کی وجہ سے، جو انہیں خط و کتابت میں میسّر کر کے دی گئی، بہت خوش ہوئے۔ اس کام میں مسٹر ایلیس کے مشورے کو بڑا دخل تھا۔

۳- مذکورہ بالا سالوں میں سندھ کے ہر ضلع میں پٹواری، کاردار، مختیارکار اور ان پر افسر مقرر کئے گئے۔ ان سرکاری ملازمین سرکار کے حصہ (محصول) وصول کرنے کے ساتھ ساتھ زمینداروں اور آبادگاروں کے ساتھ بھی ایسا اچھا اور سہولت والا برتاؤ کیا گیا، کہ رعایا بہت ہی خوش ہوئی۔

۴- مذکورہ بالا سالوں میں نواب بہاول خان والیءِ ریاست بہاولپور کی وفات کی خبر آئی اور انگریز سرکار نے مرحوم نواب صاحب کے فرزند کے بڑے ہونے تک ریاست کا انتظام اپنے ہاتھ میں رکھا۔

۵- ان سالوں میں دیوانی مقدمات نبٹانے اور قرضخواہوں اور قرضداروں سے انصاف کرنے کے لئے حیدرآباد اور شکارپور میں، جو سندھ کے سب سے بڑے شہر تھے، منصف مقرر کئے گئے، جو بڑے عمدہ طریقے سے انصاف کر رہے تھے۔ ان شہروں کے بالا عملدار میجسٹریٹ صاحبان ہوا کرتے تھے۔ ان منصفوں کو فی زمانہ سبارڈینیٹ جج کہتے ہیں، جو اکثر شہروں میں مناسب موقعوں پر انصاف مانگنے والوں سے انصاف کرتے ہیں۔

۶- ان ہی سالوں میں سندھ کے بڑے شہروں میں ''قاعدہ نمبر ۲۶، سال ۱۸۵۲ء'' جاری کیا گیا، جس کا مطلب تھا ان شہروں میں صفائی اور روشنی۔ اس ادارے کو، جس کے ہاتھ میں صفائی اور روشنی کا بندوبست ہے، ''میونسپالٹی'' کہا جاتا ہے، اور یہ ادارہ اب کئی نوع کے قواعد پر مشتمل ہے۔

۷- ان ہی سالوں میں کسانوں، کھاتیداروں اور زمینداروں کی آبادی میں اضافے کی غرض سے بڑے نارے (مشرقی کینال) کے بھل صفائی، صفائی اور وسعت کا بندوبست کیا گیا، جو تا حال قائم ہے۔

۸- سال ۱۲۷۰ ہجری مطابق سال ۱۸۵۳ء میں حیدرآباد اور میرپور خاص کے میر صاحبان میں سے اکثر آزد ہوکر، سندھ میں اپنی اپنی جگہ پر واپس آئے، جو کلکتہ، ہزاری باغ، بونی اور لاہور وغیرہ شہروں میں انگریز سرکار کی نظر بندی میں تھے۔ یہ سارے میر صاحبان اپنی حیثیت اور درجہ کے مطابق انگریز سرکار سے وظائف اور زمینیں عطیے حاصل کر کے، گذارہ کر رہے ہیں۔

۹- سال ۱۲۷۱ ہجری مطابق سال ۱۸۵۴ء میں جاگیروں کے معاملات مکمل ہوئے۔ اگرچہ اس سے پہلے بھی سندھ کے جاگیرداروں کی جاگیروں کے معاملات مرحوم کیپٹن اسٹاک صاحب بہادر اسسٹنٹ کمشنر (برائے جاگیرات) نے نبٹائے تھے۔ مگر صاحب موصوف کی وفات کے بعد کیپٹن (اب ''سر'') فریڈرک گولڈ اسمڈ صاحب بہادر نائب اول (سینئر اسسٹنٹ) اور کیپٹن (اب ''سر'') لیوئس بیلی صاحب بہادر، نائب دوم (جونیئر اسسٹنٹ) کو اس کام کے لئے اور دفتر دے کر، انگریزی دان اور فارسی دان عملہ مقرر کیا گیا۔ اسی عملے میں راقم الحروف بھی شامل تھا۔ میں نے اگرچہ اس سے کئی مہینے پہلے شکارپور کے ڈپٹی میجسٹریٹ صاحب کے دفتر میں منشی کے طور پر کام کیا تھا، مگر مجھے پکی ملازمت مذکورہ بالا سالوں میں پندرہ برس کی عمر میں ملی، جیسا کہ درج ذیل نوٹ کے ترجمہ سے ظاہر ہوتا ہے، جو دراصل انگریزی میں ہے:

منشی خداداد خان اچھی چال چلن کا سٹیفکیٹ مانگ رہا ہے۔ بندہ ہوشیار نظر آتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ آفیس کے کام کاج کے لئے کارآمد ہوگا، بشرطیکہ اس پر نظر رکھی جائے۔

دستخط

میجر گولڈ اسمڈ صاحب بہادر

اسسٹنٹ کمشنر جاگیرات سندھ

سال ۱۲۷۳ ہجری مطابق سال ۱۸۵۶ء کی ابتدا میں سر بارٹل فریئر صاحب بہادر آب و ہوا کی تبدیلی کی خاطر اٹھارہ مہینوں کی چھٹی پر ولایت (انگلینڈ) چلا گیا۔

تیسرا کمشنر: جنرل جیکب صاحب بہادر

بڑے عرصے سے سرحد سندھ (جیکب آباد) میں سیاسی معاملات اور سرحدی رسالہ

(فوجی دستہ) کی سربراہ کی حیثیت میں معزز عملدار تھا۔ مذکورہ بالا سال (۱۸۵۶ء) میں جیکب آباد سے آ کر، سندھ کے ایکٹنگ کمشنر کے عہدے کو رونق بخشی۔ ان دنوں پہلے آنریبل گبس اور شالسٹوئرٹ صاحب اس کے اسسٹنٹ تھے۔ سرکاری کام کاج عمدہ طریق سے اور بڑی جرأت سے سرانجام دیتا تھا، کیونکہ فوجی آدمی تھا۔ اس کا بہترین کارنامہ یہ تھا، کہ اناج کی قیمت اس نے دکاندار کی مرضی پر چھوڑی اور مزدوروں اور کاریگروں کی اجرت مزدوروں اور کاریگروں کی مرضی پر چھوڑی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ دکاندار اور محنت مزدوری کرنے والے اپنی مرضی سے دام اور اجرتیں لیں۔ اس صورت میں کسی پر بھی کوئی زور زبردستی نہ رہی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آزادی کی اس تجویز کی وجہ سے بہت سارے لوگ خوش ہوئے اور اپنے کام کاج اپنی مرضی کے مطابق کرنے لگے۔

۲- اُسی سال (۱۸۵۶ء میں) سر میر علی مراد خان والیء خیرپور انصاف حاصل کرنے کے لئے انگلینڈ چلا گیا لیکن اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوا۔

۳- پنجاب سے ایک سروے آفیسر کیپٹن میگڈالن اپنے عملہ سمیت سندھ میں آیا، جس نے سندھ کے اکثر حصوں، شہروں اور گھروں کا سروے کیا اور حدود مقرر کر کے، برج اور مینار تعمیر کروائے، جن میں سے کئی ایک کے آثار تا حال ظاہر ہیں۔

۴- سال ۱۲۷۴ ہجری کے آخر مطابق ۱۸۵۷ء کی ابتدا میں ایران کے ''بوشہر'' اور اس کے گرد و نواح میں برپا شدہ فساد کا مقابلہ کرنے کے لئے، اپنے اسسٹنٹ سر لیوئس بیلی سمیت روانہ ہوا، اور سندھ کی کمشنری کی ذمہ داری مسٹر ایلیس کے سپرد کر گیا، جو دکھن میں کمشنر تھا (یہ ایک عارضی انتظام تھا)۔ اس کے بعد سر بارٹل فریئر چھٹی کر کے واپس آ گیا اور پھر کمشنری کے عہدے پر فائز ہوا۔

۵- سال ۱۲۷۴ ہجری مطابق سال ۱۸۵۷ء میں ہندوستان کے کئی ایک شہروں میں بڑا فساد اور عام غدر برپا ہوا، اور اس کا اثر سندھ کے بڑے شہروں، کراچی، حیدرآباد، شکارپور اور جیکب آباد پر پڑا۔ جس وجہ سے الگ الگ پلٹنوں کے آفیسر اور سپاہی بھی اسی شورش اور فساد میں شریک ہوئے اور نافرمان ہو گئے۔ مگر (سندھ میں) آنریبل سوگبس صاحب بہادر جڈیشل اسسٹنٹ کمشنر سندھ، اور اسی زمانہ کے دیگر بالا عملداروں کی دانائی، لیاقت اور صلاحیت کی وجہ سے، یہ سخت اور اہم ترین مہم اس طریقے سے ختم ہوئی، کہ فسادی گرفتار ہوئے اور اپنے بداعمال کے سبب سزایافتہ ہوئے۔ ان میں سے کچھ کو توپوں سے اڑایا گیا اور کچھ کو پھانسی پر لٹکایا گیا۔ ایسی سختی کے وقت میں جن لوگوں نے (انگریز سرکار کی) مدد اور خیرخواہی کی، انہیں انعام واکرام دیئے

گئے۔ بیشک، ہر کہ خدمت کرد، او مخدوم شد (جس نے خدمت کی، وہ مخدوم ہوا)۔

راقم الحروف کو یاد پڑتا ہے کہ اس سختی کے دور میں سندھ کے جتوئی سردار امام بخش خان اور خان بہادر الف خان ترین (پٹھان) پر انگریز سرکار پر بدخواہی کرنے اور اس کی مدد سے انکار کرنے کے الزامات لگائے گئے تھے۔ سچ کہتے ہیں کہ ہر کہ خود را دید، او محروم شد (جس نے خود کو کچھ سمجھا، وہ بے نصیب ہوا)۔ سردار جتوئی کو سزا کے طور پر ہزار ہا روپیوں کی آمدنی والی جاگیر سے ہاتھ دھونے پڑے اور الف خان کو سالانہ ایک ہزار روپیوں کے وظیفے سے محروم ہونا پڑا، اور یوں دونوں سرکار کی نظروں سے گر گئے۔ اس وقت سردار امام بخش خان کا بیٹا فتح خان جتوئی اور الف خان کا بیٹا پیر بخش خان ترین شکارپور تحصیل کے زمیندار ہیں، جو اپنی زمینداری کی آمدنی پر گذارہ کرتے ہیں اور اپنے بڑوں کی یادگار ہیں۔

انگریز سرکار مسٹر بارٹل فریئر کو ''سر'' کے خطاب سے نوازا، جو اپنی حکمرانی کی ذمیداریاں نہایت ہی ہوشیاری سے اور عوامی بھلائی کے خیال سے سرانجام دے رہا تھا۔

۶- اسی سال یعنی ۱۲۷۴ہجری مطابق ۱۸۵۷ء میں کراچی سے کوٹری تک ''آگ گاڑی'' (ریل) کی منظوری ملی، جس کا سنگ بنیاد سر بارٹل فریئر نے رکھا۔ اس کی کمشنری کے زمانے میں ریل گاڑی (کراچی سے) ملیر تک چلا کرتی تھی۔ پبلک اس عوامی سہولت کی وجہ سے بے حد خوش ہوئی۔

۷- اسی سال سندھ میں مسقط کے امام سید سیونی (؟) صاحب کی وفات کی خبر آئی۔

۸- سال ۱۲۷۶ہجری مطابق ۱۸۵۸ء کے آخر اور ۱۸۵۹ء کی ابتدا میں، میجر (بعد میں ''سر'') فریڈرک گولڈ اسمڈ کو عمرکوٹ کے راستے جیسلمیر کی طرف اور وہاں سے پوکران اور مارواڑ کے دیگر حصوں کی طرف معلومات حاصل کرنے کی غرض سے اور کچھ اور مصلحتوں کی خاطر بھیجا گیا۔ جس طرح کہتے ہیں کہ ''رموز مملکت خویش خسروان دانند'' (بادشاہ اپنی بادشاہی کے راز خود جانتے ہیں)۔ اسے جیسلمیر کے والی مہاراول رنجیت سنگھ اور پوکران کے ٹھاکر بھبوت سنگھ سے ملاقات کرنے کا حکم دیا گیا۔ اسی سفر میں کیپٹن ڈکنسن کو فوجی دستہ ''سندھ ہارس'' سمیت اس کے ماتحت مقرر کیا گیا۔ راقم الحروف کو بھی اس کی خدمت میں رہنے کا حکم دیا گیا۔ مارواڑ میں تقریباً تین مہینے گذارے گئے۔ پھر روہڑی (سندھ) میں واپس آ گئے۔ اس سفر کا احوال کتاب ''وقائع سیر جیسلمیر'' (مطبوعہ ۱۲۸۳ہجری مطابق ۱۸۶۷ء) میں درج کیا گیا ہے، جو راقم الحروف کا

تصنیف کردہ ہے۔ قارین کرام اس کتاب کا مطالعہ کریں۔

اس خطرناک سفر کے سبب راقم الحروف کو آفرین نامہ، تلوار، دو برتن اور پیچی زری یعنی پگڑی اور بنارسی شال عطا کرکے، مسرت بخشی گئی۔ بیشک، یہ اچھی عادات ان سخی سرداروں کی ہوتی ہیں، جوکسی خدمتگار کا حق ضایع نہیں کرتے۔ جو تحریر (آفرین نامہ) اس خاص خدمت کے عیوض راقم الحروف کو عطا کی گئی ہے، وہ کسی مناسب موقعہ پر پیش کی جائے گی۔

اگرچہ سر بارٹل فریئر کا تذکرہ انتظامی کاموں کی سرانجامی کے بارے میں مفصل اور تعریفی انداز میں کیا گیا ہے، تاہم (یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ) ۱۲۷۶ ہجری مطابق ۱۸۵۹ء میں جب اسے سپریم کاؤنسل کلکتہ کے میمبر ہونے کا اعزاز عطا کیا گیا، تو کلکتہ روانہ ہونے کے وقت سندھ کے کچھ معزز لوگوں کو، جن کی تعداد تقریباً ڈیڑھ سو تھی، الوداعی خطوط لکھے، جن کی نقل یہاں درج کی جاتی ہے۔ یہ لوگ اس کی حسن کارکردگی، نیک نیتی، بردباری اور خوش خلقی کے سبب سے، ممنون و مشکور تھے۔ لوگوں میں اس اچھے اثر کی وجہ سے ان سے چندہ وصول کیا اور کراچی میں ''فریئر ہال'' کے نام سے ایک عالیشان عمارت تعمیر کروا کر اپنی یادگار چھوڑی، جو تا حال موجود ہے۔ اس چندہ میں راقم الحروف کی تھوڑی سی رقم بھی شامل تھی۔

الوداعی خط کی نقل

جیسا کہ حضور ملکہ محتشمہ صاحبہ بہادرہ دام اقبالھا و اجلالھا[1] کی سرکار بلند اقتدار نے مجھے سپریم کاؤنسل کلکتہ کا ممبر مقرر فرمایا تھا، اس لئے اپنی رائے کے اظہار کے علاوہ، جو میں سندھ کے باشندوں سے متعلق رکھتا ہوں (اتنا ضرور کہوں گا کہ) میں سدھ کو چھوڑنا نہیں چاہتا۔ میں نے نو برس سندھ میں گذارے ہیں اور ہمیشہ سندھ کی بھلائی کی خواہش رکھتا رہا ہوں۔ اس لئے چاہتا ہوں کہ جانے سے پہلے دل کی خوشی اور مسرت سے، آپ لوگوں سے مل کر، آپ لوگوں کی نمک حلالی اور اچھے سلوک کا اظہار کروں۔ لیکن چونکہ سرکار کے حکم کے مطابق مجھے جلدی روانہ ہونا پڑ رہا ہے، اس لئے یہ چند سطور ''وداع نام'' (الوداعی خط) کی لکھی جاتی ہیں، تا کہ سند رہیں اور (بذریعہ ان کے) سندھ کو اور سندھ کے سرداروں کو ''خدا حافظ'' کہا جائے۔ میں جہاں کہیں بھی رہوں گا، انشاء اللہ سندھ کی بھلائی کی خاطر کوشش کرتا رہوں گا۔ آپ کے اچھے برتاؤ کی وجہ

[1] عظمت اور حشمت والی رانی، خدا کرے اس کا بخت اور مرتبہ ہمیشہ قائم رہے۔

سے، جس طرح میری ایام کاری میں تھا، انگریز سرکار کو اطمینان میسر رہا ہے۔ امید ہے کہ میں آپ سے متعلق ہمیشہ ایسا ہی سنتا رہوں گا، کہ آپ میرے بعد میرے جانشین سے بھی اِسی طرح (وفاداری سے) پیش آتے رہے ہو۔

تاریخ ۱۷ اکتوبر ۱۸۵۹ء (مطابق ۱۲۷۶ ہجری)۔

دستخط

سر بارٹل فریئر صاحب بہادر

کمشنر سندھ

قارئین کرام سمجھتے ہوں گے کہ مذکورہ بالا الوداعی خط جیسا کہ سندھ کے معزز لوگوں کی طرف لکھا ہوا ہے، اس لئے اس سے سر بارٹل فریئر کی خوش خلقی کا اظہار ہوتا ہے۔ قارئین کرام کو اگر ناگوار نہ گذرے، تو سر بارٹل فریئر کو غرباء، ضعفاء اور مفلس لوگوں سے جو ہمدردی تھی، بے زبان اور عاجز قلم اس سے متعلق بھی کچھ لکھنے کی جرأت کرے، تا کہ قارئین کو حقیقت معلوم ہو جائے۔

۱- کراچی کے میر بحروں کے محلہ میں ایک بوڑھا رہتا تھا، جس کا نام ''بڈھو'' تھا۔ بہت ہی غریب اور عیالدار تھا۔ اس کے گھر کا خرچا بھی بڑھا ہوا تھا۔ سر بارٹل فریئر اسے ''بابا بڈھو'' کہتا تھا اور اس کے غریبی حال پر مہربانی کی نظر کر کے اس کی دو کشتیوں کا محصول اس نے معاف کر دیا تھا۔ آٹھویں دسویں دن یا کبھی کبھی مہینے مہینے اس کے ہاں جاتا تھا، اس سے حال احوال لیتا تھا اور اس کے بیٹے کو کچھ پیسے دے کر آتا تھا، جسے اس نے اپنا بھائی بولا تھا اور اس کی بیوی کو اپنی ماں بولا تھا۔

۲-سلیمان نامی ایک درزی تھا، جس کی دکان کلاتیوں کی مسجد کے نزدیک سیٹھ ناؤں مل کے محلہ کے قریب ہوا کرتی تھی۔ وہ درزی بہت عمر رسیدہ اور نہایت ہی مسکین اور نادار تھا۔ سر بارٹل فریئر کو اس کی مسکینی کا پتہ چلا تو ہمیشہ اس کی دکان پر جانے لگا اور ہر دفعہ اسے نقد رقم دے کر، اس کی مدد کرتا رہا۔

۳- تیسرا شخص ایک بوڑھا برہمن فقیر تھا، جو کسی کام کی غرض سے اس کی خدمت میں حاضر ہو کر عرضگذار ہوتا تھا، لیکن چونکہ اس کا کام قانون کے دائرے سے باہر تھا، اس لئے (وہ پورا نہیں ہوا، اور وہ) ہمیشہ صاحب بہادر کے پیچھے پیچھے پھرتا رہتا تھا۔ صاحب بہادر اسے ''چوبدار بابا'' کہتا تھا اور اس سے بھونے ہوئے چنے وغیرہ لے کر کھاتا تھا۔ سر بارٹل کراچی سے جاتے

وقت ان تینوں کی تصویریں اپنے ساتھ لے گیا۔ بیشک، یوں ہی ہونا چاہیئے تھا، کیونکہ کہا جاتا ہے کہ: کہ حق شرم دارد ز موئے سفید (اللہ تعالیٰ سفید بالوں سے شرم کرتا ہے)۔

۴- جنرل جان جیکب صاحب بہادر، سرحد سندھ کا پولیٹیکل سپرنٹینڈنٹ اور سندھ کے فوجی رسالہ کا ناظم ۱۸۵۹ء میں اس جہان پرملال سے انتقال کر گیا۔

چوتھا کمشنر: مسٹر انوار ریٹی صاحب بہادر

مسٹر انوار ریٹی ۱۲۷۶ ہجری مطابق ۱۸۵۹ء کے آخر میں کراچی پہنچا اور سندھ کی کمشنری کی کرسی پر جلوہ افروز ہوا۔ پہلے اپنے اسسٹنٹس ۱- مسٹر شا اسٹوئرٹ اور ۲- آنریبل مسٹر گبس کے مشورے سے سرکاری کاروبار کی سرانجام دیتا رہا اور پھر میجر فریڈرک گولڈ اسمڈ کے مشورے سے۔ مگر ایسے کام، جن کا اثر ابھی تک نمایاں ہے یا ایسی عجیب سی باتیں، جو اس کے دور حکومت میں ہوئیں، مختصراً یہاں درج کی جاتی ہیں:

۱- ۱۲۷۷ ہجری مطابق ۱۸۶۰ء میں آگ گاڑی یعنی ریل گاڑی ''دابیجی'' کی اسٹیشن تک چلنے لگی، ۱۲۷۸ ہجری مطابق ۱۸۶۱ء کی ابتدا میں بمبئی کا گورنر سر جارج کلارک صاحب بہادر کراچی پہنچا اور انوار ریٹی کے ساتھ ریل پر سوار ہو کر دابیجی پہنچا اور وہاں سے مہاری اونٹوں پر[۲] جو مرحوم خان بہادر مراد خان نے مہیا کئے تھے، سوار ہو کر، گھارہ میں قیام پذیر ہوئے، اور وہاں سے تانگہ میں بیٹھ کر مکلی کی پہاڑی پر آئے، اور مکلی سے مہاری اونٹوں پر سوار ہو کر، دریا تک آئے، جہاں پر جہاز لنگر انداز تھا۔ جہاز پر سوار ہو کر، سہون پہنچے اور منچھر جھیل پر سیر و شکار کیا۔ پھر حیدرآباد آئے، اور قلعہ والے بنگلہ میں دربار منعقد کر کے، جاگیرداروں کو پشت بہ پشت جاگیروں کی سندیں عطا کیں۔

اس سارے سفر میں راقم الحروف بھی (دوبارہ) صاحب بہادر کے ساتھ تھا۔ راقم الحروف کو ایک عجیب لطیفہ یاد آ رہا ہے۔ اگر قارئین کو ناگوار نہ گذرے تو اسے یہاں لکھنے کی جرأت کرے۔

سر جارج کلارک صاحب بہادر نے کئی سال افغانستان میں گذارے تھے، اس لئے فارسی زبان میں اچھا خاصا درک انہیں حاصل تھا۔ حسن اتفاق ایسا ہوا، کہ سہون کے سرداروں میں

---

[۲] ''مہاری'' کی نسبت ''مہرہ بن حیدان'' کی طرف ہے، جو یمن کا قبائلی تھا اور اونٹوں کی خوب خدمت اور پرورش کرتا تھا۔ سندھ میں عرب حکومت کے زمانے میں مہرہ بن حیدان کے اونٹ آئے تھے، جو، ''مہارۃ اونٹ'' کے نام سے مشہور ہوئے۔ فی زمانہ بھی ''مہری اونٹ'' مشہور ہیں، جو سواری کے کام آتے ہیں اور نہایت ہی تیز رفتار ہوتے ہیں۔ (ن-ب)۔

سے ایک سردار کی طرف سر جارج کلارک کی طرف سے فارسی میں ایک خط راقم الحروف سے لکھوایا گیا، جو اس موقع پر خدمت میں حاضر تھا۔ صاحب موصوف خط کی عبارت اور اندازِ تحریر دیکھ کر، بہت خوش ہوا اور مجھ سے فارسی میں پوچھا کہ ''ای بچہ! از سرکار بتوچہ می رسد؟'' (بیٹے! تجھے سرکار سے کیا ملتا ہے؟)۔ ان دنوں راقم الحروف کی تنخواہ پندرہ روپے تھی۔ جس میں سے انکم ٹیکس کی مد میں آٹھ آنے کٹوتی ہوا کرتی تھی۔ اس لئے راقم الحروف نے جواب میں عرض کیا کہ ''جناب! ۱۴ روپے آٹھ آنہ۔'' اس پر قہقہہ مار کر ہنسا اور میجر گولڈ اسمڈ کو، جو اس جہاز میں تھا، بلوا کر پوچھا۔ میجر صاحب نے تفصیل سے ساری حقیقت عرض کر دی، اور پھر راقم الحروف کو قدرے غصہ سے کہا کہ ''گورنر صاحب بہادر کے حضور میں جھوٹ بولنا مناسب نہیں تھا۔'' راقم الحروف نے عرض کیا کہ ''میں نے کوئی جھوٹ نہیں بولا۔ مجھے سرکار کی طرف سے جو ملتا ہے، وہ ہی عرض کیا ہے۔'' الغرض، اس وقت پانچ روپیوں کا اضافہ کر کے، تنخواہ تیس روپے کر دی گئی۔ بیشک، کبھی کبھی تجاہل (ان جان بننا) بھی ترقی اور خوشی کا باعث بنتا ہے، جیسا کہ بیان کیا گیا۔

۲- ۱۲۷۸ ہجری مطابق ۱۸۶۱ء میں میجر ہنری گرین صاحب بہادر پولیٹیکل سپرنٹینڈنٹ اپر سندھ فرنٹیئر اور اس کے بھائی ولیم گرین صاحب بہادر خاص ڈیوٹی پر کراچی بندر سے گوادر بندر (جو مسقط کے ماتحت تھا) روانہ ہوئے۔ راقم الحروف کو بھی (تیسری بار) اس کی ماتحتی میں مقرر کر کے بھیجا گیا۔ دونوں صاحب موصوف گوادر کے والی خدابخش کورائی بلوچ سے چند سیاسی معاملات طے کر کے، اور سمندری سفر، جو بہت سخت تھا، ختم کر کے کراچی واپس آئے۔ اس موقع پر راقم الحروف کو ایک عجیب لطیفہ یاد آ رہا ہے اور چاہتا ہے کہ اسے یہاں لکھ لیا جائے:

سمندری بندرگاہوں کے باشندوں کو معلوم ہوگا کہ اپریل، مئی اور جون کے مہینے میں وہاں کے لوگ سمندر کو ''آخر'' کہتے ہیں۔ چونکہ مذکورہ صاحبان کا جانا ''جون'' میں ہوا تھا، جو خاص طور پر ''آخری'' مہینہ ہے، اور اس وقت سمندر میں سخت شور اور لہریں بپا تھیں۔ اس لئے گوادر کے لوگ مجھ سے پوچھنے لگے کہ ''اس آخر میں تیرا آنا کیسے ہوا ہے؟'' راقم الحروف نے مذاق میں انہیں جواب دیا کہ ''مجھے اجل آخر میں لے آیا ہے۔''

ان چند سطور کے لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ قارئین کو پتہ چلے کہ ان مہینوں میں سمندر کے اندر سخت شور بپا ہوتا ہے، اس لئے سمندری سفر میں بے پرواہ ہونا مناسب نہیں ہے۔

۳- مندرجہ بالا سالوں (۱۲۷۸ ہجری مطابق ۱۸۶۱ء) میں میجر (پھر ''میجر جنرل سر'') فریڈرک گولڈ اسمڈ صاحب بہادر کو مکران کے کنارے، کراچی سے استنبول تک تار (ٹیلیگراف) لگانے کا بندوبست کرنے کے لئے خصوصاً مقرر کیا گیا۔ کیپٹن کیمال صاحب بہادر ''رسالہ ہارس سندھ'' کا کمانیئر اور ڈاکٹر لالر صاحب بہادر اس کے ماتحت مقرر کئے گئے۔ راقم الحروف بھی

(چوتھی بار) ان کی خدمت میں ان کے ساتھ روانہ ہوا۔

کراچی سے روانہ ہو کر، ''سون میانی'' (لس بیلہ) پہنچے اور وہاں کے حاکم جام میر خان صاحب کے ہاں آرام کر کے، ہم پسنی (مکران) چلے گئے اور وہاں کلمیتوں (یا کرمتین) کے سردار میر بہرام خان کے ساتھ عہدنامہ ہوا۔ پھر ''اورمارہ'' جانا ہوا۔ جہاں پر میر فقیر محمد بزنجو کے ساتھ (جو خان قلات کے ماتحت کیچ کا نائب تھا، پکہ بندوبست کر کے، گوادر بندر کو ہم چلے گئے، جہاں امام مسقط کے وکیل ملا عیسیٰ خان کے ساتھ، جو صاحب بہادر کے جانے سے پہلے معطل (نوکری سے برطرف) تھا، گوادر کے والی کے ساتھ ملنا ہوا اور اس کے ساتھ عہدنامہ کیا گیا۔ یہ پورے دو مہینوں کا سفر تھا۔ جہاز پر سوار ہو کر سمندر کے راستے کراچی واپس آ گئے۔

راقم الحروف کو اس خدمتگذاری کے عیوض ایک لونگی عطا کی گئی۔ اس سفر کا مفصل احوال کتاب ''مکران نامہ'' میں تاریخ دار درج ہے، جسے میں نے ہی تصنیف کیا ہے۔ اگر قارئین میں سے کسی کو اس سخت اور دشوار سفر کا احوال معلوم کرنا ہو تو اس کتاب سے معلوم کرے، جو نہایت ہی عجیب اور دلچسپ ہے۔

۴- ۱۲۸۹ھ ہجری مطابق ۱۸۶۲ء کی ابتدا میں ''ننگر پارکر'' شہر (ریگستان) کے رانوں اور گرد و نواح کے جاگیرداروں نے چند لوگ اکٹھے کر کے، انگریز سرکار کے خلاف شورش اور فساد برپا کیا، تاریں کاٹ ڈالیں، تحصیلدار کے دفتر سے حکومتی خزانہ لوٹ لیا، شہر کو آگ لگا دی اور کچھ لوگوں کو قتل بھی کیا اور کچھ کو زخمی بھی کر دیا۔ اس کے بعد ''جبل کھاراہ'' میں جا کر چھپ گئے، جو ننگر شہر کے قریب ''بھج'' اور ''ڈیسہ'' کی سرحد پر ایک بڑا پہاڑ ہے۔ کمشنر صاحب بہادر خود اپنے عملے، حیدرآباد کے کلیکٹر اور سپرنٹنڈنٹ پولیس، بلوچ رجمنٹ اور دیگر کئی عملداروں، ٹھاکروں اور زمینداروں کے ساتھ سرزمین پر پہنچا، اور مجرموں کو گرفتار کروا کر انہیں سزائیں دیں۔ جن لوگوں نے اس مہم میں انگریز سرکار کی مدد کی، انہیں جاگیریں، بارانی زمینیں، تلواریں اور لونگیاں وغیرہ انعام میں دے کر خوش کیا۔ پھر کراچی واپس آ گیا۔ راقم الحروف کو، جو کیپٹن ٹیروڈ صاحب کی خدمت میں تھا، آفرین نامہ دیا گیا، جو آگے چل کر درج ذیل تحریروں میں سے قارئین کے ملاحظہ میں آئے گا۔

۵- مذکورہ سالوں میں کچھ تعمیری کام بھی کرائے گئے، جن میں سے بڑی بیگاری اور مٹھڑاؤ واٹر کورسوں کی بھل صفائی کرانے اور انہیں کشادہ کرانا بھی شامل ہے۔ سمندر کے پانی کو روکنے کے لئے ایک مضبوط اور بڑا بند بھی باندھا گیا، جو تا حال قائم ہے اور اس کی وجہ سے جہازوں کو سہولت ہوتی ہے۔

٦- مذکورہ سالوں میں چند مصور یورپ سے سندھ میں آئے اور کچھ معزز مرد حضرات اور خواتین کی تصویریں بنا کر لے گئے، کیونکہ انہیں لندن کے ایک جلسہ میں ان کی نمائش کرنا تھی۔ جیسا کہ انوارریٹی صاحب وقت بوقت اچھی خدمات بجا لائے تھے۔ اس لئے ۱۲۷۹ ہجری مطابق ۱۸۶۲ء کے آخر میں اس کا درجہ بڑھایا گیا اور اسے بمبئی کاؤنسل کا ممبر بنا دیا گیا۔ میجر جنرل سر فریڈرک گولڈ اسمڈ صاحب (جو سندھ کے کمشنر کا اسسٹنٹ تھا) چھٹی لے کر ولایت (لندن) چلا گیا اور راقم الحروف کو سندھ کے ان معززین کا احوال بتانے کے لئے اپنے ساتھ بمبئی لے گیا، جن کی تصاویر بنائی گئی تھیں، جیسا کہ ذکر ہو چکا۔ راقم الحروف کی یہ مخصوص مقرری پانچویں مرتبہ ہوئی، جسے سرانجام دے کر، خیریت سے کراچی واپس آ گیا۔

کتاب ''مکران نامہ'' سندھ کے کمشنر مسٹر انوا ریٹی صاحب بہادر کی ایما مکاری میں لکھا گیا ہے، جو چھپ جانے کے بعد جلد یعنی ۱۲۷۹ ہجری مطابق ۱۸۶۲ء میں منظر عام پر آ جائے گا۔

ان تحاریر کی تفصیل، جن سے راقم الحروف کی خدمات کا ثبوت ملتا ہے

(انگریزی کا ترجمہ)

۱- تحریر کیا جاتا ہے کہ منشی خداداد خان مئی ۱۸۶۱ء (۱۲۷۸ ہجری) میں میرے ساتھ مکران کو چلا اور خود کو ہر طرح سے مفید ثابت کر کے دکھایا۔

تاریخ ۳ جون ۱۸۶۱ء۔

۲- منشی خداداد خان! مجھے آپ کی درخواست ملی ہے۔ میرے ہاں کوئی بھی آسامی خالی نہیں ہے۔ البتہ تار (ٹیلیگراف)، جو مکران سے گذرنے والی ہے، اس کا بندوبست میرے بھائی میجر مالکم گرین صاحب کے اختیار میں ہوگا۔ اگر اُسے کسی اور منشی کی ضرورت ہوگی تو میرا خیال ہے کہ تم اس نوکری کے لئے بلکل لائق ثابت ہو گے۔ مگر یہ نوکری ایک جگہ بیٹھ کر کرنے والی نہیں ہوگی، بلکہ تمہیں سفر کرتے رہنا پڑے گا۔ اگر میرے پاس کوئی آسامی خالی ہوئی اور میں نے سمجھا کہ تم اس کے لائق ہو، تو میں تمہیں نہیں بھولوں گا۔

تاریخ ۲ مئی ۱۸۶۲ء (۱۲۷۹ ہجری)۔ کیمپ جیکب آباد

دستخط

میجر ہنری گرین صاحب بہادر

پولیٹیکل ایجنٹ بلوچستان

میجر گولڈ اسمڈ صاحب بہادر اسسٹنٹ کمشنر نے فروری ۱۸۶۲ء (۱۲۷۹ ہجری) میں حکمرانی کے معاملات سے متعلق سندھ کے کمشنر صاحب بہادر کی خدمت میں ایک رپورٹ پیش کی، جس کے آخری پیراگراف کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔

۳- میں نے جو حالات کا اختصار پیش کیا ہے، یہ بات اس سے الگ ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اپنے دفتر کے کلرک منشی خداداد خان کو پچاس روپے نقد یا اتنی رقم والی لونگی دے دو۔ وہ اس تازہ سفر میں میرے لئے مفید اور کارآمد ثابت ہوا، اور اس نوجوان نے کئی مرتبہ اہم اور خاص خدمات بجالائے ہیں، جن میں سے کچھ کا یہاں اظہار کرتا ہوں: ۱۸۵۹ء (۱۲۷۴ ہجری) کی ابتدا میں عمر کوٹ سے جیسلمیر اور پوکران تک میرے ساتھ چلا، اور گوادر اور اورمارا تک میجر ہنری گرین صاحب کے ساتھ گیا۔ ایسے آدمی کو سرکاری اخراجات میں کفایت سبب اس وقت تک تھوڑی سی تنخواہ پر رکھا گیا ہے۔

دستخط

میجر گولڈ اسمڈ صاحب بہادر

اسسٹنٹ کمشنر سندھ

۴-منشی خداداد خان جاگیری اور سیاسی معاملات کے سلسلے میں سندھ میں ۸ برسوں سے زیادہ کا عرصہ ملازمت کی ہے۔ علاوہ ازیں تعلیمی معاملات میں بھی اس نے مجھے مدد دی ہے۔ میں اسے ۱۸۵۳ء (۱۲۷۰ ہجری) سے پہچانتا ہوں۔ میں بہت خوش ہوں گا، جب سنوں گا کہ اسے اس سے زیادہ تنخواہ ملتی ہے، جو اسے اس وقت مل رہی ہے اور جس کا وہ مستحق بھی ہے۔ ان مخصوص خدمات کے علاوہ، جن کی سرانجامی کے لئے وہ میرے ساتھ مل کر جیسلمیر اور پوکران چلا تھا، جو بھی کام اس کے سپرد کئے گئے ہیں، وہ ان کی تکمیل کے لئے ہر وقت تیار اور حاضر رہتا ہے۔

تاریخ ---اپریل ۱۸۶۲ء (۱۲۷۹ ہجری)

دستخط

میجر گولڈ اسمڈ صاحب بہادر

اسسٹنٹ کمشنر سندھ

(بمبئی سے)

پانچواں کمشنر: مسٹر ایس۔ مینسفیلڈ صاحب بہادر

سال ۱۲۷۹ھ ہجری مطابق سال ۱۸۶۲ء کے آخر میں بمبئی سے تشریف فرما ہوا اور کمشنری کے ایوان کو اس نے روشن کیا۔ شروع میں مسٹر میکس ملر صاحب اور مسٹر ارسکین صاحب اس کے اسسٹنٹ تھے۔ پھر مسٹر جان مور ہوا۔ کئی سرکاری کام اچھی طرح اس نے نبٹائے، مگر اس کے دور حکومت میں جو بڑے اور عجیب کام ہوئے، جو تاحال نظر آتے ہیں، ان میں سے کچھ کا تذکرہ یہاں کیا جاتا ہے:

(۱) جب مسٹر مینسفیلڈ سندھ میں نیا نیا آیا تھا، تب رائے بہادر وامن رائے برہمن کی معرفت، جو حیدرآباد کے کلیکٹر کا دفتر دار تھا، اکثر تحصیلدار کے دفاتر کی کارکردگی وغیرہ کی تحقیقات کروائی، جس وجہ سے کئی ایک دیسی افسران کو نقصان پہنچا۔ بالآخر وامن رائے کے ہاتھوں کچھ ناگوار کام سرزد ہونے لگے، جس وجہ سے اس نالائق کو برطرف کیا گیا اور وہ بھاگ گیا، اور کئی سرکاری ملازمین کو بے عزت ہونا پڑا۔ اس دور کو سندھ کے باشندے ''وامن گردی'' کہتے ہیں۔

۱۲۸۰ھ ہجری مطابق ۱۸۶۳ء میں سید مراد علی شاہ روہڑی والا اور میر امیر علی خان ٹالپر کربلا معلیٰ اور نجف اشرف کی زیارت کے لئے روانہ ہوئے۔

(۲) ۱۲۸۰ھ ہجری مطابق ۱۸۶۳ء کی ابتدا میں تار (ٹیلیگراف) کی لائین کے بندوبست کے سلسلے میں (کمشنر صاحب) چند عملداروں اور دیگر صاحبان کے ساتھ بذریعہ جہاز خلیج فارس روانہ ہوا اور راقم الحروف کو مخصوص خدمت کے لئے منتخب کیا گیا۔ جہاز کراچی سے روانہ ہوا، پہلے اورمارا (مکران) پہنچا۔ وہاں لنگر انداز ہوا۔ صاحبان اترے اور ٹیلیگراف آفیس پہنچے۔ وہاں کی رپورٹ سرکار (بمبئی سرکار) کو بھیجنے کے بعد گوادر بندر کو گئے، جو مسقط کے امام کے تحت تھا۔ کیپٹن راس صاحب بہادر کو، جو اس سفر میں ساتھ تھا اور فارسی زبان جانتا تھا، وہاں بلوچستان اور مسقط کا نائب پولیٹیکل ایجنٹ مقرر کر کے، ہم مسقط شہر میں جا اترے۔ وہاں مسقط کے امام اور پولیٹیکل ایجنٹ سے ملاقات کر کے، ان کے مشورے سے پہاڑوں کے درمیان سے، جو مکران اور عرب کے کنارے واقع تھے، گھومتے پھرتے، سمندری بندرگاہ دیکھتے ہوئے، سیر سیاحت کرتے ہوئے، ''بوشہر'' جا پہنچے، جو ایران کا ایک شہر ہے۔ وہاں جہاز پر سے اتر کر (برطانوی) سفارتخانہ چلے گئے، جہاں کمشنر صاحب بہادر، وہاں کے امین الملک اور پولیٹیکل ایجنٹ سے، جو سر لوئیس بیلی صاحب تھا، ملاقات کی اور ٹیلیگراف لائین سے متعلق تبادلۂ خیال کیا۔ قارئین کو معلوم ہو کہ یہ سر لوئیس بیلی صاحب وہ ہی ہے جو شروع میں کچھ سال روہڑی سب ڈویژن کا ڈپٹی کلیکٹر تھا، اور اس

کے بعد سندھ کا اسسٹنٹ کمشنر (برائے جاگیرات) کا اسسٹنٹ مقرر ہوا۔ راقم الحروف کے ساتھ اس کی اچھی خاصی واقفیت تھی۔ بلکہ میری خدمات اور اچھی کارگذاریوں سے متعلق اس کی تحریر بھی میرے پاس موجود ہے، اس لئے میرے ساتھ بڑی مہربانی کے ساتھ پیش آیا۔ الغرض ''بوشہر'' سے سارے کام کاج مکمل کر کے، جہاز پرسوار ہوئے اور جہاز لنگر اٹھا کر ''مہامرۃ'' یا ''محاصرۃ'' سے گذر کر، بصرہ کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہوا۔ بالآخر بصرہ میں وہاں کے حاکم اور پولیٹیکل ایجنٹ سے ملاقات کر کے، ٹیلیگراف لائین کا مناسب انتظام کر کے، بڑے جہاز کو چھوٹے جہاز سے بدل کر، دجلہ دریا کے راستے دارالسلام بغداد شریف پہنچے۔ پورے تین دن اور تین راتیں جہاز چلانے کے بعد بغداد شریف کی بندرگاہ میں داخل ہوئے۔ جہاز سے اتر کر، کمشنر صاحب بہادر، سفارتخانہ تشریف لے چلے اور وہاں ''بالیوز'' یعنی سرکار کے سفیر اور سلطان الاسلام کے نائب عرف ''پاشا'' سے ملاقات کر کے، ٹیلیگراف سے متعلق تبادلۂ خیال کیا۔ اس کے بعد عراق کی عجیب وغریب اور قدیم عمارات جیسا کہ ''نوشیروان کی سرائے''، ''ہابل اور بابل کا کنواں''[۳] اور ''کاظمین شریفین'' کی زیارت کر کے، اور بالیوز کی دعوتیں کھا کر کراچی واپس آ گئے۔

راقم الحروف نے حضرت مولانا و سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ العزیز، امامین شریفین کاظمین، حضرت شیخ جنید بغدادی، حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی اور دیگر اولیاء اکرام کی زیارت کا شرف حاصل کیا اور حضرت مولانا سید سعد علی صاحب سجادہ نشین کی بیعت کی سعادت بھی حاصل کی اور واپسی پر، بصرہ اور بغدادی کے درمیان ایک بندرگاہ ہے، جہاں حضرت عزیر پیغمبر علیہ السلام کی مزار مبارک ہے، وہاں جہاز پر سے اتر کر، زیارت کا شرف حاصل کیا گیا۔ مسلمانوں کو اچھی طرح معلوم ہوگا کہ حضرت عزیر علیہ السلام وہ پیغمبر ہے، جسے یہودی ''ابن اللہ'' (اللہ کا بیٹا) کہتے ہیں، نعوذ باللہ منہا۔

اگرچہ سمندر وغیرہ کا یہ سفر عجائبات میں سے تھا اور اس کا مفصل احوال بیان کرنے میں طوالت ہو جاتی، لیکن چونکہ یہ کتاب ''لب تاریخ'' (تاریخ کا خلاصہ) ہے، اس لئے اختصار سے کام لیا گیا ہے۔ البتہ کتاب ''خلیج نامہ'' میں، جو راقم الحروف کا لکھا ہوا ہے اور اسی زمانے میں چھپ چکا ہے، اس میں سربستہ احوال روزنامچہ کی طرز پر تفصیل سے درج کیا گیا ہے۔ اگر اس

---

[۳] ''ہابل اور بابل کا کنواں'' صحیح نہیں ہے، بلکہ ''ہاروت و ماروت کا کنواں'' صحیح ہے۔ اسے ''بابل کا کنواں'' بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ ''بابل'' شہر میں ہے، جو کوفہ کے نزدیک ہے۔ اس کنویں میں ہاروت و ماروت دو فرشتے قید ہیں۔ ''ہابل'' کا اس بات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہابیل حضرت آدم کا بیٹا تھا، جسے اپنے بھائی قابیل نے قتل کیا تھا۔ (ن۔ب)۔

کتاب کے قارئین میں سے کسی کو وہ حالات جاننے کا شوق ہو، تو وہ کتاب پڑھ سکتا ہے۔

۳- ۱۲۷۹ھ ہجری مطابق ۱۸۶۳ء میں امیر کبیر مرحوم دوست محمد خان (والیء افغانستان) سے متعلق خبر آئی کہ وہ ہرات میں وفات کر گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

۴- ۱۲۸۰ھ ہجری مطابق ۱۸۶۴ء میں راقم الحروف کو گوناگون خدمات کے عوض پچاس روپے کے اضافے کے ساتھ محکمۂ روینیو میں ''ہیڈ منشی'' کی پوسٹ پر ترقی دی گئی اور تیس روپے محکمۂ رجسٹریشن سے عطا فرمائے گئے۔ فی الجملہ اَسی روپے ماہوار مقرر کئے گئے، جیسا کہ آگے چل کر سرکاری کاغذات سے معلوم ہو جائے گا۔

۵- مذکورہ سالوں میں موسم سرما میں کمشنر صاحب بہادر، سندھ کی سرحد پر پہنچا، یعنی سنزل کوٹ میں اور ماچھکو کے جنگل میں، شیروں کا شکار کر کے، واپسی پر ''لادکانہ'' (لاڑکانہ) کی طرف رخ کیا اور وہاں انگریزی اور فارسی میں کام کرنے والے سب سرکاری ملازمین کو حکم دیا کہ کراچی چلو، اور سرکاری کاروبار درست کر کے دو، یعنی پرانے رکارڈ اور کاغذات وغیرہ کی ترتیب میں مدد کرو۔ یہ کام روزمرہ کے کام کے علاوہ ہے۔ کمشنر صاحب بہادر نے اپنے اسسٹنٹس اور راقم الحروف کو اپنے ساتھ رکھا۔ گویا مجھے ساتویں مرتبہ خاص خدمت سپرد کی گئی۔ الغرض، لاڑکانہ سے نصیر آباد، پیر گودڑئے دیداک اور کرچہ کے راستے ''ڈاڑ ہیارو'' جبل (جسے سندھ میں عام طور پر ''ڈاڑ ہیالو جبل'' کہتے ہیں) پر، جو خان قلات کی حد ہے، شامیانہ لگوا کر کیمپ قائم کروایا۔ یہ بہت ہی بڑا پہاڑ ہے، گویا کہ آسمان سے باتیں کر رہا ہے، نہایت ہی خشک اور سرد ہے۔ اس زمانے کے عملداروں کے تجربہ کے مطابق شملہ کے پہاڑ جیسا سرد ہے، ہمیشہ وہاں بارش ہوتی رہتی ہے اور اولے پڑتے رہتے ہیں۔ پہاڑ کے گرد و نواح میں کئی لوگ رہتے ہیں، جو ''چُھٹہ'' قوم کے سندھی ہیں۔ اس کے علاوہ اور کوئی آبادی یا رونق نہیں ہے۔ البتہ جنگلی میوہ جات مثلاً: شہتوت، انجیر اور لوہری (جو بلکل فالسوں کی طرح ہیں)، بڑی مقدار میں پیدا ہوتے ہیں۔ مگر ان میوہ جات کا ذائقہ خراسان اور باغستان کے میوہ جات جیسا نہیں ہے۔ کاہو کے درخت، جو بہت بھاری اور مضبوط ہوتے ہیں اور اس کی لکڑی بہت قیمتی ہوتی ہے، بہت، بلکہ بہت زیادہ ہیں، وہاں کے لوگ ان لکڑیوں کو عام لکڑی کی طرح جلاتے ہیں۔

قصہ مختصر، کمشنر صاحب نے موسم گرما نہایت ہی خوشی اور مسرت سے شکار کرتے ہوئے گذارا۔ اس علاقہ کے لوگوں کی گذر اوقات برسات پر تھی۔ جب برسات پڑتی تھی، تو لوگ برسات کے پانی سے گھڑے، مشکیں اور دیگر برتن پینے، پکانے اور دیگر ضروریات پوری کرنے کے لئے بھر کر رکھ دیتے تھے، تاکہ بوقت ضرورت کام آ سکیں۔ اس لئے کمشنر صاحب نے راقم

الحروف کی معرفت ایک ہزار روپیوں کے خرچ سے اسی پہاڑ پر ایک بڑا، کشادہ اور گہرا تالاب تعمیر کروایا، تاکہ وہاں کے لوگوں کو بھی اور راہ گیروں کو بھی پانی کی سہولت میسر آ سکے۔

اگر قارئین اس احوال کی طوالت سے تنگ نہ آ جائیں تو اس علاقہ کی کچھ عجیب باتیں لکھی جائیں:

''ڈاڑ ہیارو'' پہاڑ پر ایک اور پہاڑ ہے، جسے وہاں کے مقامی لوگ ''کتے کی قبر کا جبل'' کہتے ہیں، جس کا احوال کچھ اس طرح ہے کہ پہلے زمانے میں کسی شخص کے پاس اچھی خصوصیات کا حامل ایک کتا ہوا کرتا تھا، جو اس کے گھر کی چوکیداری کرتا تھا۔ ایک دن اتفاق سے اس گھر کے مالک کا ایک دوست آیا، اور اپنے گھر کی چوکیداری کے لئے اس کتے کی طلب کی۔ کتا جیسا کہ اپنی خصوصیات کی وجہ سے اپنے اصلی مالک کو پسند تھا، اس لئے اپنے دوست کو دینے کے لئے آمادہ نہیں تھا؛ اور ساتھ ساتھ اسے اپنے دوست سے انکار کرنا بھی مناسب نہیں لگ رہا تھا۔ بالآخر مجبوراً چند دنوں کے لئے اس نے وہ کتا اپنے دوست کے حوالے کیا۔ وہ دوست کتا لے گیا اور اپنا گھر کتے کے سپرد کر کے، اسے نگھبانی کے لئے مقرر کیا۔ ایک مرتبہ کیا ہوا کہ ایک چور رات کو گھر میں نقب لگا کر، مال اسباب چوری کر کے لے گیا اور چار میلوں کے فاصلے پر وہ سامان زمین میں دفن کر دیا۔ صبح کو گھر کا مالک یہ حالت دیکھ کر بہت ہی حیران پریشان ہو گیا اور اِدھر اُدھر پھرنے لگا۔ مگر وہ ہوشیار کتا، چور کی اس ساری کارروائی سے واقف تھا۔ اس لئے گھر کے مالک کو پیروں کے نشانات اور اپنی مخصوص آواز سے آگاہ کر کے، اسے اسی جگہ پر لے گیا اور سارا مال وہاں سے نکال کر دیا۔ گھر کا مالک کتے کی ایسی ہوشیاری دیکھ کر بہت خوش ہوا اور عارضی میعاد پورا ہونے سے پہلے ہی کتے کو اس کے اصلی مالک کے پاس واپس جانے کی اجازت دے دی، اور رخصت نامہ لکھ کر اس کے گلے میں ڈال دیا۔ کتا جب اپنے اصلی مالک کے گھر کے نزدیک پہنچا، تو مالک نے اسے دور ہی سے دیکھ کر کہنے لگا کہ ''ملعون، بے وفا! جلد واپس آ گیا۔ تو نے مجھے میرے دوست کے سامنے شرمندہ کر دیا۔'' یہ الفاظ سنتے ہی کتا زمین پر گر پڑا اور مر گیا۔ مالک نے جب اسے مرا ہوا پایا، تب اس کے قریب آ کر اس کے گلے میں بندھا ہوا کاغذ کھول کر دیکھا تو سخت پشیمان ہوا اور ''افسوس، افسوس'' کرنے لگا۔ پھر یادگار کے طور پر اس پہاڑ پر اس کی قبر بنوائی۔ صحیح علم اللہ کو ہے۔ بات بہت پرانی ہے، مگر مشہور ہے۔ سچ اور جھوٹ راوی کے گردن میں ہے۔ اگرچہ عقل اس بات کو نہیں مانتی کہ ایسا کبھی ہوا ہوگا، لیکن کبھی کبھی یورپ والوں کے کچھ اچھی خصوصیات والے، فرمانبردار اور تربیت یافتہ کتے دیکھ کر، معلوم ہوتا ہے کہ پہلے زمانے میں بھی ایسے فرمانبردار کتے ضرور موجود ہوں گے۔

۶- ۱۲۸۱ ہجری مطابق ۱۸۶۵ء میں فوجداری اور دیوانی کام، جو سندھ کے کمشنر کے ماتحت اس کے اسسٹنٹ سرانجام دیتے تھے، وہ اب سندھ کے جڈیشنل کمشنر اور چیف کورٹ کے حوالے کر دئے گئے ہیں۔

اسی سال بمبئی کے گورنر سر بارٹل فریئر صاحب بہادر اپنی تشریف آوری سے سندھ کو بہشت کا باغ بنایا، اور ریگستان (تھرپارکر) میں کئی نئی نہریں کھودی گئیں جیسا کہ ''عمر واہ'' ''تھر واہ'' اور ''مٹھڑاؤ واہ'' وغیرہ۔ تھر کے لوگ جو پینے کے پانی کے لئے پریشان ہوا کرتے تھے، وہ پانی کی فروانی کی وجہ سے بہت خوش ہوئے۔ کاشتکاری کرنے لگے اور روزگار کی کشادگی کی وجہ سے نہایت ہی خوشحال ہو گئے، جو تا حال خوشحال ہیں۔

۷- ۱۲۸۱ ہجری مطابق ۱۸۶۵ء میں زمینداروں اور کاشتکاروں سے ایک روپیہ لوکل فنڈ وصول کرنے کا قاعدہ جاری کیا گیا؛ جو تا حال جاری ہے۔

۸- گذشتہ سال سلامی کے لئے پندرہ توپیں ریاست خیر پور کے لئے جاری کی گئیں۔ توپیں چھوڑنے کا یہ دستور تا حال جاری ہے۔ یہ عطیہ دے کر، ریاست کے والی کو خوش کیا گیا۔

۹- ۱۲۸۲ ہجری مطابق ۱۸۶۷ء کے آخر میں والیءِ قندھار (گورنر) سردار شیر علی خان، والیءِ افغانستان امیر شیر علی خان صاحب کا ایک خط لے کر، رہمکی بازار ضلع تھرپارکر میں آیا۔ سرکار کی طرف سے میزبانی کے لئے راقم الحروف کو مقرر کیا گیا، اور سردار موصوف کو جو (جوابی) خط دیا گیا، وہ جیسا کہ سیاسی مسائل سے متعلق تھا، اس لئے اس کا متن یہاں درج نہیں کیا جا رہا۔

کمشنر صاحب بہادر دورے سے واپسی پر، چھ مہینوں کی چھٹی پر ولایت (انگلینڈ) روانہ ہو گیا۔

چھٹا کمشنر: مسٹر ایڈی رابرٹس صاحب (ایکٹنگ)

مسٹر مینسفیلڈ کی غیر حاضری میں (اس کے چھٹی پر جانے کی وجہ سے) بمبئی سے کراچی آیا اور سندھ کے کمشنر کے فرائض بجا لانے لگا۔ ان دنوں مسٹر جان مور اس کا اسسٹنٹ تھا۔ دستور اور معمول مطابق سرکاری کام بہت ہی اچھے طریقہ سے سرانجام دیا۔ لیکن چونکہ فقط چھ مہینے تک تھا اس لئے اس کی ایا مکاری کا مفصل احوال نہیں لکھا جاتا۔ مگر سی۔ آئی۔ اے کے لقب کا تمغہ، جو انگریز سرکار نے سیٹھ ناموں مل کے لئے بھیجا تھا، وہ فریئر محل عرف فریئر ہال میں ایک شاندار دربار منعقد کر کے، سیٹھ ناؤں مل کو اپنے ہاتھ سے دیا۔ سیٹھ ناؤں مل کی خدمتگذاری سے

متعلق جو تقریر اس نے انگریزی میں کی، راقم الحروف نے اس کے حکم پر خوش الحانی سے اس کا ترجمہ سندھی میں کر کے بتایا۔ وہ تقریر یہ ہے:

جناب کمشنر صاحب بہادر سندھ کی انگریزی تقریر کا ترجمہ جو تاریخ ۲۹ اکتوبر ۱۸۶۶ء (۱۲۸۲ھ ہجری) پر فریئر ہال کراچی میں کی گئی۔

سیٹھ ناؤں مل صاحب!

میں نہایت ہی خوشی سے یہ تحریر تمہارے سپرد کرتا ہوں، جس کے سپرد کرنے کی ذمیداری مجھ پر ہی ہے۔ اس تحریر میں درج ہے کہ تم نے انگریز سرکار کی بڑی خدمات اور بہت خیر خواہی کی ہے، جس وجہ سے جنابہ ملکہ معظّمہ نے بڑی شفقت سے تمہیں سی۔ آئی۔اے (کمپینین آف دی موسٹ ایگزالٹیڈ آرڈر آف دی اسٹار آف انڈیا) کا لقب عطا کر کے عزت بخشی ہے۔ تمہیں اس سے پہلے بھی اس طرح کی خدمات اور خیر خواہی کے لئے مناسب انعام عطا کئے گئے ہیں۔ جیسا کہ سال ۱۸۵۲ء (۱۲۶۱ھ ہجری) میں ایک سو روپے پینشن، اور سال ۱۸۶۰ء (۱۲۷۷ھ ہجری) میں یہ پینشن، جو تمہارے لئے تا حیات تھی، اسے بڑھا کر دو نسلوں تک کیا گیا ہے۔ نیز تمہیں بارہ سو روپے والی آمدنی والی جاگیر بھی عطا کی گئی ہے۔ صدی کی چوتھائی گذر چکی ہے، یعنی پچیس سال ہو گئے ہیں، جو تمہاری خدمات شروع ہوئی ہیں۔ اوائل میں تم نے ایسی خدمات بجا لائیں، جن سے فی زمانہ (موجودہ نسل) کے لوگ واقف نہیں ہیں۔ اس لئے میں تمہاری اجازت سے مختصراً اُن کا ذکر کرتا ہوں:

تمہاری خدمات کی شروعات سال ۱۸۳۹ء (۱۲۵۶ھ ہجری) سے ہوتی ہیں۔ مجھے پتہ چلا ہے کہ جس وقت (انگریز سرکار کا) لشکر، شاہ شجاع الملک کی مدد کے لئے بنگال سے افغانستان کو روانہ ہوا، اور دوسرا لشکر پہلے لشکر کی مدد کے لئے بمبئی سے روانہ ہوا تھا، تو اس وقت تم نے بڑی کوشش کر کے کھانے پینے کی اشیاء اور بار برداری کے جانور مہیا کئے تھے۔ پھر جب کابل میں خونریزی کے بعد (انگریز سرکار کے) لشکر کے لوگ (فوجی سپاہی) قید کئے گئے، اور ان قیدیوں کو چھڑانے کے لئے دوسرا لشکر روانہ کیا گیا، اور وہ لشکر سندھ میں سے گذرا، تو اس وقت بھی تم نے بڑی مدد کی۔

سال ۱۸۴۳ء (۱۲۶۰ ہجری) میں جب سندھ کے میر صاحبان اور انگریز سرکار کے مابین لڑائی ہوئی۔ اگرچہ اس وقت تمہیں جانی اور مالی خطرہ تھا، تاہم تم نے کوشش کر کے میر صاحبان سے متعلق ایسی ایسی خبریں دیں اور ایسی تجاویز پیش کیں، جن کے مطابق انگریز سرکار کے عملدار اپنے لشکر میں تبدیلی کر سکے۔

اِسٹوِیک صاحب، پاٹنجر صاحب اور آؤٹرم صاحب کے زمانے میں تم نے جو خیر خواہی کی، انہیں غدر کے ڈھائی برسوں کے عرصے میں ثابت کر کے دکھایا، کہ تجھ پر انگریز سرکار کی جو مہربانیاں تھیں ان میں اپنی لیاقت سے اضافہ کیا۔

میں پہلے ہی اظہار کر چکا ہوں کہ ان خدمات کے عوض سرکار کی طرف سے تمہیں جاگیر اور پینشن عطا کی گئی ہے، اور اب جو سرکار نے مہربانی فرما کر تمہیں یہ لقب عطا کیا ہے، مجھے یقین ہے کہ تم جیسا ایماندار اور خیر خواہ اسے کم نہیں سمجھے گا۔ خدا کرے آپ کی عمر لمبی ہو۔ اس کے بعد دربار برخاست ہوا۔

۱- سال ۱۲۸۲ ہجری مطابق ۱۸۶۶ء میں جناب حاجی ملباری ''کوکن'' کی حکومت کا وکیل کراچی پہنچا، جو استنبول جا رہا تھا، مسٹر ایڈی رابرٹس صاحب کمشنر کے حکم سے، اس نیازمند نے میزبانی کے فرائض ادا کیے۔ صاحب موصوف بہت خوش ہوا۔

اسی سال ۱۲۸۲ ہجری مطابق ۱۲۶۷ء کے آخر میں مسٹر ایس۔ مینسفیلڈ صاحب چھٹی ختم کر کے واپس آ گیا اور پھر سندھ کے کمشنر کا چارج سنبھال لیا۔

۲- کمشنر صاحب عمرکوٹ میں ایک دربار منعقد کر کے، مرحوم میر شیر محمد خان ساکن میرپور خاص کو ''ستارۂ ہند'' کے لقب اور تمغہ سے خوش کیا۔ بالآخر (کمشنر صاحب) اپنی بہترین خدمات کی وجہ سے بمبئی کاؤنسل کی میمبرشپ پر سرفراز ہوا اور سال ۱۲۸۳ ہجری مطابق ۱۸۶۷ء میں بمبئی روانہ ہو گیا اور جاتے وقت راقم الحروف کو ایک تحریر، جو اس نیازمند کی نیک نامی پر مشتمل ہے، عطا کی، جس کا ترجمہ یہاں درج کیا جاتا ہے، جس سے قارئین کو واقفیت ہوگی۔

۳- کتاب ''خلیج نامہ''، جو خلیج فارس اور بغداد شریف وغیرہ کے سفر کے حالات پر مشتمل ہے، فارسی میں لکھ کر شایع کی گئی۔

مسٹر ایس۔ مینسفیلڈ کمشنر سندھ کی انگریزی تحریر کا ترجمہ

یہ تحریر خدا داد خان سے متعلق ہے، جو سندھ کے کمشنر کے دفتر میں منشی ہے۔ وہ بہت

محنتی اور ہر کام توجہ سے کرنے والا ہے اور گذشتہ پانچ سالوں میں اپنے دفتر کے کام خواہ ملکی کام اچھی طرح سے کئے ہیں۔

فقط تاریخ ۱۰ مئی ۱۸۶۷ء (۱۲۸۳ ہجری)

دستخط

ایس۔ مینسفیلڈ صاحب کمشنر سندھ

علاوہ ازیں دو مرتبہ خاص خدمات (مذکورہ بالا نمبر چھ اور سات) راقم الحروف، صاحب موصوف کی ایامکاری میں بجا لائیں۔ قارئین خلیج فارس اور ڈاڑھیارو جبل کے خطرناک سفر کا اندازہ، انگریزی کے درج ذیل ترجمہ سے لگا سکیں گے۔

مجھے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ منشی خداداد خان ایک ہوشیار اور مفید منشی ہے اور وہ سفر میں پیدل چلنے اور کسی قسم کی تکلیف کی بلکل فکر نہیں کرتا۔ اس لئے اس کی خدمات قیمتی ہیں بہ نسبت ہندو منشیوں کے، جو اتنے کارآمد ثابت نہیں ہوئے ہیں۔ وہ کرنل گولڈ اسمڈ صاحب بہادر کے مکران کے مشکل سفر میں ساتھ تھا۔اس کے بعد میرے اور سندھ کے کمشنر کے ساتھ خلیج فارس اور بغداد چلا۔ اس کے بعد سندھ کے مغربی پہاڑوں کی طرف چل کر، ہمارے ساتھ پانچ مہینے گذارے۔ ان دنوں میں اس نے سارا انتظام یعنی سندھ کے کمشنر کے سندھی اور فارسی دفاتر کا پورا کاروبار سنبھالا۔ اگرچہ ان دنوں اس شخص کے خیالات منتشر رہتے تھے۔مگر عقل اور تحمل کے بل ہوتے پر ساری ذمیداریوں کو بطریق احسن پورا کیا۔

فقط۔ تاریخ ۱۳ مئی ۱۸۶۶ء (۱۲۸۲ ہجری)

دستخط

ایم ملیرل صاحب

رجسٹرار جنرل اور فرسٹ جڈیشنل

اسسٹنٹ کمشنر سندھ

ساتواں کمشنر: ہیولاک مرحوم صاحب بہادر (ایکٹنگ)

سال ۱۲۸۳ ہجری مطابق ۱۸۶۷ء کے آخر میں کراچی میں وارد ہوا اور سرکاری کام کاج سرانجام دینے میں مصروف ہو گیا۔ مسٹر جان مور صاحب اس کا اسسٹنٹ تھا۔ زیادہ تر کاروبار دستور کے مطابق طرح بہت احسن طریقے سے کرتا رہا۔ مگر کچھ بڑے اور اہم کام، جن کا نتیجہ تاحال دیکھا جا سکتا ہے یا ایسی باتیں، جو اس کی ایامکاری میں ہوئیں، یہاں درج کی جاتی ہیں۔

اسی سال پولیس کے پچھلے طریقے میں کچھ تبدیلی لائی گئی اور پولیس کی تنخواہیں بھی

بڑھائی گئیں۔ پہلے پولیس کے ضلع آفیسروں کو، جو یورپین ہوا کرتے تھے، ''پولیس کپتان'' بولا جاتا تھا، اور دیسی افسروں کو رسالدار، صوبیدار، جمعدار، حوالدار، نائک، سپاہی اور سوار کہتے تھے، اور بڑے شہروں کے پولیس عملداروں کو ''فوجدار'' کہتے تھے۔ اب نئی تجویز کے تحت پولیس کے ضلعی عملداروں کو، جو یورپین تھے، ''ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس'' کہا گیا اور دیسی عملداروں کو (جو ان کے ماتحت تھے) انسپکٹر، چیف کانسٹیبل اور ہیڈ کانسٹیبل جیسے لقب دئے گئے۔ بڑے شہروں کے پولیس عملداروں کو ''ٹاؤن انسپکٹر'' کا نام دیا گیا۔ مطلب یہ کہ فارسی زبان کے القاب کو انگریزی زبان کے القاب سے بدلا گیا۔ بیشک ایسا ہی ہونا چاہئے تھا۔ ہر حاکم اور بادشاہ اپنی زبان کو رائج کرنے میں مصلحت سمجھتا ہے۔

۲- ۱۲۸۳ھ ہجری مطابق ۱۸۶۷ء کے آخر میں بمبئی کے گورنر سرفٹز جیرالڈ صاحب بہادر اور بمبئی کاؤنسل کا ممبر مسٹر مینسفیلڈ صاحب کراچی تشریف لائے اور پھر حیدرآباد کو اپنی تشریف آوری اور دُربار دربار (جہاں سے موتیوں کی بارش ہو) منعقد کر کے شرف بخشا اور پبلک کو خوش کیا۔

۳- گذشتہ سال (۱۲۸۳ھ ہجری) میں صبح کے وقت آسمان سے زمین پر کچھ ستارے گرے۔ یہ پانچ بجے صبح کا وقت تھا۔ ساری زمین پر دن روشن کی طرح روشنی پھیل گئی۔ راقم الحروف کو اچھی طرح یاد ہے، کیونکہ میں اس وقت جاگ رہا تھا۔

۴- ۱۲۸۳ھ ہجری مطابق ۱۸۶۷ء میں راقم الحروف کو، سندھ کے اسسٹنٹ کمشنر جان مور صاحب کی سفارش پر چند اچھی خدمات کی سرانجامی کے صلہ میں کمشنر صاحب کے دفتر کے ایوان میں دربار منعقد کر کے، ایک سونے کی ولایتی تلوار کے عطیہ سے عزت بخشی گئی اور (کمشنر صاحب) نے ایک دلپذیر تقریر کی، جو نہایت ہی فصیح اردو میں تھی، جس کا سندھی ترجمہ عوام کی معلومات کے لئے جونیئر اسسٹنٹ کمشنر ایچ روز یر صاحب نے کیا۔ قارئین کو اس کا پتہ درج ذیل تحریروں سے ہوگا:

منشی خداداد خان کو انعام

(سندھی اخبار ''سندھ سدھار'' مؤرخہ (پہلی اکتوبر ۱۸۶۷ء مطابق ۱۲۸۳ھ ہجری سے ماخوذ)

۱۹ ستمبر ۱۸۶۷ء مطابق ۱۲۸۸ھ ہجری ہفتہ کے دن کمشنر صاحب بہادر کے دفتر کے منشی کی

طرف سے اچھی خدمات بجا لانے کے سبب، سرکار کی طرف سے ایک خاص تلوار، جس پر سونے کا کام کیا ہوا تھا، مسٹر جان مور صاحب بہادر کی سفارش پر، سندھ کے ایکٹنگ کمشنر مسٹر ہیولاک صاحب بہادر نے عطا فرمائی۔ اس وقت مسٹر جان مور صاحب کا سفارش نامہ، جو انگریزی میں تھا، اس کا فصیح ہندوستان زبان میں ترجمہ کر کے بتایا گیا، جس کا اختصار یہاں درج کیا جاتا ہے:

(۲۰ ستمبر ۱۸۶۷ء مطابق ۱۲۸۳ ہجری)

''منشی خداداد خان ۱۸۵۳ء (۱۲۷۰ ہجری) کی ابتدا سے سرکاری ملازمت میں داخل ہوا ہے۔ پہلے وہ جڈیشنل میجسٹریٹ صاحب شکارپور کے دفتر میں کلرک مقرر ہوا۔ ۱۸۵۴ء (۱۲۷۱ ہجری) میں کرنل گولڈ اسمڈ صاحب کے دفتر میں جاگیری شعبہ میں داخل ہوا، جہاں ۱۸۵۷ء (۱۲۷۴ ہجری) تک تھا۔ جب سے یہ دفتر سندھ کے کمشنر صاحب بہادر کے دفتر میں ضم کر دی گئی ہے، تب سے منشی خداداد خان وہیں ملازمت کرتا ہے۔ کمشنر صاحب کے دفتر میں اس دفتر میں شامل ہونے کے وقت اسے ماہوار تیس روپے تنخواہ ملتی تھی۔ اس کے بعد ۱۸۶۴ء (۱۲۸۰ ہجری) سے اسے بیس روپے زیادہ ملنے لگے ہیں۔ سال ۱۸۵۹ء (۱۲۷۶ ہجری) میں وہ میجر گولڈ اسمڈ صاحب کے ساتھ جیسلمیر اور پوکران (مارواڑ) گیا۔ پھر ۱۸۶۱ء (۱۲۷۸ ہجری) میں میجر ہنری گرین صاحب کے ساتھ گوادر اور اورمارہ (مکران-بلوچستان) گیا۔ اُسی سال جب میجر گولڈ اسمڈ صاحب ایک خاص اور اہم ترین کام سے مکران گیا، تو بھی یہ اس کے ساتھ تھا۔ سال ۱۸۶۳ء (۱۲۷۹ ہجری) میں وہ سندھ کے کمشنر مسٹر مینسفیلڈ صاحب بہادر کے ساتھ خلیج فارس اور دجلہ دریاء سے گذر کر بغداد گیا، جہاں اس نے نہایت ہی اہم خدمات بجا لائیں۔ مثلاً فارسی، عربی، مکرانی اور بلوچی زبانوں کی ترجمانی۔ سال ۱۸۶۴ء (۱۲۸۰ ہجری) میں یہ کلرک اس بات کے لائق سمجھا گیا، جو سندھ کے کمشنر مسٹر ایس مینسفیلڈ صاحب بہادر نے اسے منتخب کیا اور اسے اپنے ساتھ ''ڈاڑھیارو جبل'' (بلوچستان) کی طرف لے گیا۔ جہاں پانچ مہینے ٹھہر کر خود کو مزید لائق ثابت کیا اور وہاں مقرر شدہ اور غیر مقرر شدہ (ڈیوٹی کے علاوہ) خاص خدمات بجا لائیں۔ ان خدمات کے عوض اسے پچاس روپے انعام دیئے گئے۔ اسسٹنٹ کمشنر کے خیال میں یہ انعام کافی نہیں ہے، اور منشی خداداد خان صرف اسی انعام کا مستحق نہیں ہے۔ یہ منشی ایک بااخلاق آدمی ہے اور اس کے پاس وہ تحریریں موجود ہیں، جو وقت بوقت اعلیٰ عملداروں نے اس کی نیک نامی کی خاطر اسے لکھ کر دی ہیں، جن کے ماتحت رہ کر، اس نے ملازمت کی ہے۔ جب کمشنر صاحب بہادر کے دفتر کی اصلاح کی اسکیم پیش ہوئی تھی، تو اس میں منشی خداداد کے لئے اسی روپے ماہوار

تجویز کیئے گئے تھے۔ مگر یہ اسکیم منظور نہ ہو سکی؛ جس وجہ سے آج تک اسے وہ ہی تنخواہ مل رہی ہے، جو پہلے ملتی رہتی تھی۔ اگر کسی وقت کچھ اہم مشکل کام درپیش آ جائیں یعنی کسی غیر آباد ملک کی لمبی اور بڑی منزلیں طے کرنا پڑیں، تو یہی آدمی یعنی خداداد خان ہی ہے، جسے منتخب کیا جانا چاہیئے۔ اس کے چہرے پر ہمیشہ مسکراہٹ ہوتی ہے اور یہ نیازمند اور بامروت (اوبلائجنگ) بندہ ہے۔ اس لئے اسسٹنٹ کمشنر صاحب سفارش کرتا ہے کہ ایسی خدمات کے عوض اسے ایک تلوار انعام دے کر، اس کی عزت افزائی کی جائے، تاکہ اس کا دل خوش ہو جائے۔

دستخط

جان مور صاحب اسسٹنٹ کمشنر سندھ

یہاں ایکٹنگ کمشنر صاحب بہادر کے تاثرات بھی بیان کیئے جاتے ہیں:

''میں نہایت ہی خوشی سے مسٹر جان مور کا تجویز کردہ انعام دیتا ہوں۔ لیکن کیا ہی اچھا ہوتا، کہ یہ انعام سابق کمشنر صاحب بہادر (مسٹر ایس۔ مینسفیلڈ) دیتا، جو منشی خداداد خان کی خدمات سے بخوبی واقف تھا۔ یہ بات اچھی بھی لگتی اور منشی خداداد خان بھی زیادہ خوش ہوتا۔''

دستخط

مسٹر ہیولاک صاحب بہادر

ایکٹنگ کمشنر سندھ

اس فصیح، بلیغ اور دلپذیر تقریر کے بعد دربار میں موجود، مسٹر ایچ۔ رووزیر صاحب (اسسٹنٹ کمشنر) کی طرف رخ کر کے فرمانے لگا کہ ''سب حاضرین کو واضح کر کے بتایا جائے کہ جو بھی شخص انگریز سرکار کی اچھی طرح خدمت کرے گا، وہ اسی طرح کی عزت افزائی کا لائق ہوگا۔'' اس کے بعد اپنے ہاتھ سے منشی خداداد خان کو تلوار دی، جس پر منشی خداداد خان اس انعام کا، اور دونوں عالیشان صاحبان (کمشنر اور اسسٹنٹ کمشنر) کی مہربانیوں کا یوں شکریہ ادا کیا:

منشی خداداد خان کی اردو میں شکرگذاری والی تقریر کا ترجمہ

''میں، حضور کمشنر صاحب بہادر اور جناب مسٹر جان مور صاحب بہادر کی مہربانیوں کے لئے نہایت ہی مشکور ہوں اور بے حد احسانمند ہوں، جوانہوں نے مجھ جیسے غریب اور عاجز کو

میرے ہمسر اور ہم جنس دوستوں کی موجودگی میں سرفرازی اور سربلندی عطا کر کے، عزت افزائی عطا فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے سرداروں (حاکموں) کو ہمیشہ ایسے بخت سے نوازے، جو ہمیشہ قائم رہنے والا ہو۔ میں امید کرتا ہوں کہ ہمیشہ ایمانداری، خبرداری اور نمک حلالی سے نوکری کروں گا۔ مجھے آج کا مبارک دن یاد رہے گا، جب میں اپنے آپ کو ہم جنسوں میں ممتاز سمجھ رہا ہوں۔''

اس کے بعد کمشنر صاحب بہادر، منشی خداداد خان سے مخاطب ہو کر فرمانے لگا کہ ''جس طرح سابقہ عالی شان عملدار صاحبان (کمشنروں) کی خدمات، تم ایمانداری اور ہوشیاری سے بجا لاتے رہے، آج کے بعد بھی اُسی طرح بجا لاتے رہنا۔''

منشی خداداد خان نے باادب گذارش کی کہ ''انشاء اللہ تعالیٰ جب تک میں زندہ ہوں، انگریز سرکار کے نوکروں میں شامل رہوں گا اور خدا کے فضل اور آپ سرداروں (حاکموں) کی توجہ کی برکت سے کسی قسم کی کوتاہی نہیں کروں گا۔''

پھر دربار برخاست ہوا اور سب لوگ اپنی اپنی نشست پر چلے گئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ منشی خداداد کو ستمبر ۱۸۶۷ء (۱۲۸۳ھ ہجری) کی پہلی تاریخ سے تیس روپے دیگر مدوں سے اضافہ دیا گیا اور ایک سو روپے مسٹر جان مور صاحب بہادر کی طرف سے سابقہ خدمتگذاریوں کے باعث انعام دیا گیا۔ بیشک، ''ہر کہ خدمت کرد، او مخدوم شد۔''

ایک سال سے زیادہ عرصہ تک عارضی کمشنری کے کاروبار سرانجام دینے کے بعد مسٹر ہیولاک بمبئی واپس چلا گیا اور جاتے وقت راقم الحروف کے بارے میں اپنے دفتر کے خاص ذاتی فائیل میں مندرجہ ذیل حروف تحریر کرتا گیا:

''منشی خداداد خان ایک ہوشیار منشی ہے اور ہر خدمت بجا لانے میں چالاک اور باہمت ہے۔ میرے خیال میں یوں آتا ہے کہ بڑے افسر کی سی زمیداریاں جیسا کہ پولیس افسر، اس کے ہاتھوں اچھی طرح سے سرانجام ہوسکیں گی۔''

جولائی ۱۸۶۸ء (۱۲۹۴ھ ہجری)

دستخط

مسٹر ہیولاک صاحب بہادر

ایکٹنگ کمشنر سندھ

راقم الحروف سے متعلق پولیس افسر کی تجویز اس لئے اس نے دی ہے، کہ ایک دن راقم الحروف، جہاز پر سے چھلانگ لگا کر کنارہ پر پہنچا اور اس کے حکم کی تعمیل کی۔ اس وقت کوئی بھی پولیس افسر وہاں موجود نہیں تھا۔ اس صورت حال میں اگر میں ایسا نہیں کرتا تو سرکاری کام میں گڑ بڑ پیدا ہو جاتی۔

آٹھواں کمشنر: سر ولیم میری ویدر صاحب بہادر

سال ۱۲۸۴ ہجری مطابق ۱۸۶۸ء کے آخر میں حبش کے ملک (افریقا) میں فتحیابی کے بعد کراچی میں وارد ہوا اور سندھ کی کمشنری کی کرسی کو زینت بخشی۔ جان مور صاحب بہادر اس کا پہلا نائب (فرسٹ اسسٹنٹ) تھا۔ سر ولیم میری ویدر صاحب بہادر، باحشمت اور جنگجو عملداروں میں سے تھا۔ سندھ سے اچھی طرح واقفیت رکھتا تھا۔ شروع میں سندھ فتح کرنے کے وقت ''میانی'' اور ''دُبی'' کی جنگوں میں شریک تھا۔ کئی سال سرحد سندھ (جیکب آباد) میں بڑے عہدے پر فائز رہا۔ پنجاب، بلوچستان اور حبش میں بڑی خدمات بجا لائے تھے؛ جس وجہ سے (یعنی آزمودگار ہونے کے سبب) کمشنری کا کاروبار نہایت ہی جرأت اور ہمت سے بجا لاتا رہا۔ لیکن کچھ بڑے کام، جو اس کی عملداری میں سرانجام ہوئے اور دنیا میں یادگار بن کر رہ گئے، یا کچھ عجیب و غریب باتیں، جو اس کے دورِ حکومت میں ہوئیں، وہ قارئین کے لئے مختصراً یہاں درج کی جاتی ہیں:

۱۔ پہلے سندھ میں تشریف لاتے ہی راقم الحروف کو سونے کی تلوار عطا فرمائی[ؔ]۔ اس کی سندھی نقل یہاں پیش کی جاتی ہے:

نمبر ۵ جڈیشل ڈپارٹمینٹ	مہر: محکمہ محتشمۂ صاحب
۱۸۶۸ء۔۱۲۸۴ ہجری	والا مرتب کمشنر صاحب بہادر
	سندھ

محترم منشی خداداد خان سلامت رہو

نہایت ہی مہربانی اور خوشی سے اپنے مہربان مسٹر جان مور صاحب بہادر اسسٹنٹ کمشنر سندھ، کی سفارش پر ایک اچھی ولایتی تلوار، تمہاری لیاقت کی وجہ سے اور تمہاری ان خدمات کی وجہ سے تمہیں انعام دی گئی ہے، جو تم نے سندھ میں خواہ دیگر ممالک میں کمال ہوشیاری اور ایمانداری سے بجا لائے ہو۔ امید ہے کہ تم یہ انعام عطا ہونے کے بعد، جو سرکار کی طرف سے زیادہ عزت افزائی اور مہربانی کا سبب ہے، سچائی اور وفاداری سے خود پر واجب سمجھ کر ہمیشہ سرکار کی خیرخواہی میں مشغول رہو گے۔

فقط تاریخ ۱۶ ستمبر ۱۸۶۸ء (۲۸۔ جمادی اول ۱۲۸۴ ہجری)

دستخط

سر ولیم میری ویدر صاحب بہادر

ٹی۔ پی۔ ایس۔ آءِ، کمشنر سندھ

[ؔ] یہاں وہ حروف بڑھانے چاہئے تھے جن کا تذکرہ اوپر کیا جا چکا ہے۔ (ن۔ب)۔

۲- مذکورہ سالوں میں سندھ کے اندر ''آفیشل گزٹ'' جاری ہوا، جس کے ذریعہ سے ابھی تک افسروں کو سرکاری خبریں ملتی رہتی ہیں اور ان میں سے انہیں بہت فائدہ پہنچ رہا ہے۔

۳- روہڑی اور سکھر کی بندرگاہوں پر کشتیوں کی بجائے جہاز مقرر کئے گئے، جو بہت ہی آرام دہ اور لوگوں کی جان و مال کی سلامتی ہے۔ تا حال اُسی طرح وہ جہاز مقرر ہیں، جس وجہ سے لوگ، مہران (دریائے سندھ) جیسے خطرناک دریاء سے امن و امان میں ہیں اور سرکار کو دعائیں دیتے رہتے ہیں۔

۴- سال ۱۲۸۵ ہجری سال ۱۸۶۹ء میں مارواڑ میں قحط نے سر اٹھایا۔ جس وجہ سے وہاں کے لوگ عمرکوٹ، ریگستان اور گرد و نواح (سندھ) میں آنے لگے اور بھوک کی وجہ سے اپنے بچے بیچنے لگے؛ اگرچہ انہیں سرکار کی طرف سے خوراک کی امداد دی جا رہی تھی، مگر ان لوگوں کی مزید امداد کے لئے کئی ایک تعمیراتی کام شروع کئے گئے، جیسا کہ ریگستان میں کچھ نئی نہریں کھدوائی گئیں اور کشمور میں (دریاء پر) بند باندھا گیا، جس وجہ سے لوگ مزدوری کر کے، اپنا گذارہ کرنے لگے۔ (سندھ میں) سرکاری ملازمین کو ان کی لیاقت کے مطابق قحط کی وجہ سے اضافے (قحط الاؤنس) دیئے گئے۔

۵- مذکورہ بالا سالوں میں (۱۲۸۵ ہجری مطابق ۱۸۶۹ء) میں راقم الحروف کو ایک سو پچاس روپے ماہوار تنخواہ سے کمشنر صاحب کے دفتر میں پہلے درجہ کی منشی گیری (ہیڈ منشی) کی جگہ دی گئی۔ علاوہ ازیں رجسٹریشن ڈیپارٹمینٹ میں بھی منشی کی جگہ دی گئی، جس کا ثبوت اس تحریر سے ملے گا، جس کا تذکرہ مناسب موقع پر کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ کچھ اسکولوں میں امتحانات کے موقع پر جو مدد مجھ سے لی جاتی تھی، اس کے عوض بھی کچھ ملتا رہتا تھا۔

۶- مذکورہ برسوں میں فریئر ہال (کراچی) میں ایک عجیب نمائش منعقد کی گئی، جو سندھ اور گرد و نواح کے لوگوں کے گھریلو ہنر سے متعلق تھی اور ایک ہفتہ تک جاری رہی۔ جس وجہ سے لوگوں میں عجیب و غریب ہنروں کا شوق پیدا ہوا اور وہ مختلف اشیاء کی خرید و فروخت کی طرف متوجہ ہوئے۔

۷- مذکورہ بالا سالوں میں ایک حکم صادر کیا گیا، کہ سندھ کے اندر خواہ کوہستان اور اس کے گرد و نواح میں قدیم اور مشہور مساجد، مقابر، عمارات، شہر اور عجائبات وغیرہ کی مختصر تاریخ خداداد خان (راقم الحروف) کے ہاتھوں تیار ہونی چاہئے۔ اسی حکم کی وجہ سے، کراچی ضلع سے (۱) پیر حاجی منگھی (۲) شاہ بلاول (۳) لاہوت لامکان (۴) دروات اور (۵) رنی کوٹ وغیرہ-- حیدرآباد ضلع سے (۱) نصرپور (۲) ٹنڈو فضل ٹالپر (۳) مخدوم نوح (۴) رہمکی بازار اور (۵) اُڈیرو لعل

وغیرہ--اور شکارپور ضلع سے (۱) خواجہ خضر (۲) معصوم شاہ کا منارہ (۳) شاہ خیرالدین (۴) قاسم خانی اور (۵) بکھر کے قلعہ وغیرہ کا احوال درجہ بدرجہ لکھ کر، کمشنر صاحب کی خدمت میں عرض رکھا گیا، جو سرکار کے مترجم سے انگریزی میں ترجمہ کر کے چھپوایا گیا، اور سندھ کے عملداروں کو دیا گیا اور لندن میں سر بارٹل فریئر صاحب بہادر کو بھیجا گیا۔ جس کے کئی ایک نسخہ (کاپیاں) سندھی خواہ انگریزی میں راقم الحروف کے ہاں موجود ہیں۔

۸- سال ۱۲۸۶ ہجری مطابق ۱۸۷۰ء میں بلوچستان کے سرداروں نے درۂ بولان اور مٹھڑی کے درمیان خان صاحب والیء قلات کے خلاف بغاوت کا علم بلند کیا۔ افغانستان اور بلوچستان کے سوداگروں اور قافلوں کو لوٹا، جس وجہ سے ہندوستان کی سرکار بلند اقتدار (وائسرائے) کے حکم کے مطابق ان جھگڑوں کے تصفیہ کی خاطر خاص طور پر (سندھ کے کمشنر صاحب کو) مقرر کیا گیا۔ تقریباً چار مہینے جیکب آباد میں خیمے نصب کروا کر ان میں قیام کیا اور خان قلات کے وزیر ملا ولی محمد شاہ غاصی (اشک افاسی) اور سراوان کے سردار ملا محمد رئیسانی کے روبرو بہت ہی اچھے طریقے سے (سارے جھگڑے) فیصلے کئے۔ یہاں تک کہ سب فریق اس کے فیصلے پر راضی ہو گئے، اور اس مشکل معاملہ میں راقم الحروف کو خصوصیت سے خدمتگذاری کے لئے مقرر کیا گیا۔ یہ آٹھویں مرتبہ تھا کہ راقم الحروف کو اس خاص خدمت کے لئے مامور کیا گیا۔

۹- مذکورہ برسوں میں سرحدی علاقہ میں بسنے والی بلوچ قوم کے لئے جرگہ کا قاعدہ تیار کر کے، ان کی منظوری (ہند سرکار سے) لی گئی، جن سے تا حال فائدہ حاصل کیا جاتا ہے۔ بلوچستان کے لوگ ان تجاویز کی وجہ سے بے حد خوش ہیں۔

۱۰- ان ہی دنوں میں ''شہداد واہ'' عرف ''سکھر واہ'' میں جو تبدیلی لانی تھی وہ مکمل ہو چکی اور واہ (نہر) کھولی گئی۔

۱۱- سال ۱۲۸۷ ہجری مطابق ۱۸۷۱ء کی ابتدا میں جب ویلی صاحب بہادر سندھ (کمشنر صاحب کا) اسسٹنٹ تھا، ''کشمور بند'' سے آفیس کے سارے ملازمین کو حکم دیا کہ وہ سکھر پہنچیں، وہاں ٹھہریں اور انتظار کریں اور خود (کمشنر صاحب) بذریعہ جہاز دیگر صاحبان کے ساتھ اور راقم الحروف کے ساتھ (یہ نویں مرتبہ تھا، کہ راقم الحروف کو خاص خدمت کے لئے مامور کیا گیا) بہاولپور کے شہر ''چاچڑان'' میں پہنچا اور وہاں پنجاب کے لیفٹیننٹ گورنر صاحب بہادر سے مل کر (دونوں) مٹھن کوٹ میں آئے اور سندھ کی حدود کی مقرری کا فیصلہ کر کے (سندھ کا کمشنر) سکھر میں واپس آیا۔ مٹھن کوٹ میں پنجاب کے مزاری قوم کے سردار اور تمندار نواب سر امام بخش خان صاحب بہادر نے مہمانداری کے فرائض بجالا کر، خوش کیا۔

۱۲- مذکورہ برسوں کے آخر میں (کمشنر صاحب) کراچی سے کچھ معززین اور راقم الحروف کو ساتھ لے کر، کوٹڑی پہنچا اور وہاں سے جہاز میں سوار ہو کر، دن رات سفر کر کے، ملتان کے نزدیک شیر شاہ بندر پر لنگر انداز ہوا، اور وہاں سے ریل گاڑی میں سوار ہو کر ملتان آیا اور ہندوستان کے فرمانروا (گورنر جنرل وائسراءِ) جناب لارڈ نارتھ بروک صاحب بہادر سے ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ ان دنوں مسٹر جیمس صاحب بہادر اس کا اسسٹنٹ تھا۔ ملتان سے عزت مآب وائسرائے صاحب بہادر کے ساتھ ''بھنگ بھارہ'' کے کیمپ میں پہنچ کر، رات کو بہاولپور کے والی خان صاحب صبح صادق صاحب بہادر کا مہمان بنا۔ پھر کشمور کی بندر پر پہنچا، اور وہاں سے خشکی کے راستے اس نے ارادہ کیا کہ جیکب آباد کو اپنی تشریف آوری کے شرف سے نوازے؛ مگر اتفاق ایسا ہوا، کہ صاحب موصوف کو بخار ہوگیا، جسے ''ڈیگو'' کہا جاتا ہے، جس وجہ سے جہاز پر سوار ہو کر، سکھر کی بندر پر پہنچا اور وہاں والیء قلات خان خداداد خان صاحب بہادر اور والیء خیر پور میر علی مراد خان صاحب بہادر سے ملاقاتیں کر کے اور تحفے تحائف لے دے کر، اسی جہاز میں حیدرآباد کے بندر پر پہنچے، اور وہاں گھوم پھر کے، کراچی میں رونق افروز ہوا اور ''فریئر ہال'' میں دربار منعقد کر کے، عزت مآب گورنر جنرل اور وائسرائے صاحب بہادر بمبئی تشریف فرما ہوئے، اور باقی صاحبان سندھ میں اپنی جگہوں پر برقرار رہے۔ اس سفر میں راقم الحروف ان کے ساتھ تھا اور یہ میری نویں خصوصی خدمت تھی۔

۱۳- سال ۱۲۸۸ ہجری مطابق ۱۸۷۲ء میں ہندوستان کے فرمانروا گورنر جنرل اور وائسرائے لارڈ میو صاحب بہادر کے قتل کی خبر سندھ میں مشہور ہوئی۔

۱۴- مذکورہ سال میں لس بیلہ کا حکمران جام میر خان، خان قلات کے وزیر ملا ولی محمد شاہ غاصی کی جنگ سے بھاگ کر، کراچی میں آیا اور اسے سندھ سرکار کی نظر بندی میں رکھا گیا۔

۱۵- سال ۱۲۸۹ ہجری مطابق سال ۱۸۷۴ء میں بلوچستان کے کچھ حصے، جو سندھ فتح ہونے والے زمانے سے لے کر، سندھ کے کمشنر کے ماتحت تھے، سندھ سے الگ کر کے، بلوچستان کے اے۔ جے۔ جے (بلوچستان میں ہندستان کے گورنر جنرل کے ایجنٹ) کے ماتحت رکھے گئے، اور ان دنوں ہندوستان کے فرمانروا (گورنر جنرل اور وائسرائے) لارڈ لیٹن صاحب بہادر پنجاب سے جیکب آباد سندھ میں تشریف آور ہوا، اور سندھ کو عزت بخشی۔

۱۶- سال ۱۲۸۹ ہجری مطابق ۱۸۷۴ء کے آخر میں بمبئی کا گورنر سر فلپ ووڈ ہاؤس صاحب بہادر پنجاب سے کشمور میں تشریف آور ہوا اور خشکی کے راستے سندھ کے بڑے شہروں جیسا کہ جیکب آباد، شکارپور، لاڑکانہ، میہڑ اور سہون کی سیر کر کے، سہون بندر سے جہاز میں سوار ہو

کر حیدرآباد پہنچا اور وہاں کے اہم مقامات، عجیب و غریب اشیاء اور ۱۲۶۰ہجری مطابق ۱۸۴۳ء والا میدان جنگ دیکھ کر، کراچی میں آیا اور وہاں عام دربار منعقد کر کے، بمبئی روانہ ہو گیا، اور سندھ کے عملدار اپنی اپنی جگہ قائم رہے۔

۱۷- اسی سال کوٹڑی سے ملتان تک مہران دریاء (دریائے سندھ) کے بائیں کنارے ریل گاڑی چلنا شروع ہوئی۔

۱۸- سال ۱۲۹۰ہجری مطابق ۱۸۷۵ء میں سرکار بلند اقتدار مقروض جاگیرداروں اور زمینداروں کو قرضے سے آزادی دلوانے کی خاطر قاعدے منظور کئے۔ پہلی مرتبہ اس قاعدہ کی شروعات ایچ۔ اے۔ ایم جیمس صاحب بہادر کی کوشش اور محنت سے ہوئی، جب وہ ضلع سیوستان (سہون) کا اسسٹنٹ کلیکٹر تھا۔ اس کی وجہ سے کئی جاگیرداروں، زمینداروں اور کاشتکاروں کو فائدہ حاصل ہوا، جس لئے وہ سرکار نامدار کے، اس وقت کے عملداروں کی تعریف کے گیت گانے لگے۔ مگر شنوائی کی مدت بہت تھوڑی یعنی چھ مہینے بمشکل تھی، اس لئے سارے مستحق جاگیردار اس سے پورا فائدہ حاصل نہیں کر سکتے تھے اور کچھ محروم رہ گئے تھے۔

۱۹- ۱۲۹۰ہجری مطابق ۱۸۷۵ء میں سر میر علی مراد خان اپنے مختصر عملے سمیت پرنس آف ویلس صاحب بہادر سے ملاقات کے لئے بمبئی گیا۔

۲۰- سال ۱۲۹۱ہجری مطابق ۱۸۷۶ء میں راقم الحروف کے لئے ہندوستان کی سرکار نامدار کو نیک نامی کے پروانہ عطا کرنے کی سفارش کی، جو مندرجہ ذیل تحریر سے، جو انگریزی کا ترجمہ ہے، پڑھنے والوں کو معلوم ہوگی۔

پولیٹیکل ڈپارٹمنٹ، نمبر ۴۶ ۷، مورخہ ۲۶ ستمبر ۱۸۷۶ء

آفیس کمشنر صاحب بہادر سندھ، کراچی۔

بحوالۂ مراسلہ نمبر ۳۲ ۷، مؤرخہ ۲۱ ستمبر ۱۸۷۶ء (۱۲۹۱ہجری)۔

کمشنر صاحب رقمطراز ہے، اور منشی خداداد خان ولد راضو خان کا نام پیش کرتا ہے، جو سندھ کے کمشنر صاحب بہادر کے دفتر کا بڑا منشی ہے، کہ ہند سرکار کی طرف سے اس کے لئے نیک نامی کا پروانہ صادر کیا جائے۔ کیونکہ یہ منشی بڑے عرصہ سے نہایت ہی اچھے طریقے سے خدمات بجا لاتا رہا ہے۔ مثلاً سال ۱۸۵۸ء (۱۲۷۶ہجری) میں سر فریڈرک گولڈ اسمڈ کے ساتھ جیسلمیر اور پوکران (مارواڑ) گیا۔ سال ۱۸۶۱ء (۱۲۷۸ہجری) میں اُسی عملدار کو خاص خدمات کی بجا آوری کے لئے

مکران (بلوچستان) کے ساحل کی طرف بھیجا گیا، تو یہ منشی اس کے ساتھ تھا۔ ان دونوں خدمات کے لئے اسے خاص طور پر منتخب کیا گیا تھا۔ اس کے بعد مخصوص خدمات کے لئے بار بار منتخب ہوتا رہا اور مسٹر ایس مینسفیلڈ کمشنر سندھ کے ساتھ خلیج فارس اور دجلہ دریاء عبور کر کے بغداد گیا۔ ان خدمات کے عوض مسٹر ہیولاک، جب وہ سندھ کا کمشنر تھا، اسے ایک اعلیٰ درجہ کی تلوار عطا کر کے نوازا تھا۔ منشی خداداد خان نے کئی مرتبہ فارسی، عربی، مکرانی اور بلوچی زبانوں کے مترجم کی حیثیت میں فرائض بھی بجا لاتے رہے ہیں اور کراچی میں سندھی ممتحن کی جماعت کا ممبر بھی رہے ہی، جو محکمۂ تعلیم کے ماتحت ہے۔ یہ خدمات خواہ دیگر کئی خدمات، جو سیاسی معاملات سے تعلق رکھتی تھیں، بجا لائی ہیں، جنہیں تفصیلاً قلمبند کرنا ضروری نظر نہیں آتا۔ ان سب باتوں کو نظر میں رکھ کر، سندھ کا کمشنر صاحب بہادر سمجھتا ہے کہ منشی خداداد خان اس بات کا مستحق ہے کہ اسے نیک نامی کا پروانہ عطا کیا جائے۔ اس لئے اس پر مہربانی کے خیال سے سفارش کی جاتی ہے کہ سرکار اسے نیک نامی کا پروانہ عطا کرے۔

دستخط

کرنل سر ولیم میری ویدر صاحب بہادر

کمشنر سندھ

۲۱- سال ۱۸۷۵ء کے آخر میں بمبئی کا گورنر سر رچرڈ ٹیمپل صاحب بہادر، جو بہت ہی اچھا فارسی دان تھا اور عجیب و غریب حالات کا شائق اور متلاشی، ریگستان (رن کچھ) کے راستے عمرکوٹ پہنچا، اور وہاں سندھ کے اکثر شہروں کی سیر کرنے کے بعد قندھار روانہ ہو گیا۔ ان دنوں ریل گاڑی شال کوٹ (کوئٹہ) تک چلنے لگی تھی۔ جیکب آباد اور کوئٹہ کے درمیان ''ٹیمپل دیرہ'' نامی جو ریلوے اسٹیشن مشہور ہے، اسی صاحب کی طرف منسوب ہے۔ کیونکہ وہاں تھوڑی دیر ٹھہر کر ناشتہ کیا تھا۔ سردار شیر علی خان والیء قندھار سے اس خاکسار راقم الحروف کو معلوم ہوا کہ گورنر صاحب قندھار میں سردار صاحب موصوف کا مہمان تھا، اور وہاں افغان سرداروں کی طرح زمین پر بیٹھ کر کھانا کھایا تھا۔ بیشک، ویسے ہی ہونا چاہیئے۔ ہر ملک اور ہر شہر میں وہاں کے رسم و رواج کے مطابق چلنا عقلمندوں ہی کا کام ہے۔ قندھار سے واپسی پر ''ننہ گاج'' کا ملاحظہ کرنے کے بعد، جو کوہستان کے کنارے واقع ہے، کراچی آیا اور وہاں ایک عام جلسہ کر کے، ملیر سے پائیپوں کے راستے پانی کراچی پہنچانے کا افتتاح کیا، اور اس کے بعد بمبئی تشریف فرما ہو گیا۔

۲۲- سال ۱۲۹۲ ہجری مطابق ۱۸۷۵ء میں سر میر علی مراد خان دہلی گیا اور وہاں پر نوابوں، امراء اور راجاؤں کے جلسے میں شامل ہوا۔ جہاں اسے پرچم اور کچھ دیگر اشیاء عطا کر کے نوازا گیا۔

آخرکار (سندھ کا کمشنر) اپنی اچھی کارگزاری کی وجہ سے سال ۱۲۹۲ھجری مطابق سال ۱۸۷۵ء کے آخر میں انگلینڈ کی پارلیمنٹ کا ممبر مقرر کیا گیا اور کراچی سے بمبئی روانہ ہو گیا۔ اس سے پہلے کوئی بھی کمشنر برطانوی پارلیمنٹ کا رکن نہیں بنا تھا۔ سندھ کے باشندوں نے چندہ اکٹھا کر کے، جس میں راقم الحروف کی کچھ رقم بھی شامل تھی، بندر روڈ پر کراچی شہر کے آخری سرے پر (اس کی یاد میں) ایک بڑا برج تعمیر کروایا، جو ''میری ویدر ٹاور'' کے نام سے مشہور ہے اور تاحال قائم ہے۔ سمندر کے کنارے پر دوسرا بھی ایک بڑا برج ہے، جو ''میری ویدر اسٹیشن'' (؟) کے نام سے مشہور ہے، اور ایک باغیچہ بھی، جو ''کراچی کے باغستان'' میں داخل، اور سرکار کی طرف سے میر صاحبان کی رہائش کے لئے مقرر کیا ہوا ہے، ''میری ویدر گارڈن'' کے نام سے مشہور ہے۔ بیشک، نامور سردار ہمیشہ زندہ رہتے ہیں، چاہے جو دنیا فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت کر جائیں، پھر بھی ان کا نام ونشان قائم رہتا ہے۔

اپنی حکمرانی کے زمانے میں راقم الحروف کے لئے اپنے دفتر میں کچھ حکم نامے اس نے چھوڑے ہیں، جو راقم الحروف کے ہاں موجود ہیں۔ اگر وہ سارے حکم نامے کاغذ کے میدان پر لائے جائیں (نقل کئے جائیں) تو لازمی طور پر ان کے لئے ایک جدا داستان مرتب کرنا پڑے گی۔ مگر ''مشتی نمونۂ از خرواری'' کے مصداق ان میں صرف تین حکم نامے یہاں درج کئے جاتے ہیں، جن میں سے قارئین کو، راقم الحروف پر کمشنر کی شفقت، مہربانی اور عنایات کا پتہ چلتا ہے۔

اس تاریخ کے قارئین کو نیک روشن ہو کہ کئی اسسٹنٹ کمشنر، راقم الحروف پر مہربان تھے۔ ان کو جب میرے عہدہ اور تنخواہ سے متعلق معلوم ہو جاتا تھا، تو اس خاکسار کے مسکینی حال پر رحم کر کے، سندھ کے کمشنر صاحبان کو سفارشیں کرتے تھے۔ ان میں سے جو سفارشات سر ولیم میری ویدر صاحب کی خدمت میں کی گئی تھیں، ان میں سے چند ایک یہاں درج کی جاتی ہیں، اور دیگر صاحبان کو کی گئی سفارشات شاید کسی اور موقع پر درج کی جائیں۔

اسسٹنٹ کمشنر صاحبان کی تحریروں پر سندھ کے کمشنر سر ولیم میری ویدر صاحب بہادر کے جوابات

۱- خداداد خان مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ کسی مناسب موقع پر اس کی بہترین خدمتگذاری سے متعلق سوچا جائے گا۔ ابھی وقت ہے۔

۲- خداداد خان کو دو سو پچاس روپے ماہوار تنخواہ، ایک سو بیس روپے ماہوار الاؤنس اور سندھ پولیس انسپیکٹر ی کا عہدہ قبول نہیں کرنا چاہیئے۔ میں خداداد خان کو سندھ کے کمشنر کے دفتر میں، تنخواہ کے اضافے کے ساتھ رہنے کا مشورہ دوں گا۔ خداداد خان جیسے ہوشیار اور لیاقت، قابلیت رکھنے والے منشی کے لئے یہ عہدہ (پولیس انسپیکٹر ی) ایک کالا داغ ہے۔

اسسٹنٹ کمشنر صاحب بہادر کی تجویز

میں، خداداد خان کے لئے سفارش کی جرأت کرتے ہوئے، اس حقیقت کا اظہار کرتا ہوں کہ جوانوں اور بوڑھوں (سرکاری ملازمین) کو ترقی ملتی رہتی ہے اور خداداد خان ابھی وہیں کا وہیں ہے۔ فی الحال تین مہینوں کے لئے اسے (عارضی) ترقی دینا مناسب نظر آتا ہے، کہ فیض محمد کی جگہ پر اسسٹنٹ کلیکٹر یعنی سینئر ڈپٹی کلیکٹر کی حیثیت میں کام کرے اور کمشنر صاحب کے دفتر میں رہے، تا کہ اس کی جیب میں پیسے آئیں۔ وہ قادرداد سے یا کسی ایسے شخص سے کم نہیں، جس کی جگہ پر وہ کام کرے گا (یہ اشارہ فیض محمد کی طرف تھا، جوان دنوں زندہ تھا)۔

کمشنر صاحب کا جواب:

میں خداداد خان کی تنخواہ میں اضافہ کے لئے وقت آنے پر مناسب تجویز پیش کروں گا۔تم نے اس کے لئے جس عہدہ کی سفارش کی ہے، سو کمشنر کا دفتر چھوڑے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔

کئی اور تحاریر بھی موجود ہیں، اور ستمبر ۱۸۷۷ء مطابق ۱۲۹۲ ہجری میں روانگی وقت راقم الحروف کے ہاتھ میں جو نیک نامی کی تحریر اس نے دی، اور اپنے دفتر میں جو تحریر اس نے چھوڑی، وہ ذیل میں درج کی جاتی ہیں (انگریزی کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے):

۱- منشی خداداد خان بہت ہی اچھا خدمت گذار ہے اور اس کی کارگذاری میں نہایت ہی ہمت اور چستی ہے۔ بڑے منشی کی جگہ، جو دیوان منگھارام کے جانے کی وجہ سے خالی ہوئی تھی، وہ آٹھ سالوں سے اس کے ہاتھ میں ہے۔ اس نے فارسی زبان کی تعلیم حاصل کی ہے اور سندھی لکھنے میں بڑا ہی ہوشیار ہے۔ دیگر کئی زبانوں سے بھی واقفیت رکھتا ہے۔ میں بہت ہی خوش تھا کہ اسے کسی مناسب موقع پر کسی بڑے عہدے پر پہنچاؤں گا۔ لیکن حالات کی ناسازگاری کی وجہ سے ایسا کوئی موقع نہیں مل سکا۔ اس لئے یہ ذمہ داری پورے اعتماد سے اپنے جانشینوں پر رکھتا ہوں۔ وہ بہت ہی جلد فرائض کی بجا آوری میں اس کی بہترین کارگذاری سے واقف ہوں گے، اور جب انہیں موقع ملے گا تو بڑی خوشی سے اسے کسی عہدے پر ترقی دے کر، سرفراز کریں گے۔ مجھے اس وقت اور اس طرح کے حالات میں اچھا نہیں لگتا، کہ اسے ''خان بہادری'' کا لقب دینے کے لئے

خصوصی درخواست کروں، اور یہ اچھا نہیں ہوگا کہ سرکار نامدار کی طرف سے اس درخواست کا انکار میں جواب موصول ہو۔

دستخط
ڈبلیو۔ ایل۔ سر ولیم میری ویدر
صاحب بہادر۔ کمشنر سندھ

۲- اُس تحریر کا مختصر ترجمہ، جو اپنے دفتر میں رکارڈ پر چھوڑ گیا:
منشی خداداد خان، اچھا منشی، اچھا تعلیم یافتہ اور لیاقت والا ہے۔

یوں جاتے وقت ایک ولایتی تلوار، جس کی قیمت تین سو روپے تھی، اپنے جانشین مسٹر ایف۔ ڈی۔ میلول صاحب بہادر کے روبرو اپنے ہاتھ سے دی، اور اسے انگریزی میں میرے لئے بہت ہی اچھی سفارش کی۔ پھر مجھے اردو میں جو نہایت ہی فصاحت سے بولتا تھا، فرمایا کہ ''تیرے لئے میرا بہتر مشورہ یہ ہے کہ کمشنر صاحب بہادر کے دفتر کو جلد چھوڑنا اچھا نہیں ہوگا۔ کیونکہ بالآخر تمہیں اِدھر ہی سے فائدہ پہنچے گا۔'' بیشک، ایسا ہی ہے، جو بادشاہ کا سخن، سخنوں کا بادشاہ ہوتا ہے۔

مندرجہ ذیل تحریر ترجمہ ہے مسٹر جان مور صاحب بہادر اسسٹنٹ کمشنر سندھ کی تحریر کا، جس کا وعدہ مذکورہ فقرہ نمبر پانچ میں کیا گیا تھا، جہاں سر ولیم میری ویدر صاحب بہادر کی کارگذاریاں درج کی گئی تھیں۔ یہ تحریر اس کتاب کے قاری کے لئے درج کی جارہی ہے:

''میں منشی خداداد خان کو آٹھ برس سے اچھی طرح جانتا ہوں۔ کیونکہ میں یہ سارا عرصہ سندھ میں رہا ہوں۔ اس عرصے میں اس نے خود کو سندھ کے کمشنر کے دفتر میں بڑے منشی کی ذمہ داری جیسی جگہ پر نہایت ہی محنت، لیاقت اور بڑی کوشش سے پہنچایا ہے۔ خداداد خان سفر کے زمانے میں جب لمبی اور دشوار منزلیں درپیش آتی ہیں، تو ان منازل کی دشواری کو برداشت کرنے والا بندہ ہے، اور ایسے مواقع پر سرکاری ملازم کی قدر[۵] بے حد قیمتی ہے، کیونکہ اس کی فارسی دانی اور عربی دانی بے حد مفید ثابت ہوئی تھی، جب ہم خلیج فارس سے گذر کر اور دجلہ اور فرات عبور کر کے، بغداد گئے تھے۔ یہ شخص ہمارے ساتھ ڈاڑ ہیارو جبل کی طرف بھی چلا تھا۔ وہاں ہمیں جو بھی ضرورت پیش آئی، وہ اس نے بڑی خوشی سے پوری کی۔ علاوہ ازیں سندھ کے سفر میں، جب مجھے سندھ کے اسکولوں کے امتحانات لینے کے لئے جانا پڑا، تو اس سے بہت مدد ملی۔ میں بہت خوش

۵ یہاں ''قدر'' کی بجائے ''موجودگی'' ہونا چاہئے (ن۔ب)۔

ہوں گا، اگر اسے اپنی زندگی میں موجودہ عہدہ سے، کسی بڑے عہدہ پر فائز دیکھوں گا، اور جو بات میں لکھنا بھول گیا ہوں، وہ اب لکھ رہا ہوں، کہ" خداداد خان نے انسپیکٹر جنرل صاحب بہادر کی برانچ میں رجسٹریشن کے معاملات میں سارا سال بڑی مدد دی ہے۔"

دستخط

جان مور صاحب بہادر اسسٹنٹ کمشنر سندھ،
سندھ کے اسکولوں اور انسپیکٹر صاحب بہادر
کی برانچ کا ناظم۔

نواں کمشنر: مسٹر ایف۔ ڈی۔ میلول صاحب بہادر ایکٹنگ

سال ۱۲۹۲ ہجری مطابق ۱۸۷۷ء کے آخر میں جانشیں اور ایکٹنگ کمشنر بنا۔ اس کا اسسٹنٹ مسٹر ڈبلیو۔ بی۔ وارنر صاحب بہادر تھا۔ میلول صاحب اس سے پہلے سندھ کا جڈیشنل کمشنر اور سندھ کیچیف کورٹ کا جج تھا۔ اس کمشنری کے زمانے میں اگرچہ چند معمولی امور سرانجام ہوئے، لیکن کئی عدالتی معاملات، جن سے وہ بخوبی واقف تھا، اصلاح پذیر ہوئے اور اچھی طرح سے چلنے لگے۔

اسی زمانے میں افغانستان میں تیسری جنگ ختم ہوئی تھی اور سندھ میں گھوڑوں، بیلوں، خچروں اور گدھوں کی خرید و فروخت اور باہر کے ملکوں میں انہیں بھیجنا مشکل ہو گیا تھا اور باجرہ اور جوار کی گھاس کی تکلیف بہت بڑھ گئی تھی۔ ان مشکلات کو میلول صاحب نے بہت ہی اچھے طریقے سے حل کیا۔

دسواں کمشنر: مسٹر ایچ۔ این۔ بی ارسکین صاحب بہادر

سال ۱۲۹۳ ہجری مطابق ۱۸۷۹ء میں کراچی میں وارد ہوا، کمشنری کا عہدہ سنبھال لیا۔ اس سے پہلے سندھ کے اسسٹنٹ کمشنر اور کراچی کے کلیکٹر کے عہدہ پر رہ چکا تھا۔ پہلے سر چارلس الیونٹ صاحب بہادر، پھر ڈاکٹر جان پالن صاحب بہادر اور اس کے بعد مسٹر ایجرلی صاحب بہادر درجہ بدرجہ اس کے اسسٹنٹ بن کر رہے۔ اس کی ایام کاری میں اکثر سرکاری معاملات بطریق احسن سرانجام ہوتے رہے۔ یہاں ان میں سے کچھ باتیں "یک مشت نمونۂ خرواری" [۱] کے طور پر درج کی جاتی ہیں۔

کچھ عجیب و غریب باتیں، جو اس کی حکمرانی کے زمانے میں ہوئیں، وہ لکھی جا رہی

---

[۱] "مشتی نمونۂ از خرواری" صحیح ہے۔ (ن۔ب)۔

ہیں، جن میں سے پڑھنے والوں کو پتہ چلے گا کہ وہ صاحب کس طرح سرکاری کاروبار چلاتا تھا۔

ا- اس سال افغانستان کا والی مرحوم امیر شیر علی خان صاحب وفات پا گیا۔ اس کی سجع یہ تھی:

امیر دوست محمد خان کہ مقبل ازلی است،
نظام مملکتش از انتظام شیر علی است۔ ؎

ا- جاگیریں، جو سابق بادشاہوں کی دی ہوئی تھیں، یا اچھی خدمات کے سبب نئی سرکار کی طرف سے عطا کی گئی تھیں، ان کے معاملات اکثر غیر مجوزہ اور نامکمل تھے، جس وجہ سے بمبئی کی سرکار کی طرف سے وقت بوقت ان کے تصفیہ کے لئے احکام آتے رہتے تھے۔ اس لئے اس سلسلہ میں سرکار کو رپورٹ بھیجی، جس کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔ جس سے قارئین کو معلوم ہوگا کہ اس رپورٹ کا نتیجہ راقم الحروف کے فائدہ میں ہے۔

بمبئی سرکار کو بھیجی گئی رپورٹ ۱۰ اکتوبر ۱۸۸۰ء مطابق ۱۲۹۴ ہجری کا تصدیق شدہ ترجمہ

جنابم!

یہ بات آپ صاحب کی توجہ میں لانا چاہتا ہوں کہ سندھ کے ایکسٹرا اسسٹنٹ کلیکٹروں (عارضی) میں سے ایک ایکسٹرا اسسٹنٹ کلیکٹر کا عہدہ خالی ہے۔ اس لئے عرضگذار ہوں کہ آپ صاحب اس عہدہ پر ایک سرکاری ملازم مقرر کرنا فرمائیں تو میں تعمیل کروں (آپ کے مقرر کردہ آدمی میں رکھوں)۔ اپنے پیش رووں کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے، آپ صاحب کی توجہ خان صاحب خداداد خان ولد راضو خان کی طرف مبذول کرنا چاہتا ہوں۔ یہ شخص کئی ایک برسوں سے سندھ کے کمشنر کے دفتر میں بڑے منشی کے طور پر رہا ہے، اور ابھی تک ہے۔

خان صاحب خداداد خان ۱۸۵۴ء (۱۲۷۰ ہجری) کی ابتدا سے سرکاری ملازمت میں ہے اور سابقہ سب عملداروں، نے جن کے ماتحت اس نے کام کیا ہے، اس کے لئے بڑے باعزت شاندار اور عزت افزائی کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ سال ۱۸۵۵ء (۱۲۷۱ ہجری) میں وہ

؎ یہ شعر یوں ہونا چاہئے:

امیر دوست محمد کہ مقبل ازلی ست
نظام مملکتش ز انتظام شیر علی ست

جاگیری اور سیاسی شعبہ میں سر فریڈرک گولڈ اسمڈ صاحب بہادر کے ماتحت رہا ہے۔ اس کے بعد وہ اُسی عملدار کے ساتھ ایک خاص ڈیوٹی پر مکران (بلوچستان) اور جیسلمیر (مارواڑ) گیا۔ سر فریڈرک گولڈ اسمڈ صاحب، سر لیوئس بیلی صاحب سر ہنری گرین صاحب، مسٹر ہیولاک صاحب، مسٹر میلول صاحب اور سر ولیم میری ویدر صاحب سب نے اس کی بہترین خدمات اور بڑی لیاقت کی تعریف کی ہے، اور اس کی تنخواہ میں اضافہ کی سفارش کی ہے۔ سال ۱۸۶۷ء (۱۲۸۳ ہجری) میں اس کی اچھی خدمات کے عوض اسے ایک سونے کی تلوار عطا کی، کمشنر صاحب بہادر کے دفتر کے سب اہلکاروں کے درمیان اعزاز اور امتیاز بخشا گیا۔ سر ولیم میری ویدر صاحب بہادر نے سندھ سے روانگی وقت یوں لکھا۔

''میں بہت خوش ہوتا، اگر کسی مناسب موقع پر
اس کا عہدہ اور تنخواہ بڑھا کر، اسے سرفراز کرتا۔
لیکن وقت کی ناسازگاری کی وجہ سے مجھے ایسا
مناسب موقع میسر نہیں ہوا۔ اس کے باوجود میں
پورے اعتماد کے ساتھ اسے اپنے جانشینوں کے
سپرد کر کے جاتا ہوں۔''

مجھے خداداد خان کی حالت اور لیاقت کے بارے میں زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اس کی کارگذاری سے متعلق اپنے ایک سال کے ذاتی تجربہ پر انحصار کرتے ہوئے فقط اتنا کہوں گا کہ میری رائے بھی اپنے پیش روؤں کی رائے میں شامل ہے، جو انہوں نے اس سے متعلق دی ہے۔ میں پورے وثوق سے کہتا ہوں کہ وہ تنخواہ میں اضافہ کے لائق ہے، جس کے لئے میں آپ صاحب کی خدمت میں سفارش کرتا ہوں۔

اس وقت ایک سبب ہے، جو میں خان صاحب خداداد خان کا انتخاب کرتا ہوں، کہ وہ اس خالی عہدے پر عارضی طور کام کرے، جس کے لئے آپ کی توجہ منڈول کرنا چاہتا ہوں اور آپ صاحب کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ کچھ عرصہ سے سرکار کی یہ خواہش رہی ہے کہ سندھ کی زمینوں کی معافی کا مسئلہ ہاتھ میں لیا جائے، اور اس سے متعلق رپورٹ کی جائے۔ مگر ان معاملات کی طرف توجہ کرنا اور رپورٹ کرنے میں بڑی مشکلاتیں پیش آ رہی ہیں۔ جس وجہ سے ناممکن ہے کہ سب زمینوں یا کچھ ٹکڑوں سے متعلق صحیح یادداشت ہاتھ آ سکے۔ مگر اس کے باوجود اس معاملہ کو نظرانداز نہیں کیا گیا اور اس سلسلے میں ضروری معلومات حاصل کرنے کا کام جاری ہے۔ تاہم یہ امکان ہے کہ یہ سروے جلد مکمل نہ ہو سکے؛ اس لئے بہتر یوں نظر آ رہا ہے کہ اس معاملے کے

لئے ایک خاص افسر مقرر کروں، اور میرے خیال میں یوں آتا ہے کہ اس عہدہ پر، جو خالی ہے، ایک افسر (جلد اور ضرور) مقرر کیا جائے، اور مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ سندھ میں دوسرا کوئی ایسا آدمی نہیں ہے، جو اس ملازمت کے لئے مطلوبہ ہوشیاری، قابلیت اور لیاقت رکھتا ہو، سوائے اس معزز آدمی کے، جس کا نام آپ صاحب کی خدمت میں پیش کیا گیا ہے۔ وہ جاگیری شعبہ میں اپنے پہلے تجربے کو اچھی طرح استعمال کر سکے گا۔

اکتوبر ۱۸۸۰ء (۱۲۹۴ہجری) کراچی

میں ہوں آپ صاحب کا
تابعدار ایچ۔این۔بی ارسکین
کمشنر سندھ

اس سفارش پر بمبئی سرکار سے جو حکم نامہ (انگریزی میں) آیا، اس کا ترجمہ یوں ہے:

نمبر ۱۷۷۵، سال ۱۸۸۰ء (۱۲۹۴ہجری)
محکمۂ روینیو، بمبئی کاؤنسل، تاریخ ۳۰ اکتوبر
۱۸۸۰ء (۱۲۹۴ہجری) سرکاری حکم نامہ

جناب گورنر صاحب بہادر نہایت ہی خوشی سے مقرر فرماتا ہے خان صاحب خداداد خان ولد راضو خان، سندھ کے کمشنر صاحب بہادر کے دفتر کے بڑے منشی کو اس کی کارگذاری سبب "سیکنڈ کلاس ایکسٹرا اسسٹنٹ کلیکٹر سندھ"، خان بہادر میر ولی داد خان کی جگہ پر، کہ وہ سندھ میں ایکسٹرا اسسٹنٹ فرسٹ کلاس کے فرائض بجا لائے۔

دستخط
جان نیوجنٹ صاحب بہادر
ایکٹنگ سیکریٹری

یہ گیارہویں مقرری ہے، جو راقم الحروف کے لئے خصوصی خدمت کے لئے کی گئی ہے۔

۳- سال ۱۲۹۵ہجری مطابق ۱۸۸۱ء میں ڈپٹی کلیکٹروں اور مختیارکاروں کے عہدوں کے لئے بڑھائی گئی تنخواہوں سے متعلق ایک نئی تجویز عمل میں آئی اور اضلاع کے افسر، جو "ڈپٹی کلیکٹروں" کے ناموں سے مشہور تھے، وہ اب اچھے عہدوں اور بڑی تنخواہوں سے "اسسٹنٹ کلیکٹر" کے نام سے بولے جانے لگے، اور اس طرح کے عہدے حاصل کرنے کے لئے قاعدے

مقرر کئے جانے لگے، جو تا حال جاری ہیں اور ان عہدوں کے لئے امیدوار افسر ان کی پابندی کرتے ہیں۔

۴-اُسی سال (۱۸۸۱ء میں) مالی معاملات سے متعلق چند قاعدے جاری کئے گئے اور سب زمینداروں اور آبادگاروں کو ان سے آگاہ کیا گیا۔ مثلاً محصول کی وصولی، آباد اور غیر آباد زمینوں کی تقسیم، مالکانہ لینا، معافی دینا، شفعہ کا حق، متصل زمینیں، زمین کی حدود پر پتھر نصب کر کے نشان لگانا، مسافروں کے آرام اور آسائش کے لئے عام راستوں پر درخت لگوانا، ہوڑی ۸، کوچھن ۹، دریاء بُردی، دریاء خوردی اور دریاء کی چھوڑی ہوئی زمین (کچہ) سے متعلق ایسے اچھے قواعد مقرر کئے گئے، کہ ان میں سے اکثر قاعدے تا حال اُسی طرح جاری ہیں، اور ''آئین اکبری'' کی طرح مشہور ہیں۔

۵- اُسی سال (۱۸۸۱ء میں) مرحوم سردار شیر علی خان صاحب والیء قندھار اپنے متعلقہ لوگوں سمیت کراچی میں آیا۔ اسے رہائش کے لئے جگہ اور گذارہ کے لئے مناسب امداد دی گئی، جس وجہ سے وہ ساری زندگی آرام اور آسائش سے وقت گذارتا رہا۔

٦- سال ۱۲۹۷ ہجری مطابق ۱۸۸۳ء میں سر میر علی مراد خان والیء ریاست خیر پور کو سلامی کے لئے دو توپیں مزید عطا کی گئیں۔

۷- اُسی سال (۱۸۸۳ء میں) راقم الحروف کے لئے پھر سفارش کی گئی کہ خداداد خان کو اصل تنخواہ سے زیادہ ایک سو روپے اضافہ، روزانہ بھتہ اور دو کلرک دئے جائیں، جنہیں انگریزی آتی ہو (۱) حشمت رائے (جو اس وقت ڈپٹی کلیکٹر ہے) اور (۲) اس کا بیٹا اُدھارام مترجم۔ یہ دونوں کلرک خط و کتابت کے لئے اس کی ماتحتی میں رہنے چاہئیں۔

اسی سفارش کا اظہار انگریزی مراسلہ نمبر ۲۲۵۱، مؤرخہ ۵ جون ۱۸۸۳ء (۱۲۹۷ ہجری) کے آخری فقرہ سے ظاہر ہے۔ یہ مراسلہ سندھ کے کمشنر مسٹر ایچ۔ این۔ بی ارسکین صاحب بہادر، بمبئی کے گورنر اور کاؤنسل کے صدر جیمس فرگرسن صاحب بہادر کی خدمت میں بھیجا، جس کا ترجمہ یہ ہے:

فقرہ نمبر ۵۵۔ اس لئے یہ تجویز پیش کرتا ہوں کہ یہ معاملات، سندھ کے کمشنر صاحب کے سیاسی شعبہ کی بڑے منشی مسٹر خداداد خان کے ہاتھوں، اسسٹنٹ کمشنر کی نظرداری میں سرانجام

۸ ''ہوڑی'' یا ''ہُڑی'' سندھی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی ہیں زمین کا وہ ٹکڑہ جہاں پر بیُر کے درخت زیادہ ہوں۔

۹ زمین کا وہ ٹکڑا جہاں سرسبز درخت اور جانوروں کے سبز گھاس ہو۔ (ن۔ب)۔

دیئے جانے چاہئیں۔ کیونکہ مسٹر خداداد خان فارسی میں خط وکتابت اور جاگیروں کے نقشہ جات وغیرہ سے بخوبی واقف ہے اور بڑا تجربیکار ہے۔ اس کی خدمتیں شروع سے لے کر سرکار کو پسند ہیں؛ اس لئے یہ سفارش کر رہا ہوں کہ وہ اس خصوصی خدمت پر مقرر رہے۔ اسے ایک سو روپے ذاتی تنخواہ سے زیادہ دیئے جائیں اور روزانہ لوازمہ (بھتہ) بھی۔ علاوہ ازیں اس کام کے لئے دو انگریزی دان ایک ستر روپے ماہوار تنخواہ پر اور دوسرا چالیس روپے ماہوار تنخواہ پر اس کی ماتحتی میں دیئے جائیں، اور دستور کے مطابق ان کو بھی مسافری کا بھتہ دیا جائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ کام پورے ایک سال کے عرصہ میں مکمل ہو جائے گا۔ جس وقت وہ کتاب (تواریخ جاگیرات) تیار ہو جائے گی، تو پھر ہمیشہ کے لئے فائدیمند ثابت ہو جائے گی اور جو غیر ضروری خط وکتابت ہوتی رہتی ہے، وہ فوراً بند ہو جائے گی۔ اس کے بعد کوئی بھی غلطی نہیں ہوگی اور جاگیری زمینوں سے متعلق سندھ میں خواہ مخواہ جو شکوک وشبہات اور مشکلاتیں پیدا ہوتی رہتی ہیں، وہ فوراً بند ہو جائیں گی۔

اس سفارش پر بمبئی سرکار کی طرف سے انگریزی میں جو حکم نمبر ۹۴۹۶، مورخہ ۲۱ دسمبر ۱۸۸۳ء مطابق ۱۲۸۷ہجری کو پہنچا، اس کے آخری فقرہ کا ترجمہ قارئین کی معلومات کے لئے یہاں درج کیا جاتا ہے:

کمشنر صاحب نے جاگیروں کے معاملات، اسناد عطا کرنے اور نقشہ جات کی تیاری سے متعلق جو تجویز پیش کی ہے، وہ بڑی خوشی سے باجے کاؤنسل کے اجلاس میں منظور کی جاتی ہے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ بڑے منشی (خداداد خان) کو ماہوار ایک سو روپے اصل تنخواہ ملتی ہے، اور اس کے علاوہ بھی رجسٹریشن کے شعبہ سے تیس روپے ماہوار لیتا ہے۔ اب جب وہ اس خاص ڈیوٹی پر رہے گا، تو اسے فقط ایک سو روپے اصل تنخواہ مقرر کردہ ماہوار الاؤنس سمیت لینی چاہئے، نہیں کہ وہ تیس روپے، جو اسے رجسٹریشن شعبہ سے ملتے ہیں۔ کیونکہ یہ دائمی تنخواہ نہیں ہے۔

دستخط

چیف سیکریٹری بمبئی سرکار

جب سال ۱۸۸۶ء (۱۲۹۹ہجری) میں ''تواریخ جاگیرات'' مکمل ہوئی، اور چھپ بھی گئی، تو اُس وقت ڈاکٹر جان پالن صاحب نائب کمشنر سندھ، اس کی پہلی جلد کے صفحہ نمبر ۴ پر لکھا کہ ''خان صاحب خداداد خان نے اس تاریخ مکمل کرنے میں بڑی مدد دی ہے، اس لئے اس کی

شکرگذاری کی جاتی ہے۔"

راقم الحروف کی طرف سے یہ بارہویں خصوصی خدمت ہے۔

۸- مذکورہ سالوں (۱۲۹۷ہجری مطابق ۱۸۸۳ء) میں مرحوم خان بہادر محمد مراد خان افغان کی کراچی میں وفات حسرت آیات ہوئی۔ مرحوم بڑا نامور انسان تھا۔ اصل میں قلاتی تھا۔ بعد میں کراچی میں آکر سکونت پذیر ہوا۔ اس کی نعش کراچی سے لاکر، حب ندی کے علاقے میں دفن کی گئی، جہاں اس کی جاگیر تھی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بہت ہی اچھا آدمی تھا۔

۹- سال ۱۲۹۸ہجری مطابق ۱۸۸۴ء میں آنریبل سید امیر علی شاہ [۱۰] باجارہ (تحصیل سہون) کے سیّد لوگوں کے بلانے پر کلکتہ سے کراچی تشریف فرما ہوا۔ باجارائی سیّد قتل کی تہمت میں گرفتار تھے۔ سید امیر علی نے آنریبل خان بہادر محمد حسن علی صاحب [۱۱] کے ساتھ سیّد لوگوں کی وکالت کی اور انہیں قتل کے ناحق تہمت سے چھٹکارا دلوا کر نیکی کمائی۔

۱۰- سال ۱۲۹۹ہجری مطابق ۱۸۸۵ء میں مدرسۃ الاسلام اور ڈیارام کالج [۱۲] قائم ہوئے، جن سے آج تلک عوام فاعدہ حاصل کر رہے ہیں۔

۱۱- سال ۱۳۰۰ہجری کے آخر (اور اس کے مطابق) سال ۱۸۸۷ء کی ابتدا میں سندھ کے سب چھوٹے اور بڑے شہروں میں خوشی کی محافل اور مجالس منعقد ہوئیں۔ چراغان کیے گئے اور عجیب وغریب تماشے ہوئے، کیونکہ انگلستان کی ملکہ معظمہ اور ہندوستان کے قیصرہ کی بلند شوکت سلطنت کے پچاس برس پورے ہوئے۔ سندھ کے کئی امیر، سردار اور معزز لوگ فریئز ہال کراچی میں اکٹھے ہوئے اورانہوں نے سندھ کے کمشنر صاحب بہادر سے ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ یہ دَربار دُربار اس قدر شاندار تھی، کہ خاکسار راقم الحروف کی کوششوں سے اگرچہ سینکڑوں درباریں منعقد ہو چکی ہیں، اور ہمیشہ دربار منعقد کرانے کے انتظام کا تعلق راقم الحروف ہی سے رہا ہے، مگر میں نے ایسا دربار پہلے کبھی بھی آنکھوں سے نہیں دیکھا تھا۔ بیشک، ایسا کیوں نہ ہو، کیونکہ یہ دَربار دُربار سب درباروں سے ممتاز تھا۔

۱۲-مذکورہ بالا سال میں راقم الحروف کو "خان صاحبی" کے خطاب عطا کرنے کی سفارش کی گئی، جو درج ذیل تحریر سے ظاہر ہے:

---

[۱۰] سید امیر علی تاریخ اسلام کا مصنف۔

[۱۱] حسن علی آفندی سندھ مدرسۃ الاسلام کا بانی

[۱۲] ڈی۔ جی۔ سندھ کالیج

انگریزی مراسلہ کے فقرہ ۷ اور ۸ کا ترجمہ نمبر ۲۵، مؤرخہ ۳۰ جنوری ۱۸۸۳ء (۱۳۰۰ ہجری)، جو بمبئی سرکار کو بھیجا گیا۔

(ساتواں فقرہ): دوسرے، میری یہ خواہش ہے، جو میں آپ صاحب کی توجہ مبارک پر لانا چاہتا ہوں، وہ یہ کہ خداداد خان ولد راضو خان کو ''خان صاحب'' کا لقب عطا کرنے کی سفارش کرتا ہوں، کہ یہ لقب اس کے لئے ''ذاتی لقب'' کے طور پر مقرر کیا جائے۔

(آٹھواں فقرہ): مجھے اس بات کی زیادہ ضرورت محسوس نہیں ہو رہی کہ اس قدیم ملازم کے متعلق کچھ زیادہ بولوں۔ مگر اتنا کر سکتا ہوں کہ اس نے اپنی خدمات کی تاریخ، جو سال ۱۸۸۲ء (۱۲۹۸ ہجری) میں میری معلومات کے لئے تیار کی تھی، اس سے متعلق کچھ لکھوں۔ میں یہ بھی ضروری نہیں سمجھتا کہ سابقہ حاکموں نے جو کچھ اس سے متعلق لکھا ہے، اس کا اظہار کروں۔ البتہ یہ لکھنا چاہتا ہوں کہ خداداد خان جو عہدہ چند برسوں سے اپنے تصرف میں رکھے ہوئے ہے، سندھ کمیشن کے حالات اور ڈپٹی کلیکٹروں کی یادداشت میں تغیر کے سبب تخفیف میں آ جائے گا۔ اس لئے بہتر نظر آ رہا ہے کہ اسے ''خان صاحب'' کا لقب عطا کیا جائے۔ ویسے بھی یہ لقب رواج اور اس کی عزت کی خاطر کئی ایک برسوں سے اس کے لئے استعمال ہو رہا ہے۔

آپ صاحب کا تابعدار

دستخط: مسٹر ایچ۔ این۔ بی ارسکین صاحب بہادر

کمشنر سندھ

۱۳- سال ۱۳۰۰ ہجری مطابق ۱۸۸۳ء میں جناب لارڈ ری صاحب بہادر گورنر بمبئی، اور سر میر علی مراد خان صاحب بہادر والیء خیرپور، شکارپور میں گھوڑوں کے نمائش کے موقعہ پر رونق افروز ہوئے، سندھ اور گرد و نواح کے اکثر معزز لوگ اور بیوپاری بھی اس موقع پر اکٹھے ہوئے تھے۔ اس دَربار دُربار کا بہت ہی اچھا بندوبست کیا گیا تھا اور یہ دربار سندھ کے اکثر درباروں سے بہتر تھا، جو راقم الحروف کی کوشش سے منعقد ہوا تھا۔ اس بات کا ثبوت انگریزی خط کے مندرجہ ذیل ترجمہ سے ملے گا۔ دیگر کئی ایک تحاریر، جو اس دربار کے حالات پر مشتمل تھیں، نظر انداز کی گئی تھیں۔

خان صاحب خداداد خان کی طرف،

میں نہایت ہی شکر گذاری اور احسانمندی سے آپ کی طرف اس مدد کے بارے میں لکھ رہا ہوں، جو ہز ہائینیس میر والیء ریاست خیرپور اور ہز ایکسیلینسی گورنر بمبئی کی تشریف آوری

کے موقع پر آپ نے میرے ساتھ کی تھی۔ آپ کے بغیر مجھے پتہ نہیں چل سکتا تھا، کہ میں اس سے متعلق کیا کروں، کیونکہ میں اتنا عرصہ صرف آفیس کا کام کرتا رہا ہوں۔ اس لئے میں تمہارا احسانمند ہوں اور میری دلی خوشی کا ثبوت یہ ہے کہ میں تمہاری مدد کا اعتراف کر رہا ہوں، جو آپ نے میرے ساتھ کی ہے۔

فقط۔ تاریخ ۱۴ جنوری ۱۸۸۷ء (۱۳۰۰ ہجری)

آپ کا مخلص دوست

کرنل میر صاحب بہادر پولیٹیکل ایجنٹ

اسسٹنٹ خیر پور اور کلیکٹر ضلع شکار پور

۱۴- بالآخر اُسی سال (۱۸۸۷ء میں) مسٹر ارسکین صاحب بے شمار کارگذاریوں کے بعد ولایت (انگلینڈ) روانہ ہو گیا اور وہاں سرکاری نوکری سے رٹائر ہو کے، پینشن لے کر، آرام سے زندگی گذارنے لگا۔ اس کی اچھی خدمات کی وجہ سے کراچی شہر میں اور کراچی بندر پر ایک باغیچہ اور ایک بندر ''باغیچۂ ارسکین'' اور ''بندر ارسکین'' کے ناموں سے تعمیر کئے گئے۔ بیشک، نیک سرداروں اور حاکموں کی نیکیوں اور نیک گذاریوں کی یادگار زمانے میں ہمیشہ قائم رہتی ہے۔ کہتے ہیں کہ ''نوشیروان نہ مرد کہ نام نکو گذاشت'' (نوشیروان مرا نہیں، کیونکہ وہ نیک نامی چھوڑ کے گیا ہے)۔ جاتے وقت راقم الحروف سے متعلق سر چارلس پرچرڈ صاحب کو سفارش کرتے ہوئے، اس نے کہا کہ '' یہ شخص ہمیشہ کمشنر صاحبان کے ساتھ ہوا کرتا تھا، اور جیسے کہتا تھا، کمشنر صاحبان اکثر ویسے ہی کرتے تھے، کیونکہ وہ صحیح کہتا ہے''۔

گیارہواں کمشنر: سر چارلس پرچرڈ صاحب بہادر

سال ۱۳۰۱ ہجری مطابق ۱۸۸۸ء کی ابتدا میں بمبئی سے کراچی آیا اور سندھ کے کمشنری کا چارج لے کر، کام شروع کر دیا۔ پہلے ڈاکٹر پالن صاحب بہادر، پھر مسٹر میولس صاحب بہادر اور اس کے بعد مسٹر ایجرلی صاحب بہادر باری باری اس کے اسسٹنٹ تھے۔ دستوری کاروبار احسن طریق سے سرانجام کرتا رہا۔ مگر ایسے (بڑے) کام، جن کا نتیجہ ابھی تلک ظاہر ہے، یا کچھ عجیب باتیں، جو اس کی ایامکاری میں ہوئیں، انہیں نمونہ کے طور پر یہاں قلمبند کیا جاتا ہے:

(۱) سال ۱۳۰۱ ہجری مطابق ۱۸۸۸ء میں ہندوستان کا حکمران اور گورنر جنرل لارڈ ڈفرن صاحب بہادر سندھ میں رونق افروز ہوا، اور کراچی میں تین دن ٹھہر کر، دربار اور خاص ملاقاتیں وغیرہ کر کے، اور سندھ مدرسۃ الاسلام اور ڈیارام کالج کا سنگ بنیاد رکھ کر، بذریعہ جہاز بمبئی روانہ ہو گیا۔

۲- سال ۱۳۰۱ ہجری مطابق ۱۸۸۸ء میں سردار محمد ایوب خان، مرحوم امیر شیر علی خان صاحب افغانستان کا دوسرا نمبر فرزند، دیگر سرداروں اور متعلقہ افراد کے ساتھ، جن میں مرد حضرات بھی تھے اور خواتین بھی، اور بارہ سو سے زیادہ لوگ تھے، ایران سے گھوڑوں سمیت کراچی آئے۔ کرنل رینالڈس صاحب بہادر پولیٹیکل ایجنٹ مغربی بلوچستان کی خواہش موجب، راقم الحروف، کمشنر صاحب بہادر کے حکم سے ان کے کام کاج اور مہمانداری وغیرہ کے لئے مقرر ہوا۔ گویا یہ تیرہویں خصوصی خدمت تھی، جو راقم الحروف کے سپرد کی گئی۔ مہمانداری کا یہ معاملہ بے حد نازک اور بہت مشکل تھا۔ کیونکہ اکثر پٹھان لوگ، جو سردار صاحب کے عملہ کے افراد تھے، بڑے تیز، تند اور سخت سرکش تھے۔ بہرحال خدائے ذوالجلال کے فضل اور برطانوی باشندوں کے دائمی بخت کے صدقہ میں یہ کام خیر و خوبی سے نبھ گیا۔ مہمانوں کا بندوبست کراچی سے لے کر ریتی اسٹیشن تک، جو سندھ کی سرحد ہے، راقم الحروف کے ذمہ تھا۔ اس بندوبست میں خراسان، ہندوستان اور سندھ کے رسم و رواج مطابق اعلیٰ درجہ کا اور ہر قسم کا طعام بھی شامل تھا اور ہر قسم کا شربت، برف اور میوہ جات وغیرہ بھی، جو سرداروں کی ضروریات زندگی میں شامل ہیں۔ سارے مہمان ریل گاڑی کے فرسٹ کلاس کمپارٹمنٹ میں سوار تھے۔ راقم الحروف ایک ہفتہ کے اندر کراچی سے ریتی تک پانچ دفعہ گیا اور واپس آیا۔ اگرچہ سرداروں کی خواہش کے مطابق اعلیٰ قسم کے طعام ہر وقت ریل گاڑی میں پہنچائے جا رہے تھے، مگر ان کے کھانے کے اوقات کوٹڑی، سکھر اور ریتی میں مقرر شدہ تھے، جہاں انہیں بہت ہی اچھے طریقے سے کھانا کھلایا جا رہا تھا۔

اس نازک کام اور خوش اسلوبی سے اس کی تعمیل اور تکمیل کا احوال، مندرجہ ذیل انگریزی تحریر کے ترجمہ سے قارئین کو معلوم ہو جائے گا:

انگریزی مراسلہ مؤرخہ ۱۴ مئی ۱۸۸۸ (۱۳۰۲ ہجری) کے فقرہ اول اور دوم کا ترجمہ (کراچی سے)

میرے پیارے میہو صاحب!

(۱) سندھ کے کمشنر صاحب بہادر کمال مہربانی سے، خان صاحب خداداد خان کو میرے احکام کی تعمیل کے لئے میرے ماتحت مقرر کیا ہے، کہ جب سردار ایوب خان اور اس کے لوگ سندھ سے گذریں، تو وہ ان کے کھانے پینے کا بندوبست کرے۔

(۲) امید ہے کہ مہربانی کر کے آپ اپنے ماتحت افسروں کو ہدایات جاری کریں گے کہ وہ خداداد خان کی ہر طرح سے مدد کریں۔ جیسا کہ سکھر اور ریتی میں کھانے کا انتظام تین ریل

گاڑیوں کے اندر کیا جائے گا اور تینوں ریل گاڑیاں تین دنوں میں پہنچیں گیں اور ہر ایک ریل گاڑی میں تین سو سے کم اور پانچ سو سے زیادہ لوگ نہیں ہوں گے۔

دستخط

ٹی۔ٹوالمین رینالڈس صاحب بہادر

پولیٹیکل ایجنٹ مغربی بلوچستان

یہی بات کراچی کے کلیکٹر کرنل کرافورڈ کی طرف لکھے ہوئے مراسلہ میں بھی تھی، لیکن چونکہ دونوں کا مطلب ایک ہی تھا، اس لئے فقط ایک مراسلہ پر اکتفا کیا گیا۔

ریتی (تحصیل اباوڑو) سے

۱۶ مئی ۱۸۸۸ء (۱۳۰۲ ہجری)

سندھ کے کمشنر صاحب بہادر کی طرف سے خداداد خان کو مقرر کیا گیا تھا سردار محمد ایوب خان اور اس کے ساتھیوں کو کھانا پہنچانے کے لئے، جب انہوں نے کراچی سے مذکورہ بالا ملکوں کی طرف سفر کیا۔ وہ جس خدمت کے لئے مقرر کیا گیا تھا، وہ اس نے بہت ہی اچھے طریقے سے بجا لائے۔ اسے تین سے زیادہ دنوں کے لئے کھانے کا بندوبست کرنا تھا، تین الگ الگ مقامات پر، اور کھانے والے ایک ہزار سے زیادہ تھے۔ سردار صاحب موصوف اور اس کے ساتھیوں نے نہایت ہی مسرت اور احسانمندی کا اظہار کیا اور بہت خوش تھے، جو ان کی خاطر اتنی تکلیف اٹھائی گئی۔ اس کے لئے میں خداداد خان کا بے حد شکرگذار ہوں جو اس نے اچھی مدد کی ہے اور بڑی محنت سے کام لیا ہے۔

دستخط

ایوانس گارڈن صاحب

نائب پولیٹیکل ایجنٹ

ریتی ۱۶ مئی ۱۸۸۸ء مطابق ۱۳۰۲ ہجری

میرے پیارے کرنل رینڈال صاحب!

خداداد خان نے تینوں اسٹیشنوں پر کھانے کا اچھا انتظام کیا تھا اور میں اس سے بے حد خوش ہوں۔

دستخط

ایوانس گارڈن صاحب

نائب پولیٹیکل ایجنٹ

کراچی ۲۴ مئی ۱۸۸۸ء مطابق ۱۳۰۲ ہجری

میرے پیارے ایجرلی!

میں یہ پرچی خان صاحب خداداد خان کو دیتا ہوں۔ وہ میرے لئے نہایت ہی مفید ثابت ہوا۔ میں تمہارا بھی بہت ہی احسانمند ہوں، جو آپ نے مجھے ایسا اچھا خدمتگذار دیا۔

دستخط

ٹی۔ٹوالمین رینالڈس صاحب بہادر

جس وقت وہ چٹھی کمشنر صاحب بہادر کو دی گئی، تو بہت ہی خوش ہوا۔

انگریزی مراسلہ نمبر ۲۹ ۷، مؤرخہ ۲۰ جون ۱۸۸۸ء (۱۳۰۲ ہجری) کے فقرہ نمبر پانچ کا ترجمہ، جو ہندوستان سرکار کے بیرونی معاملات کے وزیر کی طرف جناب پولیٹیکل ایجنٹ مغربی پاکستان، نے لکھا۔

فقرہ پانچواں

ایوانس گارڈن صاحب کے آنے پر، ہم کمشنر صاحب سے ملاقات کرنے کے لئے گئے۔ اس صاحب نے مہربانی کر کے اپنے پولیٹیکل منشی صاحب خداداد خان کو میرے احکام کی تعمیل کے لئے میرے حوالے کیا۔ میرے ملازم تھوڑے تھے اور وہ کراچی میں ضروری کاموں کے انتظام اور تیاری میں اس قدر مصروف تھے، کہ ان میں سے کسی ایک کو بھی سپرد کئے ہوئے کاموں کی بجائے، میں کھانے پینے پر نظرداری کے لئے مقرر نہیں کر سکتا تھا، جو سندھ میں نارتھ ویسٹرن ریلوے کے تینوں اسٹیشنوں پر کرنی تھی۔ اس لئے میں، خان صاحب کے اطمینان بخش کام سے، جو میری مرضی کے مطابق خوش اسلوبی سے کیا، میں بہت ہی خوش ہوا۔ میں کمشنر صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں، کہ مجھے ضلعی عملداروں کے بندوبست میں مدد کرنے کے لئے خط و کتابت کرنے کی خاص اجازت دی۔ میں کراچی اور شکارپور کے کلیکٹر صاحبان کرنل کرافورڈ صاحب اور کرنل میہو صاحب کا بھی شکر گذار ہوں، جو مہربانی کر کے کوٹڑی، سکھر اور ریتی (اباوڑو) کے مختیارکاروں کو، سندھ میں سے سردار ایوب خان کے گذرنے کے وقت مدد کرنے کا حکم دیا۔ یہ خط بھیجنے کے وقت کرنل رینالڈس صاحب بھی، کمشنر صاحب کو، درخواست کرتا ہے کہ یہ حقیقت اپنے دھیان میں رکھے کہ سردار ایوب خان کے، راولپنڈی کی طرف سفر کرنے کے وقت خان صاحب خداداد خان نے اچھی خدمات بجا لائیں۔

ان دنوں راقم الحروف کا بڑا بھائی اللہ داد وفات پا گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

۳- سال ۱۳۰۲ہجری مطابق ۱۸۸۸ء میں ''ڈینسو محل'' (ڈینسو ہال) کراچی میں ایک عالی شان دربار منعقد کیا گیا۔ اس دربار دُربار میں راقم الحروف کو ''خان صاحب'' کے لقب کی سند عطا کی گئی، جس کے لئے سفارش کا احوال مندرجہ بالا مسٹر ارسکین صاحب بہادر کی کارگذاریوں میں بیان کیا گیا ہے۔ بڑی سرکار حشمت مدار (ہند سرکار) کی طرف سے سند پہنچی ہوئی تھی، جو عطا ہوئی۔ اس موقع پر سر چارلس پرچرڈ صاحب بہادر، راقم الحروف سے متعلق انگریزی میں جو تقریر دلپذیر کی، اس کا ترجمہ اور اس سند کے متعلق تحاریر کا ترجمہ قارئین کے لئے درج کیا جاتا ہے۔ اُسی دربار میں مرحوم حسن علی اور مرحوم غلام دستگیر کو بھی القاب کی اسناد عطا کی گئیں۔

ریزولیوشن نمبر ۱۳۹، پولیٹیکل ڈپارٹمینٹ کا حکم

مؤرخہ پہلی جنوری ۱۸۸۸ء

ان معززین کے لئے القاب کی اسناد بھیجنا، جنہیں القاب دینے سے متعلق تجویزیں پہنچی ہوئی تھیں۔ سندھ کے کمشنر صاحب کے آفس کے بڑے منشی خان صاحب خداداد ولد راضو خان کے لئے سند، سندھ کے کمشنر کی طرف۔

دستخط

مسٹر ڈبلیو۔ بی۔ وارنر صاحب

سیکریٹری بمبئی سرکار

نمبر ۱۲۲۶، مؤرخہ ۲۰ اگست ۱۸۸۸ء (۱۳۰۲ہجری)

خان صاحب خداداد خان کو اطلاع

کہ، جناب گورنر جنرل صاحب بہادر ہندستان کی طرف سے، خان صاحب خداداد خان کے لئے ''خان صاجی'' کے لقب کی سند پہنچی ہوئی ہے، جو جناب کمشنر صاحب بہادر سندھ کے ہاتھوں دی جائے گی۔ اس لئے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ ۲۱ اگست ۱۸۸۸ء مطابق ۱۳۰۲ہجری جمعرات کو پانچ بجے آ کر حاضر ہو۔

دستخط

کرنل کرافورڈ کلیکٹر کراچی

مذکورہ بالا تحریر کے مطابق راقم الحروف خداداد خان دربار میں حاضر ہوا۔ جناب کمشنر

صاحب بہادر دَربار دُربار میں سر وقد ہو کر یوں تقریر پڑھی۔ ملاحظہ ہو۔ اخبار ''سندھ گزٹ'' انگریزی مؤرخہ ۲۴ اگست ۱۸۸۸ مطابق ۱۳۰۲ ہجری، جس نے اس تقریر کی کاپی لی تھی، جو سر چارلس پرچرڈ صاحب بہادر کمشنر سندھ، ڈینسو محل میں منگل کے دن ۱۳[13] ''خان صاحبی'' کے لقب کی سند دیتے وقت کی۔ یہ سند ہندوستان کے حکمران اور گورنر جنرل صاحب بہادر کی طرف سے، خان صاحب خداداد خان کے لئے پہنچی ہوئی تھی اور تاریخ ۲۱ اگست ۱۸۸۸ء پر اسے دی گئی تھی۔ تقریر یہ ہے:

''خان صاحب خداداد خان سرکار کا پرانا خدمتگار ہے۔ اس کی ملازمت کا عرصہ پینتیس برس ہے۔ اس کا زیادہ تر واسطہ سندھ کے کمشنر کے دفتر سے رہا ہے۔ جوانی کے زمانے میں اس شخص نے ایسے اہم کام سرانجام دئے ہیں، جو کچھ حالات میں اس کی جان خطرے میں پڑ گئی۔ اس کی ملازمت کے آخری سال اس طرح گذرے ہیں، کہ میں بڑی خوشی سے کہہ سکتا ہوں کہ اس طرح کی خدمات کی بجا آوری ہمیشہ نہیں کی جا سکتی (جس طرح اس نے کی ہے)۔ کمشنر صاحب کے دفتر کے سیاسی شعبہ کی ذمہ داری تاحال اس کے سپرد رہی ہے اور وہ اصل سے ''خان صاحب'' کے لقب سے مشہور رہا ہے۔ مگر یہ اس کا تعظیمی لقب ہے، جو خاص خدمات بجا لانے کی وجہ سے اس نے حاصل کیا ہے۔ جنابہ ملکہ معظمہ قیصرۂ ہندوستان کے جبلی کے موقع پر سرکار سے درخواست کی گئی تھی کہ اس معزز شخص کو خطاب عطا کیا جائے، جو اس کا حق ہے۔ مگر یہ خطاب، اس کا آخری انعام نہیں ہے، اور ابھی اس کی خدمتگذاری جاری ہے، جو ابھی پوری نہیں ہوئی۔ یہ لقب اس کی خدمتگذاری اور ایمانداری کو پسند کرنے کی ایک علامت ہے، جو سلطنت بلند مرتبت کے تاج کے ماتحت اس نے سرانجام کی ہے۔

سند کے فرمان کا ترجمہ

خداداد خان سندھ کے کمشنر کے دفتر کے بڑے منشی! آپ کے لئے اس فرمان کے ذریعہ سے ''خان صاحب'' کا خطاب مقرر کیا جاتا ہے۔

دستخط

فورٹ ولیم (کلکتہ) — لارڈ ڈفرن صاحب بہادر فرمان فرما

۲ جنوری ۱۸۸۸ء — اور گورنر جنرل ہندستان

۴- سال ۱۳۰۳ ہجری مطابق سال ۱۸۸۸ء کے آخر میں مسٹر پارول خوبچند سہوانی پر،

۱۳[13] اوپر (تحریر ۱۲۲۶ میں) ''جمعرات'' لکھی گئی ہے، اور یہاں ''منگل''۔ یہ ایک بھول چوک معلوم ہو رہی ہے (ن۔ب)۔

جوجیکب آباد میں ڈپٹی کلیکٹر تھا، رشوتخوری کا کیس ہوا اور انکوائری میں اس پر جرم ثابت ہو گیا، جس وجہ سے اسے ملازمت سے برطرف کیا گیا۔ بالآخر بیکاری کے زمانے میں رنج، تکلیف اور بےعزتی کی وجہ سے مرگیا۔ اس کی اولاد دسہون میں موجود ہے۔

۵- مذکورہ بالا سالوں میں آبکاری کے معاملات، جو بالکل بے ضابطہ تھے، سدھر گئے اور اچھی طرح چلنے لگے۔

۶- سر میر علی مراد خان صاحب کے لئے دو توپیں زیادہ منظور ہوئیں۔ گویا فی الجملہ انیس توپیں ہوئیں، جو اس کی زندگی بھر سر ہوتی رہیں۔

۷- مذکورہ بالا سالوں (۴-۱۳۰۳ھ ہجری مطابق ۸۹-۱۸۸۸ء) میں راقم الحروف کی تنخواہ ایک سو پچاس روپے مقرر کی گئی۔ یہ بات درج ذیل تحریر سے، جو انگریزی کا ترجمہ ہے، قارئین کو معلوم ہو جائے گی۔ قارئین کو مذکورہ تحاریر سے اچھی طرح معلوم ہو گیا ہوگا کہ سندھ کے اکسٹرا اسسٹنٹ کلیکٹروں کے عہدوں میں تخفیف کے بعد، راقم الحروف پورے ایک سال تک جاگیری معاملات کی ڈیوٹی پر رہ چکا تھا، جس کی تنخواہ دوسو روپے تھی۔ اس کے بعد راقم الحروف ایک سو روپے تنخواہ سیاسی شعبہ سے اور تیس روپے رجسٹریشن کے شعبہ سے فی الجملہ ایک سوتیس روپے تنخواہ لیتا تھا۔ پھر جب رجسٹریشن ڈپارٹمینٹ ختم کیا گیا، تو سر پرچرڈ صاحب بہادر کمشنر سندھ قدردانی اور حق شناسی کے خیال سے مہربانی فرما کر، بمبئی سرکار سے خط و کتابت کر کے، جس کی تفصیل ذیل میں دی جا رہی ہے، ایک سو پچاس روپے تنخواہ اور فورتھ کلاس عہدہ دلوایا، جس پر میں (چوتھا درجہ) مختیار کاری پر فی الوقت فائز ہوں۔ وہ خط و کتابت یہ ہے:

کراچی۔ نمبر۴۳۴۔ سال ۱۸۸۸ء مطابق سال ۱۳۰۲ھ ہجری پولیٹیکل ڈپارٹمنٹ سندھ کے کمشنر سر پرچرڈ صاحب بہادر کی طرف سے گورنر اور بامبے پریزیڈنسی کے صدر جناب لارڈ ری صاحب بہادر کی خدمت میں

جناب عالی! میں یہ بات آپ صاحبوں کی توجہ مبارک پر لانا چاہتا ہوں، کہ سرکار کے حکم نمبر ۶۶۰۱، مؤرخہ ۱۳ اگست ۱۸۸۵ء مطابق ۱۲۹۹ھ ہجری کے مطابق سندھ کے کمشنر صاحب کے دفتر کے سیاسی شعبہ سے الاؤنس کے طور پر جو تیس روپے دینا منظور کئے گئے تھے اور اسے ملتے

رہتے تھے، وہ اب انسپکٹر جنرل رجسٹریشن سندھ کے دفتر کے بند ہو جانے سے اسے ملنا بند ہو جائیں گے۔ اس لئے میں آپ صاحبان کی خدمت میں درخواست کرتا ہوں کہ اس غیرمقرر شدہ بندوبست کے بارے میں، کہ اس کے ذریعے ایک پرانے اور قابل اعتماد ملازم کو بچایا جائے، اور سرکار کو اس بندوبست کی وجہ سے زیادہ خرچ بھی کرنا نہیں پڑے گا۔

(۲) میں یہ حقیقت وضاحت سے عرض کرتا ہوں کہ بڑا منشی خان صاحب خداداد خان گشت کے دوران سندھ کے کمشنر صاحبان کی درباروں کا انتظام بہت ہی اچھے سلیقہ سے کرتا ہے، اور جب سندھ کے منتخب اور معزز لوگ ملاقات کے لئے آتے ہیں، تو گفت وشنید کے دوران ترجمان کے فرائض بجالاتا ہے، اور یہ بڑا منشی دیگر منشیوں کے مقابلہ میں باعزت طریقے سے رہتا ہے اور سفر کی حالت میں نہایت ہی باعزت رویہ اختیار کیے ہوئے ہوتا ہے۔ وہ جب ملازمت کے بوجھ سے سبکدوش ہوگا، ان کی سرانجامی کی ذمہ داری اسے دفتر دار کے حوالے کرنی پڑے گی، اس لئے میں اس تجویز کو غیرمقرر شدہ طریقے سے (غیر رسمی طور پر) پیش کرتا ہوں، کہ منظور کی جائے۔

(۳) میں آپ صاحبان سے اجازت چاہتا ہوں اور رضامندی چاہتا ہوں کہ خان صاحب خداداد خان کو چوتھے درجہ کا مختیارکار مقرر کرنے اور ایک سو پچاس روپے تنخواہ دینے سے متعلق۔ اس عرصہ کے دوران وہ اپنی ڈیوٹی آفیس (کمشنر کے دفتر) میں دیتا رہے گا، تاکہ بسلسلۂ ملازمت جڑا رہے۔ اور اس کی اصل تنخواہ سے، جو ایک سو روپے ہے، اسے تب تک پانچویں درجہ کے مختیارکار کا الاؤنس زیادہ دیا جائے، جب تک وہ ملازمت سے رٹائر کرے، جو تین یا شاید چار سال کے عرصے میں ختم ہوگی۔ اس کے بعد یہ غیر رسمی اور غیر مستقل تجویز خودبخود بند ہو جائے گی۔

(۴) سفر یا ریل گاڑی وغیرہ کا الاؤنس، جو خان صاحب خداداد خان کو ملتا ہے، اتنا ہی مختیارکار کو بھی ملتا ہے۔ اس صورت میں سرکار کو کوئی نقصان نہیں ہوگا۔

(۵) اس تجویز کی وجہ سے سرکار کا خرچ زیادہ نہیں ہوگا اور فقط پانچویں درجہ کے ایک مختیارکار کا عہدہ زیادہ ہوگا، اور اس بندوبست میں کوئی تکلیف نہیں ہوگی، اور نہ کسی اور طرح سے کوئی مشکل صورت حال پیدا ہوگی۔ بلکہ جو افسر دو سو پچاس روپے تنخواہ سے ایکسٹرا اسسٹنٹ (ڈپٹی کلیکٹر) کے عہدہ پر رہتا ہے، اور بار بار تخفیف کی زد میں آکر نقصان برداشت کرتا ہے، اس سے اس کی جان آزاد ہو جائے گی، اور اس کے بعد اگر سرکار جائز طریقے سے (قاعدہ کے مطابق) تخفیف کرے گی تو اسے اس تجویز کی وجہ سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔

(٦) میں رضا مندی لئے بغیر اسے مختیارکاری کا عہدہ دے سکتا ہوں، مگر میرا اصل مطلب یہ ہے کہ وہ پھر اسی دفتر میں سرکاری ملازمت کرتا رہے، جس طرح اب کر رہا ہے۔ اس لئے میں تجویز پیش کرتا ہوں کہ اسے مختیارکاری دی جائے اور اس کی ڈیوٹی اس دفتر میں مقرر کی جائے، جس طرح اب ہے، اور اس کی اصل تنخواہ پر ایک اور مختیارکار مقرر کیا جائے۔ مجھے پورا پورا یقین ہے کہ سارے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے، میری استدعا کو خواہ مخواہ رد نہیں کیا جائے گا اور رضامندی دی جائے گی۔

اطلاع نمبر ٢، مؤرخہ ٢ جنوری ١٨٨٩ء (١٣٠٦ھ ہجری) کیمپ مورو (ضلع حیدرآباد) مراسلہ نمبر ٨٣۵٨، مؤرخہ ١٤ دسمبر ١٨٨٨ء (١٣٠٦ھ ہجری) کے جواب میں

خدمت میں گذارش ہے کہ اکاؤنٹنٹ جنرل صاحب نے اپنے مراسلہ کے فقرہ نمبر ٧ اور ٨ میں جو کچھ لکھا ہے، میں اس پر اپنی رائے کا اظہار کرتا ہوں، کہ خان صاحب خداداد خان چوتھے درجہ کا مختیارکار مقرر ہو اور اپنی ڈیوٹی سندھ کے کمشنر صاحب کے دفتر میں دیتا رہے۔ اس بندوبست سے یہ مراد نہیں ہے کہ خان صاحب خداداد خان کو رجسٹریشن ڈپارٹمینٹ کے ختم ہونے کی وجہ سے جو نقصان ہوا ہے، اس سے اسے بچایا جائے، لیکن اصل مطلب یہ ہے کہ ایسا لائق اور تجربیکار آفیسر، جو ڈھائی سو روپے تنخواہ سے ایکسٹرا اسسٹنٹ کلیکٹر کے عہدہ پر فائز ہوا ہے، اسے یہ اضافہ سرکاری وجوہات پر یعنی سندھ کے کمشنر صاحب کے دفتر میں رہنے، بار بار تخفیف تلے آنے سے بچنے، آفیس کے ملازمین کی اصلاح کرنے اور آفیس کو نہ چھوڑنے کے سبب دیا گیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر خان صاحب خداداد خان کو کمشنر صاحب کے دفتر میں سے مختیارکاری کے عہدے پر جانے دیا گیا ہوتا، تو وہ آج سے پہلے چند برسوں کے اندر ''پہلے درجے کے مختیارکار''، بلکہ ''غیر مستقل ڈپٹی کلیکٹر'' کے عہدے تک پہنچ گیا ہوتا۔ لیکن چونکہ اس کی خاص خوبیوں کی وجہ سے، جو جاگیراتی اور سیاسی معاملات سے پوری واقفیت رکھتا ہے، اسے نہیں چھوڑا جا سکتا، اور ایسا کرنے سے اسے تنخواہ کا بھی اور عزت کا بھی نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے، جس وجہ سے یہ بندوبست کیا گیا ہے کہ اسے مختیار کار کا گریڈ دے کر، پرانے دستور کے مطابق اس کی ڈیوٹی سندھ کے کمشنر کے دفتر میں رکھی جائے۔

(٢) اکاؤنٹنٹ جنرل صاحب یہ حقیقت سمجھنے میں غلطی پر ہے کہ خان صاحب خداداد

خان کو جو تنخواہ رجسٹریشن کے شعبہ سے ملتی تھی، وہ مخصوص تھی اور پینشن کا حق نہیں تھی۔ حالانکہ رجسٹریشن کے شعبہ سے اسے ملنے والی تنخواہ بھی دیگر تنخواہوں کی طرح تھی اور پینشن کا حق رکھتی تھی۔

(۳) سندھ کے کمشنر صاحب کی نظر میں ان مشکلات کو دفع کرنے کا فقط ایک ہی راستہ ہے، کہ خان صاحب خداداد خان کو چوتھے گریڈ کے مختیار کار کے عہدے پر مقرر کیا جائے، اور وہ اپنی ڈیوٹی کمشنر صاحب کے دفتر میں دیتا رہے۔ اکاؤنٹنٹ جنرل صاحب نے اپنے مراسلہ کے فقرہ نمبر ۸ میں جو کچھ لکھا ہے، اس پر غور نہیں کیا جا سکتا۔ خان صاحب خداداد خان پیر مرد ہے، جس وجہ سے اس سے یہ تقاضا کرنا کہ وہ ''جڈیشل'' امتحان پاس کرے، مناسب نہیں ہے۔ علاوہ ازیں اسے ضلع سے باہر بھی نہیں بھیجا جا سکتا۔ جہاں ہے، وہیں اس کا رہنا ضروری ہے اور جس جگہ اس کی ڈیوٹی ہے، وہ بہت ہی فائدہ مند ہے۔ خان صاحب خداداد خان کو کمشنر کے دفتر سے چھڑانے اور اسے دیگر مختیارکاروں کے گروہ میں شامل کرنے کے سبب، تنخواہ کی کمی بیشی یا ریل گاڑی کے الاؤنس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۴- اس لئے سندھ کا کمشنر اس سے متعلق التجا کرتا ہے کہ اصلی بندوبست برقرار رکھا جائے۔ اگر سرکار، اکاؤنٹنٹ جنرل کے مراسلہ کے فقرہ نمبر سات پر غور کرتی ہے، تب بھی چوتھے گریڈ کے ایک مختیارکار کا اضافہ ہوتا ہے۔ اس صورت میں تنخواہوں کے سلسلے میں جو تجویز ہے، وہ ایک جتنی ہو جاتی ہے۔ اس مراسلہ میں اس مراسلہ کے ساتھ یادداشتیں بھیج رہا ہوں۔ مگر سندھ کا کمشنر سمجھتا ہے کہ شروع میں جو بات تجویز کی گئی تھی، اس میں کوئی قابل اعتراض بات نہیں تھی، اور امید ہے کہ مراسلہ نمبر ۳۵۴، مؤرخہ ۱۴ ستمبر ۱۸۸۸ء (۱۳۰۶ ہجری) میں جو رضامندی طلب کی گئی تھی، اسے نظرانداز نہیں کیا جائے گا اور منظوری دی جائے گی۔

دستخط

سرچارلس پرچرڈ صاحب

کمشنر سندھ

سندھ کے کمشنر صاحب بہادر کے دفتر کے بڑے منشی خان صاحب خداداد خان کا چوتھے گریڈ کے مختیارکار کے عہدہ پر مقرر ہونا، اور اپنی ڈیوٹی کمشنر صاحب بہادر کے دفتر میں جاری رکھنا۔

نمبر ۱۱۴۸۔ ملکی محکمہ۔ بامبے پریزیڈنسی۔

فروری ۱۸۸۹ء (۱۳۰۱ ہجری)

سندھ کے کمشنر کا مراسلہ نمبر ۳۵۴، مؤرخہ ۱۴ ستمبر ۱۸۸۸ء (۱۳۰۶ ہجری) جس میں

معقول وجہ بیان کر کے، رضامندی طلب کی گئی ہے کہ اس کے دفتر کے بڑے منشی خان صاحب خداداد خان کو چوتھے گریڈ کے مختیارکار کے عہدہ پر ایک سو پچاس روپے تنخواہ سے مقرر کر کے، اس کی ڈیوٹی کمشنر کے دفتر میں جاری رکھی جائے، اور اس کی اصل تنخواہ ایک سو روپے پر ایک اور پانچویں گریڈ کا مختیارکار مقرر کیا جائے، تاکہ خان صاحب خداداد خان سرکاری ملازمت میں قائم رہے۔

۱- ساری خط وکتابت آخری فیصلے کے لئے مراسلہ نمبر ۱۶۰۶، مؤرخہ ۳ اکتوبر ۱۸۸۸ء کے ساتھ، پولیٹیکل سیکریٹری سے پہنچی۔

۲- اکاؤنٹنٹ جنرل کا مراسلہ ۲۲۶۹۲، مؤرخہ ۲۸ ---- پہنچا۔

۳- کمشنر سندھ کا مراسلہ نمبر ۲، مؤرخہ ۲ جنوری ۱۸۸۹ء پہنچا۔

بمبئی سرکار کا حکم

سندھ کے کمشنر صاحب نے جو انتظام کیا ہے کہ خان صاحب خداداد خان چوتھے گریڈ کا مختیارکار ہو اور ڈیوٹی اس کے دفتر میں دیتا رہے، یہ بندوبست قواعد کے مطابق جو سرکار کے احکامات نمبر ۳۷۳۴، مؤرخہ ۱۸ دسمبر ۱۸۸۶ء (۱۳۰۴ہجری) اور نمبر ۸۴۰۸، مؤرخہ ۱۵ دسمبر ۱۸۸۸ء (۱۳۰۶ہجری) پر جاری کردہ ہیں، ناجائز ہے۔ کیونکہ ان قواعد میں صاف طور پر درج ہے کہ جو افسر ڈیوٹی ایک جگہ پر دیتا ہو، تو وہ تنخواہ دوسری جگہ سے نہیں لے سکتا۔ مگر کمشنر سندھ کے دفتر کے بڑے منشی کے پرانے ملازم ہونے اور اس کی بہترین خدمتگذاری کے سبب، گورنر صاحب بہادر نہایت بخوشی تنخواہ میں یہ اضافہ ایک سو روپے کی بجائے ایک سو پچاس روپے منظور کرتا ہے، اور اس بندوبست کی وجہ سے جو زیادہ خرچہ اٹھے گا، وہ سارا (واپس) ملے گا، جو پانچویں گریڈ کا مختیارکار چوتھے گریڈ کے مختیارکار کی جگہ پر مقرر ہوگا۔

۸- سال ۱۳۰۴ہجری مطابق ۸۷-۱۸۸۶ء میں، بمبئی کا گورنر جناب لارڈ ری صاحب بہادر دوسری مرتبہ بمبئی سے کراچی آیا، اور کراچی سے (دریا کے) پل کا افتتاح کرنے اور اس کے جاری کرنے کے لئے سکھر پہنچا، اور سر چارلس پرچرڈ صاحب کمشنر سندھ، راقم الحروف کو تجربیکار دیکھ کر، منتخب کیا اور اپنے ہمراہ لے گیا۔ خاص خدمت کے لئے راقم الحروف کی یہ چوتھی مقرری تھی۔ بالآخر ان عالی شان صاحبان کے ساتھ میں سکھر پہنچا اور وہاں میں نے درباروں، تماشوں اور جلوسوں وغیرہ کا اچھی طرح سے بندوبست کیا۔ اس پل کا نام ''لینس ڈاؤن پل'' رکھا گیا۔ کیونکہ یہ نام ہندوستان کے، اس زمانے کے حکمران (گورنر جنرل) کا ہے۔ یہ پل اپنی ساخت

میں نہایت ہی مضبوط اور دیکھنے میں بہت خوبصورت ہے، جو یورپ کے کاریگروں (انجنیئر ز) کی کوششوں سے اور چالیس لاکھ روپے کے خرچ سے تیار ہوا ہے۔

وہاں سے فارغ ہو کر، ریل گاڑی کے راستے کوئٹہ (شال کوٹ) پہنچے اور وہاں کی عجیب وغریب چیزیں دیکھ کر، قندھار کے نزدیک چمن اور شالا باغ گئے۔ راقم الحروف نے اس سفر کی ساری سرگذشت کتاب ''پُل نامہ'' میں تفصیلاً اور تاریخوار درج کی ہے۔ اگر قارئین اس سیاحت کا احوال معلوم کرنا چاہیں تو اسی کتاب میں ملاحظہ فرمائیں، کیونکہ مختصر تاریخی کتاب میں یہ احوال دوبارہ لکھنا مناسب نظر نہیں آتا۔ تاہم ایک جملہ، جو سر چارلس پرچرڈ صاحب بہادر کے حُسن اخلاق سے متعلق ہے، لکھنا ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ سفر کے دوران اکثر اسٹیشنوں پر اتر کر، میرے کمپارٹمنٹ کے دروازے پر کھڑے ہو کر، جو سیکنڈ کلاس کمپارٹمنٹ تھا، انگریزی میں پوچھتا رہا کہ ''خان صاحب! خوش باش ہونا؟'' بیشک، یہ اچھی عادت نیک فطرت سرداروں کی ہوا کرتی ہے، سفر خواہ حضر میں اپنی چیونٹی جتنی حیثیت رکھنے والوں زیر دستوں کا حال احوال معلوم کرتے رہتے ہیں۔ الغرض، جناب گورنر صاحب بہادر بمبئی اور کمشنر صاحب بہادر سندھ، اپنے عملہ سمیت یہ دشوار سفر تقریباً دس دنوں میں پورا کر کے کراچی واپس تشریف فرما ہوئے۔ اس صبح سے لے کر اکثر انگریز، پارسی، مسلمان اور ہندو وغیرہ، گورنر صاحب بہادر بمبئی کی زیارت کا شرف حاصل کرنے کے لئے کمشنر صاحب بہادر کے بنگلے پر حاضر ہوتے رہے۔ اس موقع پر گورنر صاحب بہادر نے جناب خان بہادر حسن علی (افندی) کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ ''مسٹر حسن علی صدر انجمن مسلمانان سندھ! اور مسٹر غلام دستگیر انسپکٹر پولیس! آپ کو ''خان بہادر'' کے القاب سے ملقب کیا گیا ہے اور مسٹر خداداد خان کو، جو سندھ کے کمشنر صاحب کا ایک ایماندار مددگار ہے، ''خان صاحب'' کے لقب سے سرفراز کیا گیا ہے''۔ اگر پڑھنے والوں کو مذکورہ بالا بات میں کوئی شک نظر آئے تو مہربانی فرما کر کراچی کے انگریزی اخبار ''فینکس'' کے ۱۷ اپریل ۱۸۸۹ء (۱۳۰۶ھ ہجری) کی اشاعت پڑھ کر دیکھیں تو ان کا شک دور ہو جائے گا۔

۹-کمشنر صاحب سال ۱۸۸۹ء مطابق ۷-۱۳۰۶ھ ہجری میں عمر کوٹ سے مختصر عملہ سمیت جس میں راقم الحروف بھی شامل تھا، آزمائش طور ریل گاڑی پر سوار ہو کر، سندھ کے سرحد تک گیا۔ بالآخر وہ گاڑی ''شادی پلی'' کے نام سے مشہور ہوئی (؟)۔

بالآخر اس نے مذکورہ بالا سال میں بہترین خدمات کے عیوض بمبئی کاؤنسل کی ممبری کا اعزاز اور افتخار حاصل کیا۔ اب وہ بمبئی میں سکونت پذیر ہے۔

بارھواں کمشنر: آنریبل ٹریور صاحب بہادر

سال ۱۳۰۴ ہجری کے آخر اور سال ۱۸۸۷ء کے وسط میں کراچی میں تشریف آور ہوئے اور سندھ کے کمشنر کی قیام گاہ کو عزت بخشی۔ شروع میں مسٹر مور صاحب اور پھر مسٹر جیکس صاحب اس کے اسسٹنٹ تھے۔ سرکاری معمولات کی سرانجامی بڑی عقلمندی اور بردباری سے، اور معمول مطابق بہت ہی اچھی طرح کی۔ مگر اس کی حکومت کا زمانہ مختصر تھا، جس وجہ سے اس کی بڑی کارگذاریاں قلمبند نہیں کی جارہیں۔ البتہ اس کی ایامکاری میں جیکب آباد اور لاڑکانہ کی بلوچ قوموں کے الگ الگ جاگیرداروں کو جاگیروں کی اسناد عطا کی گئیں۔ ان سب جاگیرداروں کو یہ انعام برطانوی سرکار کے دور میں ملا تھا۔ بالآخر ٹریور صاحب اپنی بہتریں کارگذاری کی وجہ سے کلکتہ کی کاؤنسل کی رکنیت سے سرفراز ہوا اور تاحال وہیں پر ہے۔

تیرھواں کمشنر: آنریبل ایچ۔اے۔ایم جیمس

صاحب بہادر ''اسٹار آف انڈیا''

سال ۱۳۰۷ ہجری مطابق سال ۱۸۸۹ء کے شروع میں بمبئی سے کراچی آیا، اور سندھ کی کمشنری کی کرسی کو رونق بخشی۔ سرکاری کاروبار کو اچھے طریقے سے سرانجام کرنا شروع کیا۔ پہلے مسٹر جیکسن صاحب، اس کے بعد مسٹر لیوکس صاحب اور پھر مسٹر جی۔ سلیڈن صاحب اس کے اسسٹنٹ تھے۔جیمس صاحب، کمشنر ہونے سے پہلے سندھ کے الگ الگ اضلاع میں یعنی جھرک اور سہون میں ڈپٹی کلیکٹر (اسسٹنٹ کلیکٹر) اور سال ۱۸۷۲ء (۱۲۸۹ہجری) میں سندھ کا اسسٹنٹ کمشنر ہوا۔ اس لئے پوری واقفیت، تجربکاری اور اپنی ہر دلعزیزی سے سندھ، اور سندھ کے عوام کی بھلائی کی کوشش کرتا رہا۔ اگرچہ سرکاری کاروبار کا دستور اور قواعد ضوابط ایک ہی قسم کے تھے اور عوام کے مفادات کا لحاظ رکھنے کا معاملہ ان سے قدرے مختلف قسم کا تھا۔ مگر جیمس صاحب نے دونوں اطراف میں توازن قائم رکھا۔ بڑے کام، جو اس کی ایام کاری میں اس کے ہاتھوں اچھے طریقے سے ہو پائے اور جن کے آثار اور نتائج تاحال ظاہر ہیں اور ان کی یادیں ابھی اذہان سے محو نہیں ہوئی ہے، ان میں سے کچھ یہاں درج کئے جاتے ہیں:

۱- سال ۱۳۰۸ ہجری مطابق سال ۱۸۹۱ء میں انگلستان کی ملکہ معظمہ اور ہندوستان کے قیصرہ کی طرف سے سر میر علی مراد خان صاحب بہادر (والی خیرپور) کو اس کی سچائی اور پچاس برسوں کی خدمتگذاری کی وجہ سے جی۔سی۔آئی۔اے (گرانڈ نائیٹ آف کراس دی انڈین امپرر) کا خطاب دو

ہزار روپیوں کے انعام کے ساتھ عطا ہوا۔ اس لئے بمبئی کا گورنر لارڈ ہیرس صاحب بہادر اول کراچی میں اور پھر وہاں سے شکارپور میں تشریف آور ہوا، اور میر صاحب موصوف بھی خیرپور سے بڑی شان و اہتمام سے شکارپور پہنچے۔ اس موقع پر اکثر میر صاحبان اور جاگیردار اور معزز لوگ مدعو کئے گئے تھے، جو اس دربار دُربار میں آکر حاضر ہوئے۔ اس طرح کئی سرکاری ملازمین جن میں یورپی بھی تھے اور دیسی بھی، فوجی بھی تھے اور غیر فوجی بھی، شریک ہوئے۔ گورنر صاحب بہادر، سندھ کے کمشنر جیمس صاحب، خیرپور کے پولیٹیکل ایجنٹ کرنل میو صاحب اور شکارپور ضلع کے کلیکٹر صاحب کی موجودگی میں میر صاحب موصوف کو شاہی تمغہ اور شاہی خلعت سے نوازا گیا اور اس موقع پر وہ دن، عید کا دن اور وہ رات، شب برات معلوم ہو رہی تھی اور دونوں اطراف کی حکومتیں (سندھ اور خیرپور میرس کی حکومتیں) تحفے تحائف دینے لینے کی وجہ سے بہت خوش تھیں۔ اس دَربار دُربار کی آرائش اور زیبائش کا مبارک اور عظیم الشان انتظام، دربار کے ساز و سامان کی موجودگی، کرسیوں اور قالینوں کی سجاوٹ، روشنی اور چراغ بندی، جو وقت کے بادشاہوں کے شایان شان ہونی چاہیئے، اس راقم الحروف خاکسار خداداد خان کی کوشش سے تمام خوبصورتی اور خوش اسلوبی سے سرانجام ہوئی۔ بالآخر میر صاحب موصوف اس لقب عطا ہونے کے بعد جس انتہا درجہ کی شان و شوکت سے بذریعہ اسپیشل ٹرین خیرپور سے شکارپور تشریف آور ہوا تھا، اُسی شان و شوکت سے شکارپور سے خیرپور روانہ ہوا۔

۲- مذکورہ بالا سال (۱۳۰۸ ہجری مطابق ۱۸۹۱ء) میں قدیم خدمتگذاری اور قدردانی کے سبب راقم الحروف کو ایک سو پچاس روپے ماہوار تنخواہ سے بڑھا کر، ایک سو پچھتر روپے ماہوار تنخواہ اور پچیس روپے مسافری کا ماہوار الاؤنس دینے کی سفارش کی گئی، جو درج ذیل سرکاری حکم نامہ کے ترجمہ سے ظاہر ہے:

کمشنر سندھ کے دفتر کے بڑے منشی خان صاحب خدادادا خان کی تنخواہ میں اضافہ کی مقرری۔

نمبر ۱۵۰۱، اکاؤنٹس ڈپارٹمینٹ ۲ فروری ۱۸۹۲ء (۱۳۰۹ ہجری) بامبے پریزیڈنسی

مندرجہ ذیل کاغذات نمبر ۳۱، مؤرخہ ۲ فروری ۱۸۹۲ء (۱۳۰۹ ہجری) سیکریٹری ملکی محکمہ سے پہنچے۔ کمشنر صاحب بہادر سندھ کا مراسلہ نمبر ۲۵۲۶، مؤرخہ ۱۶ دسمبر ۱۸۹۱ء (۱۳۰۹ ہجری) اس سے متعلق پہنچا:

میں سرکار کی توجہ نمبر ۱۱۴۸، مؤرخہ ۱۲ فروری ۱۸۸۹ء کی طرف مبذول کروانا چاہتا ہوں، جس کی بنا پر خان صاحب خداداد خان سندھ کے کمشنر کے دفتر کے بڑے منشی کی تنخواہ چوتھے گریڈ کے مختیارکار کی تنخواہ کے برابر منظور ہوئی تھی اور اس کی ڈپٹی کمشنر کے دفتر میں رکھی گئی تھی۔ اس تجویز کے مطابق چوتھے گریڈ کا ایک مختیارکار کم ہوا ہے اور پانچویں گریڈ کا ایک مختیارکار بڑھایا گیا ہے۔

اس وقت تیسرے گریڈ کے مختیارکار کی ایک آسامی خالی ہوئی ہے، جس کی تنخواہ ایک سو پچھتر روپے بشمول مسافری الاؤنس ہے، اور میں اس لئے استدعا کرتا ہوں کہ خان صاحب خداداد خان کو تیسرے گریڈ کے مختیارکار کی تنخواہ ملنی چاہئے اور چوتھے گریڈ کے مختیارکار کی ایک آسامی بڑھائی جائے۔ خان صاحب خداداد خان کو ایک سو روپے کی بجائے، ایک سو پچاس روپے تنخواہ دینے سے متعلق جو معقول اسباب میرے پیشرو (سابقہ کمشنر) سرچارلس پرچرڈ نے دئے تھے، انہیں پھر سے دہرانا مناسب نظر نہیں آتا۔ البتہ وہی اسباب اب بھی موجود ہیں۔ (ملاحظہ ہو، نمبر ۳۵۴، مؤرخہ ۲۴ دسمبر ۱۸۸۸ء اور نمبر ۲، مؤرخہ ۷ جنوری ۱۸۸۹ء۔ پولیٹیکل ڈپارٹمینٹ) اور جس طرح میرے پیش رو (سابق کمشنر) خداداد خان کو چھوڑنا نہیں چاہتا تھا، اسی طرح میں بھی اسے چھوڑنے کے لئے رضامند نہیں ہوں۔ خصوصاً اس وجہ سے کہ میں اس ملک (سندھ) سے کافی عرصہ دور رہا ہوں۔ یہ ایک اہم بات ہے، جس وجہ سے یہاں کے نامور لوگوں کے ناموں اور معزز لوگوں کے حالات سے بے خبر ہوں۔ یہ ایک اہم بات ہے، جس میں مجھے خان صاحب خداداد خان سے معلومات حاصل ہوسکتی ہے۔ وہ تجربیکار ہے اور اس دفتر میں اس کا ہونا مفید ہے۔ اس کے بعد اسے اضافہ نہیں ملے گا۔ وہ اگر اور سرکاری ملازمین کی فہرست میں ہوتا، تو اضافہ حاصل کرسکتا تھا۔ اس وقت وہ اگست ۱۸۸۸ء سے چوتھے گریڈ کے مختیارکار کے عہدہ والی ماہوار تنخواہ ایک سو پچاس روپے لیتا ہے، اور فہرست میں اضافہ کے لئے اور کوئی بھی نمبر نہیں ہے[۱۴۱]۔ اگر اس کا نام سینارٹی لسٹ میں آتا، تو پھر اسے اضافہ ملتا۔ تاہم، لسٹ میں نام نہ ہونے کی وجہ سے وہ اضافہ سے محروم نہیں ہوسکتا۔ وہ اضافہ کا بلکل حقدار اور لائق ہے، اور اسے اضافہ دینے کے وقت، میرے پیش رو (سابق کمشنر) محض اس کی ملازمت کے لمبے چوڑے عرصہ کو خیال میں نہیں رکھا تھا، بلکہ اس کی لیاقت اور بہترین شخصیت کی وجہ سے اسے اضافہ دلوایا تھا، اور سارے محکمہ کے اندر دوسرا کوئی بھی شخص نہیں سوجھتا، جو اس سے بہتر ہو۔ علاوہ ازیں خان

---

[۱۴۱] یعنی وہ خاص لسٹ، جس میں اضافہ لینے کے لائق افسروں کے نام درج ہوتے ہیں۔ (ن۔ب)

صاحب کو دوسرا اضافہ عطا کرنے کی وجہ سے کسی کو کوئی نقصان بھی نہیں پہنچتا۔

سرکار کے حکم نمبر ۱۱۴۸، مؤرخہ ۱۲ فروری ۱۸۸۹ء کے مطابق، حساب کی جو بھی الجھنیں تھیں، وہ سب دور ہو گئیں، اس لئے امید کرتا ہوں کہ یہ درخواست منظور کرنے میں کوئی اعتراض نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ وہ مستحق ہے۔ بندوبست کی یادداشتوں کی نقول بھیجی جا رہی ہیں۔

اکاؤنٹنٹ جنرل کا مراسلہ نمبر ۳۴۵۲، مؤرخہ ۔۔۔جنوری ۱۸۹۲ء، جو خط و کتابت نمبر ۷، مؤرخہ ۶ جنوری ۱۸۹۲ء پہنچی ہوئی ہے، وہ واپس کر رہا ہوں، اور اس رائے کا اظہار کرتا ہوں کہ اس بندوبست سے متعلق بھیجی ہوئی لسٹیں اچھی طرح میں نے ملاحظہ کی ہیں اور ان میں درستگیاں کرنی تھیں وہ میں نے کی ہیں۔

سندھ کے کمشنر صاحب نے جو تجویز بھیجی ہے، اسے منظور کرنے میں کوئی بھی اعتراض نظر نہیں آتا۔

سرکار کا حکم

جو تجویز سندھ کے کمشنر نے بھیجی ہے، وہ بخوشی قبول کی جاتی ہے۔

دستخط

ڈبلیو۔ ایل۔ روی صاحب بہادر

ملازم سرکار بمبئی

۳- سال ۱۳۰۹ ہجری مطابق ۱۸۹۲ء میں ''گدو بندر'' سے ''شادی پلی'' (عمر کوٹ کے نزدیک) تک، ریل گاڑی کے افتتاح اور اس کے جاری کرنے سے متعلق ایک اچھی اور مفید تجویز پر عمل کیا گیا۔ اس موقع پر ایک عالی شان دَربار دُربار منعقد کیا گیا۔ دربار میں انگریزی، اردو اور سندھی میں (ریل گاڑی جاری کرنے کے سبب) بیوپار کے اضافہ اور مسافروں کی آمد و رفت کے بارے میں جو فصیح و بلیغ تقاریر کی گئیں، ان کی ہر چھوٹا بڑا دل کی سچائی سے تعریف کر رہا تھا اور تحسین و آفرین کہہ رہا تھا۔ اگر وہ تقاریر اس مختصر کاغذ پر لکھی جائیں گی، تو ان کے لئے ایک نئی داستان جوڑنی پڑے گی۔ مگر گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے صرف اس مدبر اور باخبر انسان مسٹر ایچ۔ اے۔ ایم جیمس صاحب بہادر کے بارے میں اتنا کہوں گا کہ وہ ہر قسم کی عظمت اور حکومت کے لائق ہے (یعنی اس کی تقریر پُر مغز ہے)۔

۴- مذکورہ سال میں صاحب موصوف (کمشنر صاحب) ہندوستان کے حکمران (وائسرائے اور گورنر جنرل) کی مجلس عاملہ (ایگزیکٹو کاؤنسل) کا میمبر مقرر ہوا اور دربار سے فارغ ہونے کے بعد ''کوٹری بندر'' (کوٹڑی اسٹیشن) سے بذریعہ ریل گاڑی، ہندوستان کے دار الحکومت

کلکتہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ راقم الحروف نے گاڑی کے دروازے پر کھڑے ہو کر، یہ دلپسند شعر اس کے سامنے پڑھا:

سفر رفتنت مبارکباد
بسلامت روی و باز آئی

جاتے ہوئے اس نے سندھ کی حکومت کی باگ ڈور کراچی ضلع کے کلیکٹر کرنل کرافورڈ کے حوالے کی، جو عارضی طور پر کاروبار چلا رہا تھا۔

۵- مذکورہ سال میں ایک مہینے کی چھٹی لے کر، دونوکر اپنے ساتھ لے کر، بذریعہ بحری جہاز ''کوکن'' (بمبئی) کی طرف روانہ ہوا اور بمبئی کی سیر اچھی طرح کرنے کے بعد پونا پہنچا، جہاں بمبئی کے گورنر لارڈ ہیرس صاحب بہادر، چیف سیکریٹری مسٹر ڈبلیو. ہی وارنر صاحب، بمبئی کاؤنسل کے رکن سر پرچرڈ صاحب بہادر اور پرائیویٹ سیکریٹری مسٹر ایجرلی صاحب بہادر جیسے عالیشان عملدار صاحبان سے ملاقات کی اور حسن اتفاق سے مسٹر جیمس صاحب بہادر سے بھی اچھی طرح سے ملنا ہوا، جو سر پرچرڈ صاحب بہادر کا مہمان تھا۔ پھر راجکوٹ (کاٹھیاواڑ) گیا اور سر چارلس الیوئٹ صاحب بہادر ایجنٹ کاٹھیاواڑ سے مل کر خوش ہوا۔ اس کے بعد احمد آباد (گجرات) سے ریل گاڑی میں سوار ہو کر، اجمیر، دہلی اور دیگر شہروں کی سیر پر چلا گیا، جو ریلوے لائین پر تھے۔ پھر امرتسر پہنچ کر دو دن وہاں ٹھہرا، اور پھر وہاں سے خیریت سے اپنے وطن سکھر آ کر میں نے آرام کیا۔ اس سفر کے سارے حالات ''سیاحت نامہ'' نامی کتاب میں میں نے تاریخوار درج کئے ہیں۔

۶- سال ۱۳۰۹ ہجری مطابق ۱۸۹۲ء کے آخر میں (جیمس صاحب کمشنر سندھ) مرکزی دار الحکومت کلکتہ سے واپسی کے بعد، سندھ کی حکومت کی باگ دوڑ سنبھال کر، بذریعہ جہاز مہران (دریائے سندھ) کے راستے حیدرآباد آیا، جہاں ''جمڑاؤ'' نامی ایک نئی نہر کی کھدائی کے سلسلے میں بہت ہی بڑا جلسہ منعقد کیا گیا تھا، کیونکہ حیدرآباد ضلعہ کے مشرق میں ریگستان کے علاقہ میں لاکھوں جریب زمین غیر آباد پڑی ہوئی تھی۔ اس جلسہ میں یورپ کے بڑے نامور عملدار اور معمار (انجنیئر) اور سندھ کے معزز جاگیردار اور زمیندار بلائے گئے تھے۔ یورپ کے اکثر انجنیئر وں کی رائے اس نئی نہر کی کھدائی سے متعلق ایک دوسرے سے مختلف تھی۔ لیکن آنریبل مسٹر جیمس سندھ کے حالات سے واقف ہونے کی وجہ سے اور زمینداروں اور کاشتکاروں کے فاعدہ کی خاطر قوی دلائل پیش کئے۔ مثلاً: برسات کی کمی، آبادی کے لئے نہری پانی کی قلت اور عام لوگوں کی غریبی وغیرہ۔ اس لئے حاضرین جلسہ نے اس تجویز کی معقولیت اور افادیت کو تسلیم کرتے ہوئے، اس کی

مبارک رائے سے اتفاق کیا۔ بالآخر جیمس صاحب کی غیر معمولی کوشش اور سرکار کی طرف سے لاکھوں روپیوں کے اخراجات سے نہر کی کھدائی کی تجویز منظور ہوئی اور اُسی سال سے اس پر عملدار آمد بھی شروع ہو گیا۔

بیشک، یہ تجویز اس ملک کے عوام کے لئے حد سے زیادہ مفید ہے۔ بہر حال مبارک سال ۱۳۱۷ھ ہجری مطابق ۱۸۹۹ء میں بمبئی کے گورنر لارڈ سینڈ ہرسٹ صاحب بہادر کے ہاتھوں اس کا افتتاح ہوا، اب زمینداروں اور کاشتکاروں پر اس تجویز کے فاعدے واضع ہونے لگے اور صاحب موصوف کی بات سچی ثابت ہو رہی تھی۔

۷- سال ۱۳۱۰ھ ہجری مطابق ۹۳-۱۸۹۲ء میں سندھ میں انگریز سرکار کی حکمرانی کے پچاس سال پورے ہونے پر جشن منایا گیا۔ اس جشن کے موقع پر خوشی کے سارے سامان و اسباب موجود تھے۔ اس مسرت بخش جشن کا صدر جنرل مارشٹین صاحب بہادر (پینشن بردار) تھا۔ کیونکہ وہ صاحب سندھ کی جنگوں (دبی اور میانی کی جنگوں) میں انگریزوں کے فاتح لشکر کا عملدار تھا اور میدان جنگ میں داد شجاعت دیا تھا۔

۸- اسی سال (۹۳-۱۸۹۲ء میں) مسٹر جمیس روہڑی پہنچ کر، روہڑی تعلقہ کے اکثر دیہاتوں پر نظر ڈالی اور سرکاری آمدنی (محصول) کی وصولی کی تجاویز تیار کیں۔ اس ہمت پر آفرین، جو رعایا کے فاعدہ کی خاطر اس نے بذات خود تکلیف اٹھائی۔

۹- مذکورہ سال میں سندھ کے جاگیرداروں اور زمینداروں کو سرکار نامدار کی طرف سے یہ حق عطا ہوا کہ وہ کسی بھی شخص کو اپنی مرضی سے منتخب کر کے، بمبئی کے جلسہ (ایگزیکیٹو کاؤنسل کا جلسہ) میں شرکت کے لئے بھیج سکتے ہیں۔ اس لئے ان برسوں میں سندھ کے جاگیرداروں اور زمینداروں نے خان بہادر حسن علی (افندی) کو منتخب کر کے، جلسہ میں شرکت کرنے کے لئے بمبئی بھیجا۔ سندھ کے باشندے اس حق کے عطا ہونے پر بے حد خوش ہوئے اور سرکار کو اور آنریبل مسٹر جیمس صاحب کو دعائیں دیتے رہے۔ یہ حق تا حال قائم ہے اور اس وقت یہ اعزاز آنریبل میر اللہ بخش خان جاگریدار کو حاصل ہے۔

۱۰- سال ۱۳۱۰ھ ہجری مطابق ۱۸۹۳ء کے آخر میں جیکب آباد کے گھوڑوں کے جلسہ کے موقع پر ایک خاص دربار منعقد ہوا، جس میں ''خان بہادری'' کے خطاب کی سند، جو ہندوستان کی سرکار نامدار کی طرف سے پہنچی ہوئی تھی، راقم الحروف کو عطا کی گئی، اور اسی دربار میں خان بہادر قادرداد خان کو سی۔ آئی۔ اے کا تمغہ عطا کیا گیا۔ راقم الحروف کو خان بہادر کے خطاب عطا کرنے کے سلسلہ میں جو خط و کتابت کی ہوئی تھی، وہ تمام انگریزی سے ترجمہ کر کے یہاں درج

کی جاتی ہے۔ جس میں سے قارئین کو سب کچھ معلوم ہو جائے گا، اور امید ہے کہ قارئین مہربانی فرما کر مدبر عملدار مسٹر جیمس صاحب بہادر کی قدردانی کے الفاظ پر نظر رکھیں۔

وہ خط و کتابت یہ ہے:

نیم سرکاری: کراچی کے سرکاری بنگلے سے

مؤرخہ ۲۹ اگست ۱۸۹۱ء

میرے پیارے بی وانر صاحب! [۱۵] جب جناب گورنر صاحب بمبئی، ہندو سرکار کی طرف القاب عطا کرنے کے لئے نامور، معزز اور مستحق لوگوں کے ناموں کی لسٹ دوبارہ بھیجے تو اس وقت، آپ اگر کمشنر سندھ کے دفتر کے بڑے منشی خان صاحب خداداد خان کا نام ''خان بہادر'' کا لقب عطا کرنے کے لئے بخوبی پیش کریں گے، تو میں آپ کا نہایت ہی شکرگذار اور احسانمند ہوں گا۔ خداداد خان کو پہلے ہی ''خان صاحب'' کا لقب ملا ہوا ہے۔ ۳۸ سال اس نے کمال ایمانداری سے سرکاری ڈیوٹی ادا کی ہے اور بالکل نازک معاملات اور بڑی خدمات اس نے بجا لائی ہیں۔ مثلاً ہندوستان کے فساد (۱۸۵۷ء والا انقلاب) کے زمانے میں سر فریڈرک گولڈ اسمڈ صاحب کے ساتھ خصوصی خدمات کے سلسلہ میں جیسلمیر اور پوکران (مارواڑ) گیا تھا۔ پھر ایک ویران ملک، جنگل اور بیابان یعنی مکران (بلوچستان) کی طرف اُسی صاحب کے ساتھ، ٹیلیگراف لائین لگوانے کے معاملہ میں اس کی مدد کی تھی۔ پھر مسٹر مینسفیلڈ صاحب کے ساتھ خلیج فارس اور بغداد گیا تھا۔ اس سلسلہ میں سر ولیم میری ویدر صاحب کی رائے بہت ہی اچھی تھی اور اسے ایک اعلیٰ درجہ کی تلوار اس نے عطا کی تھی۔ علاوہ ازیں شروع سے لے کر جاگیری معاملات کے قطعی فیصلوں کے لئے اس کی نوکری اس دفتر میں نہایت مفید ثابت ہوئی ہے اور یورپ کے معزز عملداروں اور سندھ کے معزز لوگوں میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ میں اس کے لئے جو لقب تجویز کرتا ہوں، اس کے لئے وہ ہر نقطۂ نگاہ سے لائق، بلکہ فائق ہے، اور حسن خدمت اور ایمانداری کی ملازمت ''خان بہادر'' کا لقب، عزت کی علامت کے طور پر ساری زندگی تک اس کے لئے باقی رہے گا۔ اتنا زیادہ عرصہ نہیں ہوا، جب افغانستان کے والی مرحوم امیر شیر علی خان کا دوسرا نمبر فرزند سردار ایوب خان اپنے بڑے اثاثے سمیت سندھ سے پنجاب کی طرف جا رہا تھا، تو اس کے سفر سے متعلق خان صاحب خداداد خان نے بہت ہی اچھا انتظام کیا تھا۔ اس

[۱۵] یہ صاحب اس وقت بمبئی سرکار کا چیف سیکریٹری تھا (ن۔ب)۔

لئے سیاسی معاملات سے واسطہ رکھنے والے سارے عملدار اس سے نہایت خوش اور راضی ہوئے۔ آپ خود خان صاحب کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ اس لئے میں زیادہ کچھ کہہ نہیں سکتا۔ یہ لقب، جو میں پورے اعتماد سے تجویز کر رہا ہوں اور لکھتا ہوں کہ یہ قدردانی کی ایک اچھی مثال ہوگا۔ مجھے خاطری ہے کہ گورنر صاحب بہادر میری پیش کردہ اس حقیقت پر خاصی توجہ دے گا۔

دستخط
مسٹر ایچ۔ ایم۔ جیمس صاحب بہادر
کمشنر سندھ

ان معزز لوگوں کو اسناد عطا کرنے کی منظور کردہ تجویز
جو پہلی جنوری ۱۸۹۲ء پر القاب سے سرفراز ہوئے
نمبر ۸۱۵۔ پولیٹیکل ڈپارٹمینٹ
بمبئی پریزیڈنسی، ۳ فروری ۱۸۹۲ء

مراسلہ نمبر ۵۲، مؤرخہ ۲۱ جنوری ۱۸۹۲ء کے ساتھ، ہند سرکار کے خارجی معاملات کے سیکریٹری کے ماتحت، ان معزز لوگوں کی اسناد، جنہیں القاب عطا کئے گئے ہیں، بھیج کر استدعا کی جاتی ہے کہ وہ اسناد ان لوگوں کو اس اشتہار کے ساتھ بھیجی جائیں، جو ہند سرکار کی غیر معمولی گزٹ مؤرخہ پہلی جنوری ۱۸۹۲ء میں چھپا تھا اور شایع ہوا تھا:

حکم

جو اسناد پہنچی ہوئی ہیں، وہ مندرجہ ذیل عملداروں کی طرف، ان معزز لوگوں کو دینے کے لئے بھیجی جائیں، جو اُن کے لئے تجویز کردہ ہیں، اور اسناد کے ساتھ اس اشتہار کا اختصار بھی بھیجا جائے، جو ہند سرکار کے غیر معمولی گزٹ میں شایع ہوا ہے، اور اس سرکار (سندھ سرکار) کی گزٹ میں دوبارہ شایع ہوا ہے۔ ملاحظہ ہو گزٹ نمبر ۵۳ کا صفحہ نمبر تین ۶ جنوری ۱۸۹۲ء۔

فقط تاریخ، مہینہ اور سال وہ ہی۔
سندھ کے کمشنر صاحب بہادر کی طرف

خان بہادر خداداد خان، کمشنر سندھ کے دفتر کے بڑے منشی کو سند اچھی طرح سے دی جائے، بشرطیکہ سرکار پر زیادہ خرچ کا بوجھ نہ پڑے۔

دستخط

ای۔شیون صاحب ایکٹنگ سیکریٹری

بمبئی سرکار

ہند سرکار کا اشتہار

فارین ڈپارٹمنٹ۔ مؤرخہ پہلی جنوری ۱۸۹۲ء

جناب فیض مآب حضرت فرمانروا گورنر جنرل صاحب بہادر ہندوستان نے بڑی خوشی سے ''خان بہادر'' کا لقب مندرجہ ذیل معززین کے لئے مقرر کیا ہے:

خان صاحب خداداد خان سندھ کی کمشنری کے پولیٹیکل ڈپارٹمنٹ کا بڑا منشی۔

دستخط

ڈبلیو۔ جی کننگھام، نائب وزیر اعظم

ہند سرکار

سند

خان صاحب خداداد خان سندھ کی کمشنری کی پولیٹیکل ڈپارٹمنٹ کا بڑا منشی! اس خط کے ذریعہ سے تمہارے لئے ذاتی لقب ''خان بہادر'' مقرر کیا جاتا ہے۔

دستخط

لارڈ لینسڈون صاحب بہادر

فرمان فرما و گورنر جنرل ہندستان

فورٹ ولیم، ا جنوری ۱۸۹۲ء

جیکب آباد کی دَربار دُربار میں سند عطا کرنے کے وقت آنریبل جیمس صاحب بہادر کمشنر سندھ، سر و قد ہو کر، اٹھ کھڑا ہوا اور سندھی زبان میں فصیح اور دلپذیر تقریر فرمائی، جس کا ترجمہ یہ ہے:

''حاضرین دَربار دُربار، سردارو، جاگیردارو، زمیندارو اور دیگر معزز لوگو! آپ خان بہادر خداداد خان کو اچھی طرح جانتے ہو۔ یہ شخص چالیس برسوں سے بھی زیادہ عرصہ سے سرکار کا معزز ملازم اور امانتدار ہے۔ اس کی حسن خدمت کی وجہ سے سرکار نے اس سے خوش ہو کر، اس

کے لئے ''خان بہادر'' کا لقب مقرر کیا ہے۔ اگرچہ اس کی خدمات کی تفصیل بہت لمبی ہے، لیکن کچھ خدمات کا مختصر اظہار کیا جاتا ہے۔ وہ ۱۸۵۷ء میں ہندوستان کے فساد (انقلاب) والے زمانے میں سر فریڈرک گولڈاسمڈ کے ساتھ ویران بیابان ریگستان اور سیستان جیسے ممالک اور دیگر مقامات پر گیا تھا۔ ان دنوں یہ شخص ہر طرح سے بڑا مددگار اور مفید ثابت ہوا۔ وغیرہ وغیرہ۔۔۔۔''

جس وقت صاحب تدبیر (مدبر) آنریبل جیمس صاحب نے یہ دلپذیر تقریر کی، تو سب سرداروں، جاگیرداروں، زمینداروں اور معززین ''خان بہادر'' کے لقب عطا ہونے پر ''مبارک، مبارک'' کی آواز بلند کی اور مبارک کی آوازوں کی وجہ سے فضا میں بڑا غلغلہ پیدا ہوگیا۔

خان بہادر خداداد خان کا بر وقت دَربار دُربار میں (سندھی میں) شکریہ ادا کرنا

''میں ناچیز، حضرت فرمانروا و گورنر جنرل صاحب بہادر ہندوستان، کا شکرگذار اور بے حد احسان مند ہوں، جو مہربان حاکم آنریبل جیمس صاحب کی سفارش پر مجھے ایسے اعزاز سے نوازا ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ جب تک زندگی باقی ہے، ملازمت میں رہوں یا نہ رہوں، ہمیشہ سرکار ابدقرار (ہمیشہ قائم رہنے والی) کی خیرخواہی کی کوشش کرتا رہوں گا۔ آج کا مبارک دن مجھے کچھ اس طرح سے یاد رہے گا، جیسے پتھر پر لکیر۔ مجھے یقین ہے کہ میرے مرنے کے بعد میرے بیٹے، جو اس پُروقار جلسہ میں حاضر ہیں، میری خدمتگذاری کی پیروی کریں گے اور اس کے نتیجہ میں مرادیں حاصل کریں گے۔''

پھر دَربار دُربار برخواست ہوئی اور سارے خوش خوش واپس لوٹ گئے۔

۱۱- سال ۱۳۱۰ ہجری مطابق ۱۸۹۳ء میں (جیمس صاحب) سکھر میں تشریف آور ہوا اور راقم الحروف کو بھی اپنے ساتھ لے گیا۔ تقریباً ایک مہینہ اس نے وہیں پر قیام کیا۔ خیرپوری تالپور خاندان کے اکثر میر صاحبان کو، جو پینشن بردار تھے، اس نے اپنے پاس بلوایا۔ سب کے حالات، ضروریات، آمدنی، خرچ، شادی، غمی، خاندان اور گذر اوقات وغیرہ کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کیں اور پھر ان باتوں سے متعلق بمبئی سرکار کو اس نے رپورٹ بھیجی۔ حیدرآباد اور میرپور خاص کے تالپور خاندانوں کا بھی اس نے احوال لکھا۔ سرکار نامدار نے اس رپورٹ کے اکثر

حصے قبول فرمائے، جس کا نتیجہ یہ نکلا، کہ جو لوگ سندھ کے حکمرانوں کی قطار میں شامل تھے (حکمرانوں کی اولاد تھے) ان کے لئے پشت بہ پشت مناسب پینشن مقرر کی گئی۔ جو لوگ حکمرانوں کی قطار میں شامل نہیں تھے، ان کے لئے دو دو پشتوں اور ایک ایک پشت تک پینشن مقرر کی گئی۔ جن لوگوں کو پینشن نہیں ملتی تھی، ان کے لئے ملازمت اور کھاتیداری کا انتظام کیا گیا۔ تالپوروں کے بیٹے، جو گیارہ برس کی عمر کے تھے، ان کو انگریزی تعلیم دلانے کے لئے ''سندھ مدرسۃ الاسلام کراچی'' میں داخل کیا گیا اور ان کی خوراک اور پوشاک کا ذمہ بھی لیا گیا، تاکہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد روزگار بھی حاصل کر سکیں۔

اس مبارک اور مسرت آمیز تجویز کے سبب میر صاحب اور سندھ کے دیگر باشندے بھی خوش تھے اور سرکار نامدار اور آنریبل جیمس صاحب کو دعائیں کرنے لگے اور اس کی تعریف کرتے رہے۔ بیشک، یہ ان کی نیک نیتی اور حُسن اخلاق کا نتیجہ ہے۔

۱۲- اُسی سال (۱۳۱۰ہجری مطابق ۱۸۹۳ء میں) وہ کاموں سے فارغ ہوکر، ''غیبی دیرہ، تعلقہ قمبر میں پہنچا، جو غربی پہاڑ کے نزدیک ہے۔ انگریزی اور فارسی کے عملہ کو وہاں چھوڑ کر، اپنے نائب مسٹر لیوکس صاحب، ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس اپر سندھ (جیکب آباد) اور راقم الحروف کو اپنے ساتھ لے کر اور مختصر عملہ لے کر ''ڈاڑ ہیارو جبل'' کی طرف روانہ ہوا۔ اس کی سیر کی۔ کتے کی قبر دیکھی اور ایک ہفتہ کے بعد غیبی دیرہ واپس پہنچ گئے۔ اگرچہ اس جبل کی اونچائی، وہاں کی سردی اور کتے کی قبر عجائبات میں سے ہیں، لیکن چونکہ پہلے ہی مسٹر ایس۔ مینسفیلڈ صاحب (۱۲۸۱ہجری مطابق ۱۸۶۴ء) کی حکمرانی کے زمانے کے احوال میں اس کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس لئے دوبارہ اس کا ذکر کرنا مناسب نظر نہیں تھا۔

۱۳- اُسی سال (۱۳۱۰ہجری مطابق ۱۸۹۳ء میں) پیر محمد حزب اللہ شاہ صاحب کی وفات حسرت آیات ہوئی۔ مرحوم پیر صاحب بے حد خلیق، سخی اور حسین و جمیل تھا۔ اس کا جانشین، اس کا بڑا فرزند پیر علی گوہر شاہ صاحب ہوا۔

۱۴- مذکورہ سال میں راقم الحروف کی تنخواہ ایک سو پچھتر روپیوں میں سے بڑھا کر، دو سو روپے ماہوار کرنے کی تجویز پیش کی گئی۔ کیونکہ عملدار بے حد قدردان، محنت شناس اور مہربان تھے۔ ان سفارشی تحریر کے خاص خاص جملوں کا ترجمہ قارئین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے:

کمشنر سندھ کے دفتر کے بڑے منشی خان بہادر خداداد خان کی تنخواہ میں اضافہ اور اس کی مقرری کی تجویز۔ بامبے کاؤنسل کے اجلاس میں۔

نمبر ۵۹۳۴، مؤرخہ اگست ۱۸۹۳ء (۱۳۱۰ ہجری)

ملکی شعبہ۔ کمشنر صاحب بہادر سندھ کا مراسلہ نمبر ۳۵۵۹، مؤرخہ ۳ جولائی ۱۸۹۳ء اس مقصد کے لئے پہنچا۔

سرکار نامدار کے احکام مؤرخہ ۱۲ فروری ۱۸۸۹ اور ۳ فروری ۱۸۹۲ نمبر ۱۱۴۸ اور ۵۰۱، آپ صاحبان کی توجہ میں لانا چاہتا ہوں، کہ پہلے ''خان صاحب'' اور اب ''خان بہادر'' خداداد خان، کمشنر صاحب سندھ کے دفتر کا بڑا منشی، اول چوتھے گریڈ کے مختیارکار کی تنخواہ اور پھر تیسرے گریڈ کے مختیار کار کی تنخواہ لیتا تھا اور ڈیوٹی کمشنر صاحب سندھ کے دفتر میں دیتا تھا۔

(۲) اس وقت دوسرے گریڈ کے مختیار کار کی جگہ خالی ہوئی ہے۔ اس لئے آپ صاحبان کی خدمت میں گذارش ہے کہ یہ جگہ خان بہادر خداداد خان کو دی جائے، تاکہ اسے دو سو روپے تنخواہ مل سکے۔ اس تجویز کی وجہ سے دوسرے گریڈ کے مختیار کار کا عہدہ کم ہوگا۔ تیسرے گریڈ کے مختیارکاروں کی تعداد وہی رہے گی اور پانچویں گریڈ کے مختیارکار کا ایک عہدہ بڑھے گا اور اس تجویز کی وجہ سے سرکار پر خرچے کا بار نہیں ہوگا۔

(۳) جو وجوہ مراسلہ نمبر ۵۵۲۶، مؤرخہ ۱۶ دسمبر ۱۸۹۱ء میں دی گئی ہیں، کہ خان بہادر خداداد خان تیسرے گریڈ کے مختیارکار کی تنخواہ لے لے، وہی اسباب اس تجویز کے لئے بھی پیش کیے جارہے ہیں، اور یہ آخری موقعہ ہے کہ آپ صاحبان کو درخواست کرتا ہوں (اور چاہتا ہوں) کہ خان بہادر (خداداد خان) کو، جو بہت ہی پرانا (ملازم) ایماندار، فرمانبردار اور پورے چالیس برسوں کے عرصہ سے بااعتماد خدمتگذار رہا ہے، اضافہ لے کر دوں۔ خان بہادر کے پاس نیک نامی کی کئی ایک تصدیقات موجود ہیں، جو کئی یورپی عملداروں کی طرف سے اس کی سچائی اور ایمانداری کی تصدیق سے بھری ہوئی ہیں۔ علاوہ ازیں اس کی پینشن لینے کے مرحلے میں داخل ہونے سے پہلے اول میری خواہش ہے کہ ایک مرتبہ پھر بھی اسے زیادہ تنخواہ دلواؤں، کیونکہ وہ جلد ہی پینشن لینے والا ہے۔ میں بذات خود اسے ۲۲ برسوں سے جانتا ہوں، اور اس سے متعلق اتنا کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ کبھی بھی

اس کی سچائی اور ایمانداری یا اندر میں ایک بات اور باہر دوسری بات کے بارے میں کبھی بھی کوئی شک یا گمان پیدا نہیں ہوا اور اعتماد کے سلسلے میں دوسرا کوئی بھی اس کا ہم پلہ نہیں ہے۔ اپنے اپنے وقت کے سب کمشنر صاحبان نے نازک سیاسی معاملات میں اس کی طرف سے رپورٹ کرنے پر، اس پر پورا پورا اعتماد رکھ کر، بغیر کسی خوف اور پس و پیش کے کاروائی کرتے رہے ہیں، اور اس لئے اس کی ایمانداری پر مکمل اعتماد کرتے رہے ہیں۔ بیشک، یہ صحیح ہے کہ جب ۱۶ دسمبر ۱۸۹۱ء پر خان بہادر کو اضافہ دینے سے متعلق میں نے سرکار کو لکھا تھا کہ اگر اس کا نام سینارٹی کی وجہ سے مختیارکاروں کو اضافہ دینے والی لسٹ میں ہوتا، تو اسے اضافہ ملتا۔ لیکن میں اضافہ سے متعلق جو اسباب لکھے تھے، وہ یہ تھے: سینارٹی اور اضافہ کے لئے اس کے انتخاب سے متعلق، دو برسوں کے عرصہ سے مختیارکاروں کو جلد جلد اضافے ملتے رہے ہیں۔ خداداد خان کا اس کی عمر بڑھ جانے کی وجہ سے اضافہ سے محروم رہنا بہت مشکل ہے۔ چودہ دن ہوئے جب میں سکھر میں خیرپور کے میر صاحبان کے حالات معلوم کرنے کے لئے ٹھہرا ہوا تھا۔ اگر (اس موقع پر) میرے ساتھ خان بہادر خداداد خان نہ ہوتا، تو یہ کام جلد اور اچھی طرح سے مکمل نہیں ہوسکتا تھا۔ اس کی واقفیت اور لوگوں کے ناموں کی یادگیری، متعلقہ افراد اور ان کے رشتیداروں سے متعلق معلومات اور مسلسل چالیس برس ملازمت کرنے کے سبب، سرکاری پالیسی کے بارے میں اس کی جانکاری (میرے لئے) بہت مفید ثابت ہوئیں۔ ان امور کو پیش نظر رکھنے کے بعد سرکار سے گذارش ہے، اور امید کرتا ہوں کہ خان بہادر خداداد خان کی حالت سرکار کو اچھی طرح سے ذہن نشیں ہو جائے گی۔

(۴) حساب کتاب کے معاملہ میں کوئی بھی الجھن نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو سرکار کا حکم نمبر ۱۱۴۸، مؤرخہ ۔۔۔فروری ۱۸۹۸ء جس کا ذکر اوپر ہو چکا۔

(۵) بندوبست کی یادداشتیں شامل ہیں۔ اکاؤنٹنٹ جنرل کا مراسلہ نمبر ۱۷۱۷، مؤرخہ ۲۵ جنوری ۱۸۹۳ء شامل ہے۔

سرکاری حکم

سندھ کے کمشنر صاحب نے جو تجویز بھیجی ہے، وہ بامبے کاؤنسل کے اجلاس میں بڑی خوشی سے منظور کی جارہی ہے۔

دستخط

ڈبلیو۔ ایل۔ ہاروی صاحب

(بامبے سرکار کا ملازم)

۱۵- سال ۱۳۱۰ ہجری مطابق سال ۱۸۹۳ء کے شروع میں (کمشنر صاحب) اپنی کمال

لیاقت اور عام معلومات کے لئے لاہور گیا اور افیم کے استعمال پر ضابطہ رکھنے والی کمیٹی کے سامنے گواہی دی۔

۱۶۔ ۱۳۱۱ھ ہجری مطابق ۱۸۹۴ء کے شروع میں سر میر علی مراد خان صاحب بہادر والیء ریاست خیر پور ۸۱ برس کی عمر میں ۶۵ سال حکمرانی کرنے کے بعد رحلت پا گیا۔ اس کا جنازہ مبارک خیر پور سے کراچی لے جایا گیا اور ''میری ویدر'' نامی بنگلہ اور باغیچہ میں رکھا گیا، جہاں سے بعد میں نہایت ہی شان و شوکت سے بذریعہ جہاز کربلا معلیٰ روانہ کیا گیا۔ اس اندوہناک حادثہ پر ماتمداری، کیمپ اسٹیشن پر یورپ کے فوجی سپاہی اور یورپ کے اہل علم اور اہل قلم حضرات کی طرف سے جنازہ کے جلوس کا انتظام اور توپوں کی سلامی، معزز مسلمانوں اور ہندوؤں کی حاضری، بنگلہ کی چھتوں، کھڑکیوں اور دروازوں اور فرش کو ماتمی رنگ میں رنگنا، تالپور خاندان کے لوگوں اور جنازہ کے ساتھ چلنے والوں کی دعوت وغیرہ، یہ سب کچھ ہر دلعزیز حاکم مسٹر جیمس صاحب بہادر کے حکم سے، راقم الحروف کے ہاتھوں ہوا۔ جس کا تفصیلی احوال کتاب ''خیر پور نامہ'' میں لکھا گیا ہے، جو مذکورہ بالا برسوں میں چھپ چکی ہے۔ اس لئے ان باتوں کو دوبارہ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر قارئین یہ احوال معلوم کرنے کی خواہش رکھتے ہوں، تو خیر پور نامہ کا مطالعہ کریں۔ مرحوم میر صاحب کا جانشین سر میر فیض محمد خان صاحب بہادر مقرر کیا گیا، اور قادرداد خان کو اس کا وزیر کر کے رکھا گیا۔

۱۷۔ سال ۱۳۱۱ھ ہجری مطابق ۱۸۹۴ء میں مدرسۃ الاسلام کراچی کے محل میں، مدرسہ کے معزز ارکان اور پبلک کے خاص و عام لوگوں نے، ''خان بہادر'' کے خطاب ملنے پر اس خاکسار راقم الحروف کو تہنیت نامہ پیش کیا (یعنی مبارکباد پر مشتمل ایڈریس)۔ اس مسرت بخش مجلس میں کیا کچھ ہوا، اس کی کارروائی، جو سندھی اخبار ''مُعاون سندھ'' مؤرخہ ۵ مئی ۱۸۹۴ء مطابق ۲۸ شوال المکرم ۱۳۱۱ھ ہجری دن ہفتہ، جلد ۳ اور نمبر ۱۷ میں شایع ہوئی ہے، ملاحظہ کی جائے۔ تاہم قارئین کی سہولت خاطر وہی کارروائی یہاں درج کی جاتی ہے۔ اگرچہ دوستوں اور سندھ کے باشندوں کی طرف سے خواہ دیگر شہروں سے مبارکباد کے کئی خطوط موصول ہوئے ہیں، مگر ایک خاص تہنیت نامہ، جو انجمن کے صدر نے ہاتھوں ہاتھ دیا ہے، وہ یہاں درج کیا جاتا ہے:

تہنیت نامہ

محبّ باوفا مشفق باصفا عالی درجات بلند مرتبہ

خان بہادر خداداد خان سلمہ المنان

ہم ''مجلس محمدی'' کی جنرل باڈی کے ارکان، آپ صاحب کو سرکار نامدار کی طرف سے ''خان بہادر'' کا لقب عطا ہونے پر دل کی گہرائیوں اور کمال مسرت سے مبارک دیتے ہیں۔

جیسا کہ سندھ کے مسلمانوں سے بہت ہی کم لوگ سرکار نامدار کی ملازمت میں ہیں، اور ان میں سے بھی تھوڑے ہی ہیں، جو سرکار کی خدمتگذاری میں کامیاب ہوتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ بہت لوگ زمانہ کے حادثات یا معاندانہ مخالف اور اپنی قوم کی بے وقوفی، اور کسی بہتان یا کسی اور وجوہ کی بنا پر سرکار تک نہیں پہنچتے اور جس طرح کچا میوہ ناموافق ہوا لگنے سے درخت سے ٹوٹ کر گر جاتا ہے، اسی طرح ٹوٹ جاتے ہیں۔ البتہ مسلمانوں سے چند ایک لوگ ہیں، جو اپنی محنت، نمک حلالی اور سچائی سے سرکار کی دلی خدمتگذاری کر کے، بے انتہا آفرین اور باعزت القاب حاصل کرتے ہیں، جس طرح آپ صاحب نے کیا ہے۔ اس لئے ہم مسلمان اس بات کو اپنے لئے باعثِ فخر سمجھتے ہیں۔ خدا کا شکر ہے، کہ آپ اپنے دل کی سچائی اور بہترین ایمانداری کی وجہ سے سرکار میں بھی اور عوام کی نظر میں بھی اسی قدر مقبول اور مشہور ہیں۔ اگر کوئی شخص آپ صاحب کی اس طرح کی نیک نیتی اور خدمتگذاری سے خواہ مخواہ ناراض ہوا ہو، تو وہ اس شخص کا اپنا قصور ہے، نہ آپ صاحب کا۔

ہم اس مناسب موقع کو غنیمت سمجھ کر، اپنی انتہا درجہ کی نیک نیتی سے اپنی قوم (مسلمان) کو مفید مشورہ دیتے ہیں کہ جو لوگ نوکری میں ہیں یا جو لوگ روزگار کے لئے سرکار سے امید رکھے ہوئے ہیں، وہ اور قوموں کے گمراہ لوگوں کو دیکھ کر گمراہ نہ ہوں اور بری عادات اختیار نہ کریں۔ بلک ہر صورت میں گمراہ لوگوں سے دور رہیں، اور یہ تین اصول اپنے دلوں پر نقش کر دیں۔ یعنی خدا ترسی، حق شناسی اور نمک حلالی۔ اگر مسلمان ان اصولوں پر اچھی طرح نظر کر کے، سرکار کی خدمتگذاری کے لئے خود کو تیار کریں اور سرکاری ملازمت، جو محنت سے انہیں ہاتھ آئے، اس کی بجاآوری کے لئے ان اصولوں پر عمل کریں، تو وہ خود کو زمانے کے حادثات سے محفوظ رکھ سکیں گے، جن کی وجہ سے شروع میں ہی ان کی ملازمت ختم ہو جاتی ہے:

راستی موجب رضائے خداست
کس ندیدم کہ گم شد از رہ راست

[سچائی خدا کی رضامندی کا باعث بنتی ہے، میں نے کسی کو بھی سیدھے راستے سے بھٹکتے ہوئے، نہیں دیکھا]۔

آخر میں ہم دوستانہ طور پر امید رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ وہ نیک نامی، وہ تعریف اور وہ باعزت لقب آپ صاحب کو مبارک کرے۔ آمین ثم آمین!

دعا نامہ

اَلحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی سَیِّدِنا مُحَمَّدٍ عَبْدَہٗ وَ رَسُوْلَہٗ

(تمام تعریفیں اللہ واحد کے لئے ہیں اور ہم اپنے سردار محمدؐ پر صلواۃ پڑھتے ہیں، جو اللہ کا بندہ اور رسول ہے)، میں اس عجیب اور فرحت بخش موقعہ پر اور دلپسند اور اچھے وقت میں اس جذبہ اور امید سے، جو سب انسانوں کے لئے اپنے مقاصد میں کامیابی اور مسلمانوں کے لئے کامرانی کا سبب ہے، انتہا درجہ کی نیاز مندی اور انکساری سے، بے پرواہ اور عالی جاہ شہنشاہ، بے نیاز بادشاہ اور احکم الحاکمین جل شانہ وعزّ برہانہ (حاکموں کا حاکم جس کی شان بڑی اور دلیل قوی ہے) کی درگاہ سے یہ عاجزانہ دعا قبولیت کی امید سے مانگتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ، جو بہت ہی بڑی شان والا ہے، اپنی ازلی اور ابدی مہربانیوں سے ایسی مبارکبادیں، برکتیں اور حیثیتیں، جن کے دیکھنے کے لئے دوستوں کی آنکھیں، ہر وقت ہمیشہ ہمیشہ اوردن رات اسی انتظار میں رہتی ہیں کہ عزت اور احترام کے صاحبان، نعمتوں اور انعامات کے مالکوں کے بڑے درجہ اور عظمت والے مسلمانوں کو نصیحت فرمائے اور (اللہ تعالیٰ) آپ صاحبان کو خوش وخرم رکھے، جو بڑے القاب اور لائق خطابات ہوں، بلکہ مناسب القاب کے سرچشمہ ہوں، اور مبارک وجود اور عاقبت محمود والے ہوں (اللہ تعالیٰ، آپ کو) اور بھی اس سے زیادہ عام و خاص لوگوں کی بھلائی کی طرف متوجہ کرے اور اس سے بھی زیادہ القاب اور اچھے خطابوں سے سرفراز اور ممتاز فرمائے، اور اس کے سب معزز ارکان کو اور خاص طور پر اپنے سب ہمعصروں سے بڑے شان و مان والے، بڑے رعب داب اور خوشحالی والے اور اچھے اخلاق والے خان بہادر حسن علی۔ بی۔ آفندی، مجیدی کو (اس کا اقبال ہمیشہ قائم رہے) اللہ تعالیٰ اس کی عزت، مرتبہ اور بخت سمیت قائم اور دائم رکھے۔ یہی شخص ہے جو اپنے معزز دینی بھائیوں اور دوستوں کی خیرخواہی، بھلائی، کامیابی اور کامرانی میں سبقت لے گیا ہے، اور بھی اسے انسانوں کی بھلائی اور مسلمانوں کے فائدہ کی مزید توفیق عطا فرمائے۔ اس کی ذات فیض آیات کو، اس کے اہل و عیال کو، اس کے عزیز و اقارب اور وفادار دوستوں سمیت خوش وخرم اور شاد و آباد رکھے، اور معزز حاضرین کو دونوں جہانوں میں کامیاب اور کامران کرے اور اپنی رحمتوں اور برکتوں سے نوازے۔ ساری مخلوقات کے شفیع، جس پر بادل کا سایہ ہوتا تھا یعنی حضرت محمد کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ساری امت کو اتفاق اور محبت نصیب کرے اور بے اتفاقی اور دشمنی سے امن و امان میں رکھے اور سب مسلمانوں کا خاتمہ بالخیر کرے۔ یا اللہ! امت محمدی کی مدد کر۔ امت محمدی کو غلبہ عطا کر۔ امت محمدی کو سیدھی راہ پر چلا اور محمدی لشکر کا جھنڈہ بلند رکھ۔ یا اللہ! اسلام اور مسلمانوں کو غالب کر اور مشرکوں کو نیست و نابود کر۔ باعظمت قرآن مجید اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ سے، اور اے ارحم الراحمین اپنی رحمت سے۔

خان بہادر خداداد خان کی طرف سے شکریہ

صاحب موصوف (خان بہادر خداداد خان) جو کرسی پر بیٹھا ہوا تھا، اُٹھا اور سر و قد ہو کر، سب صاحبان، ارکان اور دیگر معززین کی طرف متوجہ ہوا اور مندرجہ ذیل بے نظیر اور باتدبیر تقریر زبان فصاحت بیان سے ادا کی:

''اس محبت بھری مجلس کے حاضرین! میں پہلے اس بے مثال مالک جل شانہ کا شکرانہ بجا لاتا ہوں، جو اس نے اپنے بے پایان لطف سے اس ناقص کو اس طرح کے باعزت لقب سے ملقب فرمایا ہے۔ اس کے بعد انجمن کے صدر صاحب، سب معزز ارکان اور حاضرین مجلس کا بے حد شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میں اس وقت خود کو خوش قسمت سمجھتا ہوں، جو مجھے اس عطیہ (لقب) ملنے پر مبارکباد دے کر، احسانمند بنایا ہے۔ مجھے شکریہ ادا کرنے کے لئے مرغوب جملے اور دلپسند الفاظ نہیں مل رہے، جو اپنی عاجز زبان سے ادا کر سکوں، بلکہ میرے سر کے سارے بال زبان بن جائیں، تب بھی میں اس طرح کی مہربانی اور مبارکباد کا شکریہ ادا کرنے سے قاصر رہ جاؤں گا۔ میں اپنے مالک مطلق کی درگاہ میں کمال عجز اور انکسار سے دعا گو ہوں کہ اپنے بے پایاں فضل و کرم سے میرے سب دینی بھائیوں کو بھی ایسا فخر اور عزت عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ میں اب اپنے پرانے دوست آنریبل خان بہادر حسن علی (آفندی) صاحب کی اجازت سے کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں، کہ اے طالب علمو (شاگردو!) اپنے اسباق اچھی طرح یاد کرو اور ''مدرسۃ الاسلام'' اور اس کے ''بورڈنگ ہاؤس'' جیسی عمارتوں کو دیکھو اور غور کرو۔ یہ عمارتیں تمہارے لئے تعمیر کروائی گئی ہیں۔ تم ان سے فائدہ لینے کے لئے خود کو تیار رکھو اور بغیر سبب کے اپنا وقت ضایع نہ کرو۔ میں گذشتہ سال کئی ایک بڑے شہروں جیسا کہ: بمبئی، پونا، احمد آباد، راجکوٹ، جیپور، دہلی، امرتسر، لاہور اور ملتان وغیرہ، (جو ریلوے اسٹیشن) کے قریب ہیں، کی سیاحت کرتے وقت اچھی طرح سے دیکھا، مگر مجھے ایسا عظیم الشان مدرسہ کہیں بھی دیکھنے میں نہیں آیا۔ اس لئے آپ کو نہایت ہی محبت سے درخواست کرتا ہوں کہ اپنے بہترین وقت کو اور فیض کے اس چشمہ کو غنیمت سمجھو اور کوشش کر کے اس سے فائدہ حاصل کرو۔

میں نے بڑے تجربہ کے بعد معلوم کیا ہے کہ حاکم وقت (انگریز) بڑے مہربان اور مسلمانوں کے خیر خواہ ہیں؛ اس لئے اگر تم سچائی سے ان کی خدمت میں ثابت قدم رہو گے، تو قوی امید ہے کہ آپ بھی اس طرح کے باعزت القاب کے مستحق ٹھہریں گے۔ مجھے انگریزی میں اتنی مہارت نہیں ہے، مگر صحبت سے معلوم کیا ہے کہ اگر انگریزی کے امتحان میں ایک دفعہ کامیاب

نہیں ہو سکتے ہو، تو دوبارہ کوشش کر کے امتحان میں داخل ہو جاؤ۔ اگر پھر بھی کامیاب نہیں ہوتے، تو پھر تیسری بار داخل ہو جاؤ۔ بالآخر اپنے مقصد کو حاصل کر لو گے۔ دل شکستہ اور غمگین نہیں ہونا چاہئے۔ اس میں آپ کا نقصان ہے''۔

اس کے بعد پھولوں اور عطر تقسیم کرنے کے بعد دعائے خیر مانگ کر مجلس برخواست کی گئی۔ اگر مذکورہ احوال میں قارئین کو شک ہو تو دوبارہ لکھتا ہوں کہ مہربانی فرما کر سندھی اخبار ''معاون سندھ'' ۵ مئی ۱۸۹۴ء (شوال ۱۳۱۱ ہجری) کا پرچہ تلاش کر کے اس کا مطالعہ کریں۔

۱۸- سال ۱۳۱۱ ہجری مطابق سال ۱۸۹۴ء میں ٹھٹہ کی مسجد شریف کی مرمت کا کام شروع ہوا۔

۱۹-مذکورہ سال کے آخر میں ہندوستان کا فرمانروا اور گورنر جنرل جناب لارڈ ایلجن صاحب بہادر کراچی میں تشریف آور ہوئے اور ''لیڈی ڈفرن ہاسپٹل'' کی بنیاد رکھی، جو ہندوستان کے پہلے فرمانروا اور گورنر جنرل جناب لارڈ ڈفرن صاحب کی بیگم صاحبہ کے نام پر تعمیر کی گئی تھی۔ اس وقت ملاقات فرحت آیات اور خاص ملاقات ہوئی۔ یہ بات درج ذیل تحریر سے ظاہر ہوگی، جو قارئین کی معلومات کے لئے ضروری ہے اور عجائبات میں سے ہے۔

تصدیق شدہ ترجمہ

پہلا مراسلہ نمبر ۶ ۱۴۷ء، مؤرخہ ۱۸ اکتوبر ۱۸۹۴ء، جو پولیٹیکل ایجنٹ کو، کراچی میں مقیم افغانستان کے سرداروں کے بارے میں بھیجا گیا ہے، کہ قندھار کے سابق والی اور سردار محمد ہاشم خان کو لانے اور خاص ملاقات کروانے وغیرہ کا بندوبست، سندھ کے کمشنر صاحب کے دفتر کا بڑا منشی خان بہادر خداداد خان کرے گا، اور کراچی کا کلیکٹر اور پولیٹیکل ایجنٹ اس پر نگہ داری کرے گا۔

دستخط

جی۔ سلیڈن صاحب اسسٹنٹ

کمشنر سندھ

ملاقات کی تجویز متعلق تصدیق شدہ تجویز

تاریخ ۱۰ دسمبر ۱۸۹۴ء ہفتہ کے دن، رات کو بوقت نو بج کر بیس منٹ دوسری مجلس میں ہندوستان کے فرمان روا اور گورنر جنرل صاحب بہادر کے ساتھ خاص ملاقات ہوگی۔ ہز ہائینس

میر محمد حسن علی خان، ہز ہائینس میر نور محمد خان، ہز ہائینس میر شاہ نواز خان، ہز ہائینس میر عبدالحسین خان حیدرآبادی، ہز ہائینس حاجی میر فتح خان میرپور خاص، اور سردار شیر علی خان قندھار کا پہلا والی اور سردار محمد ہاشم خان نو بج کر پندرہ منٹ پر کمشنر صاحب بہادر کے بنگلے پر ملاقات کے لئے آئیں گے۔ اس دوران ان کے تانگے کمشنر صاحب کی بنگلے میں ''چرچ'' والے دروازے سے داخل ہوں گے، جہاں کچھ دیر کے لئے ٹھہریں گے۔ وہاں اسسٹنٹ کمشنر مسٹر ویٹل صاحب ان کا استقبال کریں گے۔ اس کے بعد کمشنر صاحب بہادر کے خانگی جگہ میں بیٹھیں گے، اور ان کی گاڑیاں ملاقات ختم ہونے کے بعد اُسی راستے سے واپس چلی جائیں گی۔ اس کے بعد میر صاحب اور سردار، جس جگہ پر گاڑیوں پر سے اترے تھے، وہیں سے سوار ہو کر روانہ ہوں گے۔ کراچی اور حیدرآباد کے کلیکٹر صاحبان، تھرپارکر کا ڈپٹی کمشنر صاحب اور سندھ کا اسسٹنٹ کمشنر صاحب واپس جانے کے وقت انہیں الوداع کریں گے۔ اس انتظام پر پولیس وغیرہ کو توجہ دینی چاہئے، تاکہ کوئی بھی بات اس انتظام کے خلاف نہ ہونے پائے۔ اس تجویز کی تصدیق شدہ نقل خان بہادر خداداد خان کی طرف بھیجی جا رہی ہے، کیونکہ مذکورہ بالا سرداروں سے متعلق سب باتوں کی ذمہ داری اُسی پر رکھی گئی ہے۔

دستخط

مسٹر جی۔ سلیڈن صاحب اسسٹنٹ

کمشنر سندھ

۲۰- سال ۱۳۱۲ھ ہجری مطابق سال ۱۸۹۵ء کے شروع میں مسٹر جیمس کو اس کی غیر معمولی دانائی اور لیاقت کی وجہ سے سرکار کی طرف سے ہندوستان کی سرکار نامدار کے ایگزیکیٹو کاؤنسل پر لیا گیا، اور اس کے بعد وہاں سے رخصت ہوکر، ولایت (انگلینڈ) روانہ ہو گیا۔ بیشک، دانائی اور اچھائی کا یہی نتیجہ ہے۔ جاتے وقت مہربانی فرما کر راقم الحروف کے بارے میں یہ الفاظ رکارڈ پر لکھتا گیا:

خان بہادر خداداد خان ولد راضو خان جیسا کہ تجربکار آدمی ہے، اس لئے بہت ہی مفید نظر آتا ہے۔

دستخط

ایچ۔ اے۔ ایم جیمس صاحب بہادر

کمشنر سندھ

چودھواں کمشنر: سر چارلس اولیونٹ صاحب (ایکٹنگ)

سال ۱۳۱۲ھ ہجری مطابق ۱۸۹۵ء میں پولیٹیکل ایجنٹ کاٹھیاواڑ کے معزز عہدہ سے، کراچی میں آ کر سندھ کی کمشنری کا انتظام سنبھالا۔ جس طرح اس سے پہلے بھی سال ۹۵-۱۲۹۴ھ ہجری مطابق سال ۸۱-۱۸۸۰ء میں سندھ کے اسسٹنٹ کمشنر کے معزز عہدہ پر رہ چکا تھا، اس لئے سندھ کے حالات سے اچھی طرح واقف تھا، اور اسی وجہ سے سرکاری کاموں کی سرانجامی اچھے طریقے سے کرتا رہا۔ ان دنوں اس کا اسسٹنٹ مسٹر جی۔ سلیڈن صاحب تھا۔ کمشنر صاحب اگرچہ دستور کے مطابق اچھی طرح سے کاروبار چلاتا رہا، تاہم اس کی ایامکاری میں جو بڑے کام ہوئے، یا عجیب حالات پیدا ہوئے، وہ ترتیب وار یہاں درج کئے جاتے ہیں:

(۱) مذکورہ سال (۱۳۱۲ھ ہجری مطابق ۱۸۹۵ء) میں سرحد سندھ (جیکب آباد) کا پولیس عملدار مسٹر پینٹن صاحب، عیسائی مذہب ترک کر کے، اسلام میں داخل ہوا۔ انصاف پسند حاکموں نے اسے کوئی بھی ملامت نہیں کی، بلکہ اسے اُسی طرح پولیس عملداری کے عہدہ پر بحال رکھا۔ البتہ اتنا انہوں نے کیا کہ اس کا سندھ سے تبادلہ کر کے دکھن بھیج دیا گیا۔ بیشک، ایسا ہی کرنا چاہئے، کیونکہ انصاف کا بہترین طریقہ یہی ہے۔

(۲) اُسی سال (۱۳۱۲ھ ہجری مطابق ۱۸۹۵ء میں) کھپرو اور سانگھڑ (ضلع تھرپارکر) اور شہداد پور (ضلع حیدرآباد) میں ''حُروں'' نے شورش، فساد اور خونریزی شروع کر دی۔ یہ فرقہ زیادہ تر ''کنگری'' کے سجادہ نشین پیروں کا مرید اور پیروکار ہے اور اس، سچائی کے راستے سے ہٹے ہوئے فرقے کا اعتقاد یہ ہے، کہ گادی نشیں پیر کو نعوذ باللہ منہا ''خداوند عالم'' سمجھتے ہیں۔ جس کے اوصاف ''الصمد لم یلد ولم یولد'' ہیں[۱۶]۔ اس لئے کسی کو بھی اس کا ثانی نہیں سمجھتے۔ یہ گمراہ ''حُر'' کے نام سے مشہور ہیں۔ ان حروں کا قصہ اگرچہ بہت بڑا ہے، لیکن یہاں اختصار سے بیان کیا جاتا ہے۔ ''حُر'' عربی، بلکہ ترکی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی ہیں ''حقیقی پہلوان''۔ حر، حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جگر گوشہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دنوں میں شہید ہوا تھا۔ مگر یہ فرقہ جیسا کہ بدکار ہے، اس لئے ''لُرُ'' مشہور ہے، جسے سندھی زبان میں بے بنیاد اور

---

[۱۶] ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ کا نوٹ: یہ گمان، حقیقت کے بالکل برخلاف ہے۔ انگریز سرکار کے عملداروں نے جان بوجھ کر یہ تہمت گھڑی تھی، اور اسی بات کو مشہور کرنے میں انہوں نے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی، کہ سندھ کے مسلمان عام طور پر اور سندھ کے (سب) باشندے خاص طور پر حروں کی جماعت (جو حریت پسند اور انگریز سرکار کی دشمن تھی) سے بدگمان ہیں اور ان کی کسی بھی قسم کی مدد کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

بدکار کہا جاتا ہے ۱۷ے۔ قصہ مختصر، جب اس فرقہ کی شورش اور فساد کا اثر رعایا اور انگریز سرکار کے پولیس افسروں پر ہوا، تب سرکار نامدار نے حکمت عملی شروع کر دی اور پلٹن، پولیس، اور جاسوس

۱۷ے ڈاکٹر نبی بخش خان کا نوٹ: ''لُب تاریخ سندھ'' کے مؤلف کی یہ رائے اس کی وفاداری اور نمک خواری کی دلیل ہے، جو ہمیشہ وہ انگریز سرکار کا خدمتگذار رہا ہے۔ حُر، انگریز سامراج کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اور مسلسل اس کے ساتھ لڑائی کرتے رہتے تھے۔ سندھ میں حرتحریک کی شروعات اس طرح ہوئی، کہ اٹھارویں صدی عیسوی میں ہندوستان کے اندر مغل سلطنت کا زوال ہوا اور مسلمانوں کی طاقت کا شیرازہ بکھر گیا۔ غیر مسلم قوموں میں سے مرہٹوں نے مہاراشٹر میں اور سکھوں نے پنجاب میں اپنی حکومتیں قائم کیں۔ انیسویں صدی عیسوی میں سکھوں نے پورے پنجاب پر غلبہ حاصل کر لیا، شمال-مغرب کی طرف لشکر کشی کی، حتیٰ کہ پشاور پر انہوں نے چڑھائی کی، اور امکان تھا کہ پختون اور افغان قبائل کو مغلوب کر لیں، جو اپنی شجاعت اور مردانگی کی وجہ سے ہندوستان کے مسلمانوں میں مشہور تھے۔

اسی صورت حال نے مجاہد اعظم سید احمد بریلوی میں جوش پیدا کیا اور اس نے دینی غیرت اور حمیت کی وجہ سے سکھوں کے خلاف جہاد کا جھنڈا بلند کیا اور اس نے اپنے ساتھیوں سمیت دہلی سے پشاور جانے کا ارادہ کیا۔ لیکن چونکہ پنجاب سکھوں کے قبضہ میں تھا، اس لئے سید موصوف راجپوتانا کے راستے سندھ میں آیا۔ حیدرآباد میں تالپور حکمرانوں نے سید صاحب کی خاطر تواضع میں کوئی بھی کسر نہیں اٹھا رکھی اور اپنے معززترین مہمان کی پذیرائی اس کے مرتبہ کے مطابق کی۔ مگر اسے مدد دینے سے گھبرانے لگے، کہ مباداد پنجاب کا سکھ راجا رنجیت سنگھ، سندھ پر نہ چڑھائی کر دے۔

سید احمد بریلوی حیدرآباد سے کوچ کر کے شمالی سندھ میں پہنچا اور پیر پگارو (دستار اور کُلاہ کا مالک) سید صبغت اللہ بن مُرشد انام (مخلوق کا مرشد) حضرت محمد راشد رحمت اللہ علیہ سے ملاقات کی۔ سید صبغت اللہ شاہ ایک حریت پسند انسان تھا۔ اس نے دینی غیرت کی وجہ سے سید احمد کے مجاہدانہ عزائم سے مکمل اتفاق کیا کہ جہاد کر کے، شمالی ہندوستان کے مسلمانوں کو سکھوں کی غلامی والی مصیبت سے نجات دلائی جائے۔ پیر صاحب نے سندھ میں ایک زبردست مہم شروع کی اور مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دلائی۔ درزیوں کی ایک گروہ کو بلا کر انہیں حکم دیا کہ مجاہدین کے لئے جنگی پوشاکیں تیار کریں اور اپنے مریدوں اور دوستوں کی ایک جماعت، سید صاحب کے ساتھ بھیج دی۔ یہی وہ پہلی جماعت تھی، جو ''حروں'' یعنی احرار کے نام سے موسوم ہوئی۔

سید صبغت اللہ شاہ اسی جماعت کو سازو سامان سمیت سید احمد کے ساتھ روانہ کر کے، خود سندھ میں ٹھہر گیا۔ کچھ علمائے حق، جنہوں نے حریت کے جذبہ اور حق کا کلمہ بلند کرنے کو اپنا نصب العین ٹھہرایا ہوا تھا، انہوں نے سید صبغت اللہ شاہ کی آواز پر لبیک کہہ کر، حروں کی جماعت میں شرکت کی اور انہیں سید احمد کی مدد کے لئے بھیجا جا رہا تھا۔ ان میں سے ایک قاضی عثمان سندھی بھی تھا، جو قاضی شوکانی رحمت اللہ علیہ کا شاگرد اور محمد بن عبدالوہاب نجدی کی تعلیمات سے متاثر ہو کر، اپنے وطن سندھ کی طرف واپس لوٹا تھا اور پھر حروں کے ایک گروہ میں جہاد کے لئے شریک ہوا تھا۔ اس حقانی عالم کے ہتھیاروں میں سے ایک خنجر آج تک اس کی اولاد کے ہاں محفوظ ہے، اور اس کی کتابوں میں سے ایک قلمی مجموعہ امام بن تیمیہ کے رسائل کا ہے، جن میں سے کچھ تا حال نہیں چھپ سکے اور ان پر شیخ محمد بن عبدالوہاب کے فرزند علی کی مہر لگی ہوئی ہے۔ یہ مجموعہ سندھ یونیورسٹی کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ (جاری ص ۲۱۵)

بھیجے اور مرحوم پیر علی گوہر شاہ صاحب اور دوسروں سے مدد لی، جس کا نتیجہ یہ نکلا، جو اکثر حر گرفتار ہوئے، کچھ مارے گئے اور کچھ کو پھانسی پر لٹکا دیا گیا، جن لوگوں نے اس حیرت انگیز معاملہ میں

سید احمد کو پہلے اس جہاد میں فتوحات حاصل ہوئیں، مگر پھر حالات بدل گئے اور وہ سال ۱۲۴۶ ہجری کے ذیقعد مہینے میں شہید ہوگیا۔ اس کی تاریخ وفات کا قطعہ، جو بالاکوٹ کے قلعہ میں اس کی تربت پر لکھا ہوا ہے اور میرے دوستوں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان اور حضور احمد سلیم، سندھ یونیورسٹی کے پروفیسر صاحبان کے ذریعہ مجھے ملا ہے، اس سے سید احمد کی شہادت کی تاریخ اور سال معلوم ہوتے ہیں:

سید احمد بریلوی غازی ہست مدفون اندرین مرقد
مؤمن و متقی ولی اللہ بُد مجاہد بہ راس سیزدہ صد
آمد از ہند با گروہ کثیر بہر امداد مردم سرحد
جنگ با سکھ نمود و گشت شہید بود راضی از و خدای احد
بیست و چارم بُد از مہ ذی قعد سال غم گر بدانی از ابجد
کاف و جارا کشید گو یوسف ''رحمت رب بود باین مرقد''
(۱۲۶۹-۲۳) ۱۲۴۶ ہجری

ترجمہ:

۱- غازی سید احمد بریلوی اس تربت میں مدفون ہے۔
۲- وہ تیرہویں صدی کے اوائل کا ایک مؤمن، متقی، ولی اللہ اور مجاہد تھا۔
۳- صوبہ سرحد کے لوگوں کی امداد کے لئے وہ ہندستان سے بڑی جماعت کے ساتھ آیا۔
۴- سکھوں کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے، شہید ہوگیا۔ اللہ واحد اس سے راضی تھا۔
۵- وہ ذیقعد کی چوتھی تاریخ تھی۔ اگر غم والا سال ابجد کے ذریعے معلوم کرنا چاہو تو۔۔۔۔۔
۶- یوسف، کاف اور جیم (کے اعداد کو مادۂ تاریخ سے) حاصل کیا گیا ہے (جو یہ ہے کہ) ''رحمت رب بود باین مرقد'' (یعنی اس تربت پر پروردگار کی رحمت ہو) ۱۲۶۹-۲۳-۱۲۴۶ ہجری] ۱۸؎۔

سید احمد کی شکست کے اسباب میں سے ایک سبب یہ تھا کہ سید صبغت اللہ شاہ نے سندھ میں پہلی رمضان ۱۲۴۶ ہجری پر وفات پائی، اور حر مجاہد جماعتوں اور ساز و سامان کی امداد، جو سید صبغت اللہ شاہ کی طرف سے یکے بعد دیگرے سید احمد کو پہنچتی رہتی تھی، وہ بند ہوگئی۔ بلکہ سید صبغت اللہ شاہ کی وفات کے سبب سید احمد کا ایک بازو ٹوٹ گیا۔ کیونکہ سید احمد، سید صبغت اللہ شاہ کو سندھ میں اپنا قائم مقام سمجھ رہا تھا اور اپنے اہل و عیال کو بھی اس کی حفاظت میں چھوڑ گیا تھا۔ جیسا کہ اس کے خط سے ظاہر ہوتا ہے، جو سید صبغت اللہ شاہ کو اس نے لکھا ہے: (جاری ص ۲۱۶)

۱۸؎ ''یوسف'' شاید قطعۂ تاریخ لکھنے والے شاعر کا نام ہے۔ مادۂ تاریخ کے اعداد ۱۲۶۹ ہیں۔ ان میں سے ک (۲۰) اور ج (۳) کے اعداد (۲۳) نکالے جائیں گے، تو ۱۲۴۶ بچیں گے (ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ)۔

(انگریز سرکار کی) مدد کی، انہیں انعام دئے گئے، جس کی تفصیل مناسب موقعہ پر بیان کی جائے گی۔

''بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ امیر المؤمنین سید احمد کی طرف سے، ارشاد اور تلقین کی محافل کے سجادہ نشین کی خدمت بابرکت میں، جو صدق و یقین والوں کا رہنما، استفادہ کرنے والوں کا مرکز، ہدایت حاصل کرنے والوں کی پناہ گاہ اور اللہ کی راہ کی طرف رہنمائی کرنے والا ہے، میرا مخدوم شاہ صبغت اللہ صاحب، اللہ تعالیٰ اس کی ہدایت کا سایہ تا قیامت اس کے مریدوں کے سر پر قائم رکھے۔ سلام مسنون اور دعائے مقبول کے بعد واضح ہو، کہ آپ کے مبارک خط ملے، جو ملت مسلمہ کو بیدار کرنے، سنت محمدی کی احیاء، جہاد کو قائم رکھنے اور کفر اور دشمنی کی بیخ کنی کے لئے انتہا درجہ کے اشتیاق، بلند ہمتی اور ارادہ کی پختگی پر مشتمل تھے۔ ان میں درج احوال خطوط کی بلیغ عبارت سے اختصار سے، اور آنے جانے والے لوگوں سے تفصیل سے معلوم ہوا۔ بیشک، اس طرح کے عظیم کام کی سرانجامی اور اتنی اہم ترین مہم کی تکمیل کی طرف توجہ دینا آپ جیسے ہدایت یافتہ، معززترین اور مقبول انسانوں، بے مثال رہنماؤں اور ہمت وحوصلہ والے صاحبان ہی کے شایان شان ہے۔ این کار از تو آید و مردان چنین کنند'' (یہ کام تجھ ہی سے ہو سکتا ہے اور مرد ایسا ہی کرتے ہیں)۔ اگر جنگلات میں سے گذر کر یہاں تشریف آور ہونا چاہو اور ہم فقیروں کی محفل کو اپنی شاہانہ تشریف آوری سے بہشت کے باغیچوں اور گل یاسمین اور ریحان سے بھی زیادہ رونقدار بنانا چاہو، اور یہ بات تمہاری بلند ہمتی اور بلند حوصلگی سے بعید نہیں ہے۔ مگر وقت کی مصلحت اس میں نظر آ رہی ہے کہ اپنے مخلص دوستوں کو خاص طرح اور دیگر سچے مؤمنین کو، عام طرح ترغیب دلوا کر، اور وہاں کے مشہور لوگوں، بلکہ وہاں کے عوام کو ساتھی بنا کر (اپنے ساتھ لے کر) کسی ایسی جگہ پر آ کر ٹھہرو، اور اس فقیر کے اہل و عیال کو بھی اپنے اہل و عیال کے ساتھ، وہاں یا کسی دوسری ایسی جگہ پر ٹھہراؤ، جو دشمنوں کی ایذاء رسانی اور ان کی پہنچ سے دور ہو، اور سکھ کفار کی حد کے قریب مگر ان ظالموں کی رسائی سے دور ہو یعنی دشمنوں قلمرو کے اندر نہ ہو۔ وہاں قیام کر کے پر پرواز کھولیں، کافروں اور فتنہ انگیزوں کے خلاف دانائی اور شجاعت سے جہاد کا میدان تیار کریں اور گرد و نواح کی طرف ہمت کا ہاتھ بڑھاؤ اور کافروں کے شہروں کو مجاہدوں کے قدموں اور دین متین کے جلوہ افروزیوں سے مشرف فرمائیں اور جس قدر ہو سکے، جہاد کا نام بلند کریں اور کفر و فساد کا شور و شر ختم کریں (بحوالہ ''سوانح احمدی'' از مولانا محمد جعفر تھانیسری صفحہ ۲۸۲-۲۱۹)۔

اس خط سے ظاہر ہے کہ مجاہد اعظم سید احمد کے دل میں، سید صبغت اللہ شاہ کے لئے کس حد تک غیر معمولی احترام کے جذبے تھے، اور وہ کس قدر اسے میدان جہاد میں اپنا ہمدم اور ہمقدم سمجھتا تھا۔

''حرتحریک''، جیسا کہ مذکورہ احوال سے ظاہر ہوا، اس برصغیر کے مسلمانوں نے اپنی کھوئی ہوئی آزادی کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے جو بھی کوششیں کیں، ان میں پہلی کوشش تھی، اس کے بعد سید صبغت اللہ کے جانشین، جو ''پیر پگارا'' کے لقب سے مشہور ہیں، اور اس کے مریدین اور معتقدین نے ہمیشہ اپنے دل جہاد اور حریت پسندی کے جذبہ سے سرشار رکھے، جس کا نتیجہ یہ نکلا، کہ انگریزوں سے کبھی بھی صلح کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہوئے۔ بالآخر حروں نے ۹۶-۱۸۹۵ء میں سندھ پر انگریزوں کے غاصبانہ قبضے کے خلاف بغاوت کا علم بلند کیا۔ یہ دوسرا قدم تھا، جو سید احمد کے بعد سامراج کے خلاف اٹھایا گیا۔ اس صورت میں یہ ایک فطری امر ہے، جو اس تاریخ کا مؤلف، ''حرتحریک'' کو حقارت سے دیکھے اور اس کی مذمت کرے، کیونکہ وہ (انگریز سرکار کا) نمک خوار اور وفادار نوکر ہے۔ (جاری ص ۲۱۷)

(۳) سال ۱۳۱۲ ہجری مطابق ۱۸۹۵ء میں بمبئی کا گورنر لارڈ سینڈہرسٹ صاحب بہادر مختصر عملے کے ساتھ کراچی تشریف آور ہوا۔ صاحب بہادر، مرحوم مسٹر ایس۔مینسفیلڈ صاحب سابق کمشنر سندھ کا بھتیجا تھا۔ پہلے ہی دن، سر چارلس الیونٹ صاحب کمشنر سندھ کی اطلاع پر، گورنر کے ساتھ راقم الحروف کی ملاقات ہوئی (جس کا ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے)، وہ اسے میں نے دکھایا۔ اسے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے کہ میرا چچا اس دنیا سے رخصت ہو گیا ہے۔ جواب میں میں نے گذارش کی کہ ''ہاں، مجھے معلوم ہے''۔ پھر فرمایا کہ ''اگر میرا چچا زندہ ہوتا تو اسے لکھ بھیجتا، کہ میں نے آپ کا بڑا منشی دیکھا۔ بہت ہی تندرست اور خوش وخرم ہے''۔ بیشک، عزازت قرابت کی وجہ سے حسن سلوک کرنا پڑتا ہے۔

مسٹر مینسفیلڈ سابق کمشنر سندھ کی تحریر کا ترجمہ، جو پہلے بھی اس کی کارگذاریوں میں پیش کیا گیا ہے، دوبارہ عام واقفیت کے لئے یہاں پیش کیا جاتا ہے:

یہ تحریر سندھ کے کمشنر کے دفتر کے منشی خداداد خان کی شناخت کے لئے ہے۔ وہ بڑا محنتی اور ہر بات پر توجہ دینے والا ہے۔ گذشتہ پانچ برسوں میں اس شخص نے سرکاری کام بطریق احسن سرانجام کیا ہے۔

تاریخ ۱۸ فروری ۱۸۹۷ء   دستخط

مسٹر ایس۔مینسفیلڈ صاحب

کمشنر سندھ

یہاں اس بات کی وضاحت کرنا ضروری ہے کہ حروں کی جدوجہد ہمیشہ جاری رہتی آئی اور کسی بھی وقت بالکل بند نہ ہوئی، حتیٰ کہ سید صبغت اللہ شاہ اول کے بعد، تیسری مرتبہ اس مہم کا آغاز ۱۹۴۲ میں سید صبغت اللہ شاہ ثانی (ولد سید شاہ مردان شاہ ولد سید حزب اللہ شاہ ولد سید علی گوہر شاہ ولد سید صبغت اللہ شاہ اول رحمہم اللہ) پیر پگارا نمبر پانچویں کے ہاتھوں ہوا۔ یہ پہلی بغاوت تھی، جو دوسری جنگ عظیم کے دوران، علی الاعلان انگریز کے خلاف برپا کی گئی۔ اس زمانہ میں ہندوستان اور پاکستان (متحدہ ہندوستان) کے اندر بھی آزادی کی تحریک جاری تھی۔ اس بغاوت کے نتیجہ میں سندھ میں ''مارشل لا'' لاگو کیا گیا اور پورے بارہ مہینے جاری رہا۔ غازی اور مجاہد سید صبغت اللہ شاہ ثانی کو ظالم انگریزوں نے مارچ ۱۹۴۳ء میں پھانسی کے تختے پر چڑھا کر شہید کیا۔ فوجی کورٹ (جس میں سب فوجی افسر تھے) نے اپنے فتوے میں لکھا تھا کہ ''سید موصوف، شہنشاہ جارج چھٹے کے خلاف ایک فوج تیار کی تھی۔'' مگر بہادر اور مجاہد حروں نے انگریزوں کے خلاف ہمیشہ اور مسلسل جنگ جاری رکھی اور کسی بھی وقت اطاعت نہیں کی، حتیٰ کہ اگست ۱۹۴۷ء میں انگریزوں کو متحدہ ہندوستان چھوڑنا پڑا اور پاکستان کی مملکت قائم ہوئی۔ پاکستان کی حکومت نے ایسی پالیسی اختیار کی، جس کی بنیاد حروں سے دوستی پر رکھی ہوئی تھی، اور سید صبغت اللہ شاہ شہید (رحمت اللہ علیہ) کا فرزند سید سکندر شاہ، جواب ''پیر پگارو'' ہے، اپنی ساری قوت ملک اور ملت کے استحکام کے لئے صرف کر رہا ہے۔'' (ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ)

اس کے بعد گورنر صاحب بہادر، سر چارلس الیونٹ صاحب بہادر کمشنر سندھ کے ساتھ اکٹھے، کراچی سے ریل گاڑی کے راستے سکھر روانہ ہو گیا اور وہاں سر میر فیض محمد خان صاحب بہادر والی ولایت خیر پور سندھ، اس کے ساتھ ایک خوشگوار ملاقات کی اور پھر بدلہ میں گورنر صاحب نے میر صاحب موصوف سے اس کی قیام گاہ ''پیر صبریہ'' میں جا کر اس کے ساتھ ملاقات کی۔ گورنر صاحب نے شکارپور اور جیکب آباد میں درباریں منعقد کیں۔ خصوصیت سے کوئٹہ (شال کوٹ) پہنچ کر، سیاحت کی، اور پھر بمبئی روانہ ہو گیا۔

شکارپور والی دربار میں فوج کے پینشنر سپاہیوں کی لمبی قطار دیکھنے میں آئی۔ گورنر صاحب نے پہلے ان سے بات کی اور ان کا احوال ہمدردی اور شفقت سے سنا اور اچھی طرح ان سے ملاقات کر کے، انہیں فرمایا کہ ''میں فوجی سپاہیوں کی بڑی قدر کرتا ہوں۔ انہوں نے اپنی پیاری جانیں ہمارے ملک، مال اور جان پر قربان کی ہیں۔ میں خود بھی فوجی ہوں اور ہمارا خاندان بھی''۔ گورنر صاحب کا یہ اشارہ غالبًا اپنے بڑے کی طرف تھا، جو انگریزوں کے شروعاتی زمانے میں سارے ہندوستان کا جنرل تھا)۔

۴- مذکورہ سال (۱۳۱۲ہجری مطابق ۱۸۹۵ء) کی آخر میں، والیء افغانستان امیر عبدالرحمٰن خان صاحب بہادر کا دوسرا نمبر فرزند سردار نصراللہ خان انگلینڈ کی سیر کرنے کے بعد واپسی پر بذریعہ جہاز کراچی بندر پر آ پہنچا۔ تقریباً ایک سو معزز اور مخصوص لوگوں کا مختصر عملہ شہزادہ صاحب کے ساتھ تھا۔ ان کے پہنچنے سے پہلے، بمبئی سرکار کی منظوری سے سندھ کے کمشنر صاحب نے معزز مہمانوں کے مرحبا اور استقبال کے لئے درج ذیل چار لوگوں کو مقرر کیا:

(۱) مسٹر لیوکس صاحب کلیکٹر کراچی (۲) مسٹر جی۔ سلیڈن صاحب اسسٹنٹ کمشنر سندھ (۳) مسٹر میکیور صاحب کراچی پولیس کا عملدار اور (۴) خان بہادر خداداد خان سندھ کے کمشنر کے دفتر کا بڑا منشی۔

درج ذیل سرکاری خط و کتابت کے اقتباسات سے اس بات کی صداقت معلوم ہو جائے گی۔ اگرچہ سردار صاحب کی تشریف آوری کے وقت سر چارلس الیونٹ صاحب بہادر ایک مہینہ کی چھٹی پر کلکتہ گیا ہوا تھا اور اس کی جگہ پر کراچی کا کلیکٹر کرنل کرافورڈ صاحب کام کر رہا تھا۔ تاہم یہ سارا بندوبست اسی کی طرف سے تھا۔

۱- انگریزی خط نمبر ۲۸۲۰، مؤرخہ ۲۱ ستمبر ۱۸۹۵ء کے تیسرے فقرے کے اقتباس کا ترجمہ، از طرف کلیکٹر صاحب کراچی، جو اس وقت سندھ کا ایکٹنگ کمشنر تھا:

میرا خیال ہے کہ جب سردار نصراللہ خان صاحب اپنے لوگوں کے ساتھ، کراچی میں آ کر قیام کرے، تو اسے سرکاری مہمان سمجھا جائے، اور اس صورت میں یہ بہتر ہوگا کہ جس وقت

کرنل غلام رسول خان (یہ شخص افغانستان کے والی عبدالرحمٰن خان صاحب بہادر کی طرف سے ہندوستان کے حکمران جناب گورنر جنرل صاحب بہادر کے ماتحت رہتا تھا) کراچی پہنچے، اس وقت اپنے ملک کا آفیسر خان بہادر خداداد خان سندھ کے کمشنر کے دفتر کا بڑا منشی اس کے ساتھ رہے، ضروری اشیاء اور دیگر ساز و سامان کی موجودگی اور سارے کاموں کی سرانجامی کا بندوبست کرے، تاکہ کسی بھی قسم کی کوئی بدنظمی نہ ہو اور سارا انتظام اچھی طرح ہو جائے۔

(۲) انگریزی خط نمبر ۲۷۴، مؤرخہ ۲۴ ستمبر ۱۸۹۵ء کے فقرے نمبر چار کا اقتباس، جو سندھ کے کمشنر صاحب بہادر کی طرف، بمبئی کی سرکار کے وزیراعظم نے لکھا کہ:

''جس وقت سردار صاحب بندرگاہ پر اترے، اس وقت استقبالی جماعت جائے، جس میں کراچی کا کلیکٹر صاحب، اسسٹنٹ کمشنر صاحب، کراچی کا پولیس سپرٹینڈنٹ اور خان بہادر خداداد خان بڑا منشی ہو۔

(۳) تار: سندھ کے کمشنر صاحب بہادر کی طرف سے بمبئی سرکار کی طرف، مؤرخہ ۲۴ ستمبر ۱۸۹۵ء ''مراسلہ نمبر ۴۳۷، مؤرخہ ۲۱ ستمبر ۱۸۹۵ء کے فقرہ نمبر چوتھے میں استقبالی جماعت کے بارے میں جو کچھ آپ نے تجویز کیا ہے، وہ منظور ہے۔''

(۴) ایجنٹ جنرل صاحب (ڈپٹی جنرل) سندھ، مراسلہ نمبر ۲۴۵۴، مؤرخہ ۳ اکتوبر ۱۸۹۵ کے فقرہ نمبر ۲ میں خیموں سے متعلق لکھتا ہے کہ ''کراچی کے کلیکٹر صاحب کی طرف۔ اگر بڑا منشی خان بہادر خداداد خان، خیموں کے انچارج کو لکھے گا تو وہ سردار صاحب کے لوگوں کے لئے مناسب خیموں کی نشاندہی کرے گا۔''

(۵) کراچی کے کلیکٹر صاحب نے اپنے مراسلہ نمبر ۱۶۵۸، مؤرخہ ۴ اکتوبر ۱۸۹۵ میں سندھ کے کمشنر صاحب کو لکھا کہ ''ایجنٹ جنرل صاحب (ڈپٹی جنرل) کے خط کی کاپی مناسب فیصلے کے لئے بھیجی جاتی ہے، اور انگریزی مراسلہ نمبر ۴۹۵، مؤرخہ ۳۰ ستمبر ۱۸۹۵ء کی کاپی بھی، جو اس کے جواب میں خان بہادر خداداد خان کی خواہش پر میں نے لکھا تھا۔''

(۶) کمشنر صاحب بہادر نے اپنے مراسلہ نمبر ۴۹۵، مؤرخہ ۵ اکتوبر ۱۸۹۵ء میں، کراچی کے کلیکٹر صاحب کی طرف اس کے مراسلہ نمبر ۱۶۵۸، مؤرخہ ۴ اکتوبر ۱۸۹۵ء کے جواب میں لکھا کہ ''سردار نصراللہ خان کے لوگوں کے لئے خیموں کے بارے میں اسسٹنٹ کمشنر صاحب سمجھتا ہے کہ حضور ڈپٹی کلیکٹر صاحب کراچی کو سارا کام خود پر مامور کر کے، سارے بندوبست کے لئے ذمہ دار ہونا چاہئے۔ خان بہادر خداداد خان کو کراچی کے کلیکٹر صاحب کے ماتحت سارے کاموں اور ضروریات وغیرہ کی سرانجامی کے لئے رکھا گیا ہے۔''

۵- مذکورہ سال (۱۳۱۲ ہجری مطابق ۱۸۹۵ء) میں کراچی کا کلیکٹر کرنل کرافوڈ صاحب

کئی سال ملازمت کرنے اور بہت سی کارگذاریوں اور بڑی خدمات بجا لانے کے بعد، پینشن لے کر، ولایت روانہ ہو گیا۔ اس کی روانگی سے پہلے اس کے اعزاز میں یورپ والوں خواہ سندھ کے باشندوں کی طرف سے میونسپالٹی کے باغیچہ میں جو رونقدار جلسے منعقد کئے گئے، وہ قابلِ دید تھے۔

۶- مذکورہ سال میں مرحوم خان بہادر محمد حسن علی صاحب آفندی مجیدی صدر ''انجمن اسلامیان سندھ'' نے وفات پائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

۷- سال ۱۳۱۴ ہجری مطابق ۱۸۹۶ کے شروع میں سر چارلس الیونٹ صاحب اپنی حسن کارکردگی کی وجہ سے بمبئی سرکار کے وزیر اعظم کے عہدہ پر، اور پھر ''کاؤنسلر'' کے بڑے عہدہ پر مقرر ہونے کے بعد (کراچی سے بمبئی) روانہ ہوا اور اپنی ذمہ داری چندونوں کے لئے حیدرآباد کے کلیکٹر مسٹر ووڈ برن صاحب کے سپرد کر گیا۔

جیسا کہ اس افسر (مسٹر ووڈبرن) کی حکومت کا عرصہ مختصر ہے، اس لئے اس کی کارگذاریاں نہیں لکھی جا رہی ہیں سوائے ایک بات کے، کہ بمبئی سرکار کے حکم سے سندھ کے کمشنر صاحب کے توشاخانہ سے ایک عمدہ سونے کی تلوار، ایک شاندار قیمتی خلعت اور ایک آفرین نامہ مرحوم پیر علی گوہر شاہ کو پہنچانے کے لئے، راقم الحروف کے سپرد کئے گئے، اور راقم الحروف پیر صاحب موصوف کے شہر میں پہنچ کر، ایک مختصر دربار میں اسے ہاتھوں ہاتھ دئے۔

مسٹر ایچ۔ اے۔ ایم جیمس (کمشنر) کا دوبارہ آکر چارج لینا

سال ۱۳۱۴ ہجری مطابق ۱۸۹۶ء میں آنریبل مسٹر جیمس چھٹی پر سے واپس آنے کے بعد سندھ کے کمشنر کی ذمہ داریاں سنبھال لیں۔

۱- اگرچہ حُروں کی طرف سے فسادات، شورش اور خون ریزی زیادہ تر بند ہو چکی تھیں؛ مگر اس بات کی تحریری اطلاع بمبئی سرکار کو اب دی گئی۔ ''بچو'' موچی جو نامور تھا اور اس گمراہ فرقہ کا سرکردہ تھا [۱۹] گرفتار ہو چکا تھا۔ اسے ضلع تھرپارکر کے شہر سانگھڑ میں گرفتار کیا گیا تھا۔ ''شادی پلی'' نامی ایک گاؤں میں دربار منعقد کر کے، اکثر عملداروں، پولیس افسروں اور زمینداروں کو

---

[۱۹] ''بچو'' ذات کا خاصخیلی تھا۔ مگر اس تاریخ کے مؤلف نے ایک مشکوک بات کی ہے۔ دراصل ''موچی'' اس کا ایک دوست تھا، جس کا نام ''گلو'' تھا۔ سندھ میں حروں کی طرف سے انگریز سرکار کے خلاف دوسری مرتبہ بغاوت (۹۶-۱۸۹۵ء میں) بارہ رہنماؤں کی ہمت سے برپا ہوئی۔ وہ بارہ باغی ''بارھن جٹا بھرو نیا'' کے نام سے مشہور ہوئے۔ درحقیقت وہ انقلابی تھے۔ ان میں سے آٹھ کے نام مل سکے ہیں، جو یہ ہیں: (۱) بچو خاصخیلی جس کا لقب ''بادشاہ'' تھا (۲) پیر بخش وسان، جس کا لقب ''وزیر'' تھا (۳) گلو موچی (۴) تگیو جانگ (۵) بھلو گاہو (۶) خمیسو وسان (۷) فتنو قاضی اور (۸) فلاں (؟) قاصائی۔

(ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ)

تلواریں اور لونگیاں وغیرہ عطا کی گئیں اور کمشنر صاحب کی تحریری سفارش پر مرحوم پیر علی گوہر شاہ صاحب کو ''شمس العلماء'' اور خان بہادر محمد یعقوب خان کو ''سردار'' کے لقب سے مسرور اور سرفراز کیا گیا، اور اس خاکسار راقم الحروف کی خدمتگذاری اور مددگاری کی وجہ سے آفرین اور شاباش کا مستحق ٹھہرایا گیا۔ بیشک، ہر کہ خدمت کرد، او مخدوم شد۔ زیادہ تر اچھے کام کا نتیجہ اچھا ہی نکلتا ہے۔

۲- سال ۱۳۱۴ہجری مطابق ۱۸۹۶ء کے آخر میں سندھ کے جاگیرداروں اور کھاتیداروں کی املاک کی کارگذاری کا قاعدہ، جس کا نام ''قاعدہ نمبر۲، وال ۱۸۸۶ء'' ہے، آنریبل مسٹر جیمس کی سفارش سے سرکار کی طرف سے بحال ہوگیا اور قرض اور سود کے کیس فیصلکے ے کرنے کے لئے ایک عملدار مقرر کیا گیا، جسے ''مینیجر'' کہا جاتا تھا، جو قرض اور سود کے فیصلے کرتا تھا۔ اس مفید اور اچھی تجویز کی وجہ سے سارے جاگیردار، زمیندار اور کھاتیدار بے حد خوش ہوئے۔ ورنہ (اس سے پہلے) ہندو، قرض اور سود در سود کے چکر میں ان کی املاک (زمین) کے مالک ہو جاتے تھے۔ اس لئے وہ (جاگیردار اور زمیندار) آنریبل مسٹر جیمس کی تعریف کرتے ہیں جو ان ہی کی کوششوں سے انہیں اتنی سہولت ملی ہے۔ بیشک، یہ قاعدہ بہت ضروری ہے۔ اگرچہ سال ۱۲۹۰ہجری مطابق ۱۸۷۵ء میں سر ولیم میری ویدر صاحب (کمشنر سندھ) کی ایامکاری میں اُسی مسٹر جیمس کی کوشش سے، جب وہ ابھی ڈپٹی کلیکٹر تھا، ایسا قاعدہ جاری کیا گیا۔ مگر دعواؤں کی شنوائی کا عرصہ بہت ہی تھوڑا یعنی فقط چھے مہینوں جتنا تھا۔ جیسا کہ موجودہ قاعدہ کی مدت بڑھا کر، بیس سال کی گئی ہے، اس لئے سارے قرضدار آزاد ہوسکیں گے۔

۳- سال ۱۳۱۴ہجری مطابق ۱۸۹۶ع میں پیر علی گوہر شاہ صاحب نے وفات پائی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ مرحوم پیر صاحب بے اولاد فوت ہو گئے۔ اس لئے اس کا تیسرا نمبر بھائی شاہ مردان شاہ اس کا جانشیں ہوا۔

۴- مذکورہ سال میں تیسری مرتبہ آنریبل جیمس صاحب کو کلکتہ کی طرف سخت قحط سالی کے معاملات کا سامنا کرنے کے لئے منتخب کیا گیا۔ بیشک، سارے ہندوستان میں سے اس طرح کے مدبر اور داناء عملدار کا انتخاب اس کی غیر معمولی دانائی اور دیانتداری کی وجہ سے کیا گیا، اور حقیقتاً ایسے نازک اور اہم ترین کاموں کی لئے ایسا ہی سمجھدار اور لائق عملدار منتخب ہونا ہی تھا۔

۵- مذکورہ سال میں دریاء مہران (دریائے سندھ) پر کوٹری کے مقام پر (مغربی کنارے) اور گدو بندر کے مقام پر (مشرقی کنارے) سرکار نے پل تعمیر کرنے کی تجویز منظور کی، جس کا کام شروع ہو چکا ہے، اور امید ہے کہ سال ۱۳۱۸ہجری مطابق ۱۹۰۰ء میں تیار ہو جائے گی، اور اس کا افتتاح بھی ہو جائے گا۔

پندرھواں کمشنر: مسٹر ونگیٹ صاحب (ایکٹنگ)

سال ۱۳۱۴ھ ہجری مطابق ۱۸۹۷ء کے آخر میں بمبئی سے کوٹری (سندھ) میں وارد ہوئے۔ اس کے اسسٹنٹ پہلے مسٹر جی۔ سلیڈن صاحب ہوئے اور پھر مسٹر لارینس صاحب ہوئے۔ ونگیٹ صاحب بڑے بردبار تھے۔ کمشنری کا کاروبار نہایت بردباری، سنجیدگی اور عقلمندی سے سرانجام دیتے رہے۔ دستور اور معمولات والے کام بہت ہی اچھے طریقے سے ادا کرتے تھے۔

۱- ان کی ایامکاری میں طاعون یا ہیضہ کی بیماری پھیلی، جسے انگریزی میں پلیگ کہتے ہیں۔ زیادہ تر بیماری کا زور کراچی، ٹھٹہ، حیدرآباد، کوٹری، سکھر اور شکارپور کے شہروں میں تھا۔ انگریز سرکار کے ملازمین نے یورپی ڈاکٹروں کے مشورے سے بیماری کی مدافعت اور خاتمہ کے لئے کئی قسم کی کوششیں کیں۔ ڈاکٹروں کی رائے زیادہ تر یہ تھی کہ یہ منحوس بیماری غلاظت، گندگی اور بدبو کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اس لئے اس کے علاج کے وقت صفائی، تازہ ہوا اور کشادہ اور خلاصہ ہوکر رہنے پر زور دیا گیا اور خوشبودار دوائیں دی جاتیں، جس وجہ سے کچھ نہ کچھ بیماری کے اثر میں کمی ہورہی تھی اور مذکورہ شہر اس منحوس بیماری سے آزاد اور پاک صاف ہو گئے۔ بیماری میں ہزارہا لوگوں کی جانیں ضایع ہوئیں یعنی سارے سندھ میں پانچ ہزار لوگ بیماری کا شکار ہوئے [۲۰] اور تقریباً ایک لاکھ روپے سرکار اور میونسپالٹیوں کے خرچ ہو گئے۔ انگریز سرکار کے ملازمین کو آفرین، بلکہ ہزار آفرین ہو، جو رعایا کی خاطر، جو اللہ کی مخلوق ہے، اتنا خرچ کیا اور اتنی کوشش کی گئی، جس کا نتیجہ بالآخر اچھا نکلا۔ اگرچہ اس بیماری کے تدارک اور علاج وغیرہ کے بارے میں یورپ کے ڈاکٹروں کی رائے وہی تھی، جو اوپر بیان کی گئی، تاہم صحیح روایات کے مطابق یہ بیماری ''آسمانی آفت'' ہے، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خواہش اور دعا سے بنی اسرائیل کے گمراہ لوگوں پر ان کے برے اعمال کی وجہ سے نازل ہوئی تھی، اور ہمارے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے زمانے میں کئی مرتبہ ہوئی ہے۔ اس وبائی بیماری کے پیدا ہونے کے وقت اسے ٹالنے کے لئے مندرجہ ذیل تسبیحات پڑھنی چاہئیں، جو بلکل مجرب ہیں:

(۱) لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّی كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۔

(۲) سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اللّٰهُ اَكْبَرُ وَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ۔

---

[۲۰] یہ اعداد و شمار صحیح نہیں ہے۔ جن لوگوں نے یہ مہلک بیماری دیکھی تھی اور ان میں سے جو ابھی زندہ ہیں، ان کا کہنا ہے کہ سندھ میں اس بیماری کی وجہ سے دو لاکھ سے زیادہ لوگ مرے تھے، اور بڑے شہروں سے باہر، خاص طور پر گوٹھوں میں سرکار کی طرف سے صحت کے اقدامات اور دوا دارو کا کوئی بندوبست نہیں تھا۔ (ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ)۔

(۳) سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ، سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ وَ بِحَمْدِهٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَ اَتُوْبُ اِلَیْهِ ۔

درود شریف: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلیٰ سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَ عَلیٰ آلِ سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ کُلِّ دَاءٍ وَ دَوَاءٍ وَ بِعَدَدِ کُلِّ مَرَضٍ وَ شِفَاءٍ ۔

وبا کی بیماری کے بارے میں انگریز سرکار کے عملداروں کی تجاویز زیادہ تر ہمارے حضور نبی کریم ﷺ کے حکم اور حدیث کے مطابق ہیں۔ حدیث شریف میں درج ہے کہ فَاِذَا سَمِعْتُمْ اِنَّ الطَّاعُوْنَ وَقَعَ بِاَرْضٍ فَلَا تَدْخُلُوْهَا، فَاِذَا وَقَعَ بِاَرْضٍ وَ اَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوْا مِنْهَا (یعنی تم جب سنو کہ فلاں ملک میں طاعون کی بیماری پھوٹ پڑی ہے تو وہاں نہ جاؤ اور جہاں تم رہتے ہو، وہاں بیماری پڑے، تو وہاں سے نکل کر کسی دوسری جگہ نہیں جاؤ)۔ اس طرح اسلامی کتب میں کچھ ایسی باتیں ہیں، جو یورپ کے ڈاکٹروں کے طریقۂ علاج سے مشابہت رکھتی ہیں۔ ایسا کیوں نہ ہو، جو یورپ کے ڈاکٹر بڑی عقل اور سمجھ والے اور زمانے کے آزمودگار ہیں۔

اگرچہ بظاہر سندھ میں صحتمندوں اور بیماروں کو ایک دوسرے سے الگ رکھنا اور گھروں، کپڑوں اور دیگر گھریلو سامان وغیرہ کی صفائی کرنے میں لوگوں کو بڑی تکالیف کا سامنا کرنا پڑا، تاہم یورپی ڈاکٹروں کی ساری تجاویز بے مقصد اور بے معنی نہیں تھیں اور نہ ہی بے مقصد ہو سکتی ہیں۔ البتہ اتنی افراتفری کے زمانے میں لوگوں کی املاک کی دیکھ بھال بالکل مشکل کام تھا، جسے اوباش لوگوں نے موقع کا ناجائز فائدہ لے کر لوٹ لیا۔

۲- سال ۱۳۱۴ھ ہجری مطابق ۱۸۹۷ء میں کچھ یورپی صاحبان نے خواہ مخواہ راقم الحروف کے خلاف فریاد داخل کی کہ اس کے کراچی والے گھر کے باہر گندگی موجود رہتی ہے۔ جس پر آخری تحریر نمبر ۶۶۱۶، مؤرخہ ۲۷-اگست ۱۸۹۸ء میں لکھا گیا کہ ”خان بہادر خداداد خان نے اپنے حسن اخلاق، ایمانداری اور اچھی طرح خدمات بجا لانے کی وجہ سے نیک نامی حاصل کی ہے، اس صورت میں اس قسم کی فریاد بغیر کسی سبب کے اس کے خلاف نہیں کرنی چاہئے۔“ گویا یہ فریاد میرے لئے مفید ثابت ہوئی۔

۳- سال ۱۳۱۴ھ ہجری مطابق ۱۸۹۷ء میں قندھار کے سابق والی مرحوم سردار شیر علی خان، جسے کراچی میں پانچ ہزار روپے پینشن ملتی تھی، انتقال کر گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

۴- سال ۱۳۱۵ھ ہجری کے شروع میں اور ۱۸۹۷ء کے آخر میں مسٹر ونکیٹ، ان خدمتگذاریوں کے صلہ میں، جو ان صاحب نے طاعون پھیلنے والے زمانے میں کی تھیں، بمبئی کی وزارت عظمیٰ (چیف سیکریٹری) کے عہدے پر مقرر ہونے کے بعد بمبئی روانہ ہوئے، اور سندھ کی

کمشنری کی ذمیداریاں کراچی کے کلیکٹر مسٹر آر۔جائیلس کے سپرد کر گئے، جب تک آنریبل جیمس صاحب ہندوستان میں پیدا شدہ قحط سالی کے معاملات کو نبٹانے کے بعد واپس آ جائے۔

مسٹر جیمس کا تیسری مرتبہ چارج لینا

سال ۱۳۱۵ھ ہجری مطابق ۱۸۹۸ء میں بمبئی کے گورنر لارڈ سینڈ ہرسٹ صاحب بہادر نے جیکب آباد (سندھ) میں دربار منعقد کیا، جس میں سر فیض محمد خان صاحب بہادر والیء ریاست خیرپور بھی اپنی اولاد اور معزز درباریوں سمیت تشریف آور ہوئے۔ اس دَربار دُربار میں سارے میر صاحبان، اور سارے سندھ کے معزز جاگیردار اور نامور زمیندار مدعو کئے گئے تھے۔ کیونکہ اس دربار میں میر فیض محمد خان صاحب کو لارڈ موصوف کے ہاتھوں ''جی۔سی۔آئی۔اے'' (یعنی ''سر'' کا خطاب ایک تمغہ اور عالی شان جبہ سمیت عطا ہوا۔ اس لئے میر صاحب موصوف بے حد خوش ہوئے۔ قارئین کو یاد ہوگا کہ یہ وہ ہی شاندار خطاب ہے جو میر فیض محمد خان کے والد بزرگوار مرحوم سر میر علی مراد خان کو پچاس برس حکومت کرنے کے بعد اور بہترین اور ہر قسم کی خدمات بجا لانے کے بعد سرکار نامدار کی طرف سے عطا ہوا تھا؛ مگر آنریبل مسٹر جیمس صاحب نے، سر میر فیض محمد خان صاحب کو فقط پانچ برس کی حکمرانی کے بعد لے کر دیا۔ بیشک، یہ ساری ہمت، عقلمندی اور مہربانی آنریبل مسٹر جیمس صاحب بہادر کی تھی، جو ہمیشہ سرکار سے وابستہ لوگوں اور اپنے ماتحتوں کے لئے بھلائی کے خواہشمند رہتے ہیں۔ اس دَربار دُربار کا بندوبست اس خاکسار راقم الحروف کے ہاتھوں ہوا، جس کا پتہ قارئین کو درج ذیل خط و کتابت سے ہوگا:

نمبر ۲۰۴

انگریزی مراسلہ نمبر ۶۴۷، مؤرخہ ۱۶ دسمبر ۱۸۹۸ء (پولیٹیکل ڈپارٹمینٹ) کا تصدیق شدہ ترجمہ

مہربان ڈپٹی کمشنر صاحب اپر سندھ (جیکب آباد) کی طرف۔

اس اطلاع کی نقل بھیجی جا رہی ہے، جو اس سے پہلے مرحوم سر میر علی مراد خان صاحب کو جی۔سی۔آءِ۔ایس کا لقب عطا ہونے کے وقت مہربان کلیکٹر صاحب شکارپور اور پولیٹیکل ایجنٹ صاحب ریاست خیرپور کی طرف سے ملا تھا، اور وہ اطلاع بھی، مراسلہ نمبر ۶۳۴ کے ساتھ جاری مہینے کی ۱۴ تاریخ اس دفتر کی طرف سے بھیجا گیا ہے۔ ان دونوں اطلاعات کو چھپوا کر سب

ضلعی افسروں کی طرف بھیجا جائے، اور جو سردار اور معزز اس دربار میں حاضری کے خواشمند ہوں، ان کے نام مسٹر میکنزی صاحب (ڈپٹی کمشنر) کو بھیجے جائیں۔

(۲) خان بہادر خداداد خان کمشنر صاحب کے دفتر کے بڑے منشی کو حکم دیا جائے کہ مسٹر میکنزی صاحب کے ساتھ رہے، اس کی مدد کرے۔ جو لوگ دربار میں آئیں، ان کو ان جگہوں پر بٹھائے، جو ان کی لیاقت کے مطابق ان کے لئے مقرر کی گئی ہیں۔ مہربان کلیکٹر صاحب شکارپور اور پولیٹیکل ایجنٹ (خیرپور) کو لکھا جائے کہ نو دن کی چھٹی ختم ہونے کے بعد، فوراً اسسٹنٹ کلیکٹر روہڑی اور مجسٹریٹ صاحب شکارپور کو بھیجے کہ وہ یہاں آکر بندوبست کرنے میں مدد کریں۔ جناب گورنر صاحب بہادر بمبئی کی تشریف آوری پر جو بھی خرچ ہو، اس کا حساب پوری خبرداری کے ساتھ رکھا جائے اور ادائیگی کے لئے بل اس دفتر کو بھیجا جائے تاکہ اس کے مطابق ادائیگی کی جا سکے۔

کمشنر صاحب بہادر سندھ کے حکم سے

دستخط

مسٹر جی۔ سلیڈن صاحب اسسٹنٹ کمشنر سندھ

انگریزی مراسلہ نمبر ۵۹ (پولیٹیکل ڈپارٹمینٹ) آفیس کمشنر صاحب (کیمپ جیکب آباد) مؤرخہ ۱۲ جنوری ۱۸۹۸ء کا تصدیق شدہ ترجمہ

ہز ہائینس میر حاجی نور محمد خان حیدرآبادی، کل ۱۳ جنوری ۱۸۹۸ء ۱۲ بجے گورنر صاحب بہادر بمبئی کی ملاقات کے لئے آئیں گے، اور کمشنر صاحب کی کیمپ میں ایک خیمہ میں قیام کریں گے، اور پھر تھوڑی دیر بعد جناب گورنر صاحب، میر صاحب موصوف کی جوابی ملاقات کے لئے آئیں گے، خان بہادر خداداد خان، ہز ہائینس حاجی میر نور محمد خان کے ساتھ کمشنر صاحب کے شامیانے میں آئینگے پھر وہاں سے میر صاحب کو حیدرآباد کے کلیکٹر لے جائیں گے۔

کمشنر صاحب کے حکم سے

دستخط

مسٹر جی۔ سلیڈن صاحب

اسسٹنٹ کمشنر سندھ

جیکب آباد کی دربار کے بارے میں راقم الحروف کو جو حکم جیکب آباد کے ڈپٹی کمشنر صاحب کی طرف سے موصول ہوا تھا، اس کا اختصار کچھ یوں ہے:

میرے دوست خان بہادر خداداد خان!

جیکب آباد کے دربار کا بندوبست کمشنر صاحب بہادر کے حکم کے مطابق آپ کے ذمہ رکھا گیا ہے، اس لئے آپ جنوبی بڑے دروازہ پر خود حاضر رہ کر، اتنی توجہ رکھیں کہ کسی بھی قسم کی کوئی کمی بیشی نہ ہو۔

فقط تاریخ ۱۳ جنوری ۱۸۹۹ء

دستخط

میکنزی صاحب ڈپٹی کمشنر

سرحد سندھ

۶- سال ۱۳۱۵ ہجری مطابق ۱۸۹۸ء میں آنریبل مسٹر جیمس صاحب بہادر کو ''اسٹار آف انڈیا'' (ہندوستان کا ستارہ) کا معزز لقب ملا۔ بیشک، جیمس صاحب سارے ہندوستان میں اپنے ہمعصروں میں گویا کہ ستارہ تھے، اس لئے اسے اس طرح کے بڑے شاندار خطاب سے نوازا گیا۔ اس کے بعد صاحب موصوف ہندوستان میں پیدا شدہ قحط سالی کے باقی ماندہ معاملات کے تصفیہ کے لئے جیکب آباد سے کلکتہ روانہ ہو گیا، اور سندھ کی کمشنری کا انتظام کراچی کے کلیکٹر مسٹر آر۔ جائیلس کے سپرد کر گئے۔

سولہواں کمشنر: مسٹر آر۔ جائیلس صاحب (ایکٹنگ)

سال ۱۳۱۵ ہجری مطابق ۱۸۹۸ء میں کراچی سے جیکب آباد آئے اور سندھ کی کمشنری کی ذمیداریاں سنبھال لیں۔ جیسا کہ یہ صاحب کئی برسوں سے سندھ کے اکثر اضلاع میں ڈپٹی کلیکٹر، شکارپور اور کراچی اضلاع کے کلیکٹر اور اپر سندھ (جیکب آباد) اور تھرپارکر اضلاع کے ڈپٹی کمشنر رہ چکے ہیں اور بہت ہی اچھی طرح حکومت کا کاروبار چلا چکے تھے، اس لئے نہایت ہی ہمت اور عقلمندی سے کمشنری کی ذمہ داریوں کو انہوں نے پورا کیا۔ پہلے مسٹر جی۔ سلیڈن صاحب ان کا اسسٹنٹ تھا۔ جائیلس صاحب نے معمول مطابق جو روزمرہ کے کام سرانجام دئے، ان سے قطع نظر، جو نازک اور بڑے کام کئے یا اس کی ایامکاری میں جو عبرت آموز حالات پیدا ہوئے، یہاں انہیں قلمبند کیا جاتا ہے:

۱- مذکورہ سال (۱۳۱۵ ہجری مطابق ۱۸۹۸ء) میں پھر طاعون کی منحوس بیماری کراچی میں واپس آ گئی اور اتنی شدت سے آئی، کہ گذشتہ برسوں کے مقابلہ میں لوگوں کی شرح اموات

بڑھ گئی۔ اسی صورت حال کے پیش نظر صفائی، رہائش اور کشادگی اور دوادرمل وغیرہ کا ایسا انتظام کیا، جو کراچی کے علاوہ کسی اور شہر میں ایک بھی آدمی نہیں مرا۔ اگرچہ کراچی شہر کے ''پشاوری نانوائیوں'' کے محلے میں فساد جیسے حالات پیدا ہو گئے، مگر وقت کے حکمران (مسٹر جائیلس) کے حسن اخلاق کی وجہ سے اور راقم الحروف کو حالات سدھارنے کا حکم دینے کی وجہ سے، شورش ختم ہو گئی، حالات سدھر گئے اور لوگ راضی ہو گئے۔

۲- ان برسوں میں پھر ''حرفرقہ'' کے شریر لوگوں نے مذکورہ سرحدوں میں گمراہی اور بدکاری پھیلائی (شورش برپا کی)۔ مگر وقت کے حکمران کی اچھی تجاویز اور اچھے بندوبست کی وجہ سے امن امان قائم ہو گیا، اور اس سلسلہ میں پیر شاہ مردان شاہ سے جو مدد لی گئی، اس کا نتیجہ اچھا نکلا۔

مسٹر جیمس کا چوتھی مرتبہ چارج لینا

سال ۱۳۱۵ھ ہجری مطابق ۱۸۹۸ء کے آخر میں پھر آنریبل مسٹر جیمس صاحب قحط سالی کے معاملات سے فارغ ہو کر، دارالحکومت کلکتہ سے کراچی آئے اور کمشنری کے عہدے کی باگ سنبھال لی اور نہایت ہی ہوشیاری اور دانائی سے خلق خدا کی بھلائی کی خاطر، جیسا کہ شروع سے ان کی عادت تھی، کوششیں کرتے رہے۔ ان دنوں مسٹر کینڈل صاحب ان کے اسسٹنٹ تھے، جس نے ان کی خوب مدد کی۔

۱- طاعون کی منحوس بیماری اب پوری طرح دفع نہیں ہوئی تھی۔ مگر آنریبل جیمس صاحب کے آنے کے بعد اس کی اچھی تجاویز سے فوری طور پر دفع ہو گئی۔ بیشک، بزرگوں کا کہنا ہے کہ ''ہر انسان کے قدم میں زمین و آسمان کے مالک (اللہ) کے فضل سے اچھا اثر ہوتا ہے''۔ اگر قارئین کرام کو ناگوار نہ گذرے تو اس بات کی وضاحت کی جائے کہ ''لُب تاریخ'' کے اس مؤلف نے مسٹر جائیلس، آنریبل مسٹر جیمس صاحب اور اپنے عزیز و اقارب اور معزز دوستوں کے باوجود اپنا بنگلہ نہیں چھوڑا اور قدم باہر نہیں رکھا، بلکہ اللہ پر بھروسہ رکھ کر، درود شریف اور تسبیح پاک میں مشغول رہا۔ اللہ کے حکم سے اور تسبیحات کی برکت سے خیریت سے وقت گذر گیا۔ اس طرح سکھر میں میرے جو عزیز و احباب تھے، وہ بھی میرے نقش قدم پر چل کر، گھر سے باہر نہیں نکلے۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ فَاِذَا جَاءَ اَجَلُهُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا یَسْتَقْدِمُوْنَ (یعنی جب ان کی موت آتی ہے تو ایک لمحہ بھی آگے پیچھے نہیں ہوتے)۔ پھر اس آیت مبارکہ کے مصداق اس خاکسار کی جان اور عزیز و احباب کی جان بھی کراچی میں خواہ سکھر میں امن و امان میں رہی۔

۲- آخر میں یہ چند سطور آنریبل مسٹر جیمس صاحب کی خصوصیات کے بیان میں قلمبند کی جاتی ہیں۔ قارئین یہ بات نہایت ہی تعجب اور دلچسپی سے پڑھیں گے:

جیمس صاحب کو جب کاؤنسل کے معزز عہدہ پر مقرر کیا گیا، تو انہوں نے روزمرہ (کمشنری کے عہدہ) کے فرائض معطل کر دیئے۔ یعنی اب انہیں پچھلی ڈیوٹی دینے کی ضرورت نہیں تھی۔ مگر اس کے باوجود جیمس صاحب نے سرکار سے کم تنخواہ پر پندرہ دن رخصت لے کر، چند نازک سرکاری کام، جو رہ گئے تھے، پورے کئے۔ راقم الحروف سترہ کمشنروں کے ماتحت رہ چکا ہے اور ہمیشہ اپنی ڈیوٹی پر موجود رہا ہے، مگر کبھی بھی کسی اعلیٰ عملدار کو ایسا کرتے ہوئے نہیں دیکھا کہ اپنی تنخواہ کا نقصان برداشت کر کے، سرکار کا کام سرانجام دے۔ یہ سرکار سے خیرخواہی کی عجیب مثال ہے۔

۳- سال ۱۳۱۶ ہجری مطابق ۱۸۹۸ء کے شروع میں بمبئی سرکار کو راقم الحروف کے بارے میں سفارش کی گئی کہ اسے "پینشن" کے طور پر ساری تنخواہ خصوصی انداز میں عطا کی جائے، اور اس سفارش میں نہایت ہی خوش اسلوبی سے اور اچھے لہجہ میں اچھے الفاظ اس نے درج کئے اور راقم الحروف کی محنت، ہوشیاری اور سرکاری معاملات میں ۴۵ برسوں سے ایمانداری سے خدمتگذاری وغیرہ کا تذکرہ کیا۔ جیسا کہ یہ سفارشی خط وکتابت "نیم سرکاری" قسم کی تھی، اس لئے اس کا تفصیلی احوال لکھنا اور ہر خط اور جوابی خط کا حوالہ دینا بالکل مشکل ہے، اور نہ ہی راقم الحروف کو اس خط وکتابت کی نقل مہیا کی گئی ہے، جو اس کا تصدیق شدہ ترجمہ پیش کیا جا سکے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قوی امید ہے کہ بلند اخلاقی سے کام لیتے ہوئے اور عمومی بھلائی کا خیال رکھتے ہوئے، راقم الحروف کا تذکرہ اچھے انداز میں کیا گیا ہوگا، جس نے تیس برسوں سے عوامی بھلائی کے کام کرتے ہوئے اور عوام کی نگاہوں کے سامنے اچھا وقت گذارا ہے۔

۴- سال ۱۳۱۶ ہجری مطابق ۱۸۹۸ء کے شروع میں، جب بمبئی کاؤنسل کے معزز عہدہ پر فائز ہونے کے بعد، بمبئی تشریف لے جا رہا تھا، تو کمشنری کی ایوان میں اپنے سارے ماتحت افسروں کے ساتھ تصویر (فوٹو) بنوائی، جس میں خود درمیان میں تشریف فرما ہے۔ کمشنر صاحب کے بنگلہ اور دفتر میں، بلکہ سب زیردست ملازمین کے ہاں اس مبارک تصویر کی کاپیاں موجود ہیں، اور یہ اسے یاد کرنے اور اس کے حق میں دعا کرنے کا ذریعہ ہے۔

۵- سال ۱۳۱۶ ہجری مطابق ۱۸۹۸ء میں تشریف لے جانے کے وقت اپنے سب ماتحت افسروں اور ملازمین کو ان کی کارگذاریوں اور لیاقتوں کے مطابق نیک نامی کے پروانے عطا کئے اور راقم الحروف کو مندرجہ ذیل مضمون پر مشتمل پروانہ دیا:

''خان بہادر خداداد خان کے بارے میں تازہ (بمبئی) سرکار کو (جو کچھ) لکھا گیا ہے (وہ کافی ہے) مزید لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تاہم، یہاں کچھ لکھا جاتا ہے کہ وہ پینتالیس برسوں تک ایمانداری سے (انگریز) سرکار کی بہترین خدمتگذاری کے بعد اب آرام کرنے (پینشن پر جانے) کا ارادہ رکھتا ہے، اور جب جائے گا تو سر بارٹل فریئر صاحب کی حکمرانی کے زمانہ کے راز (یعنی اس وقت سے لے کر آج تک کے راز) اور علم و معلومات کے خزانے کے صندوقچے اپنے ساتھ لے جائے گا۔

جولائی ۱۸۹۸ء۔

دستخط

آنریبل مسٹر جیمس صاحب بہادر

کمشنر سندھ۔

۶- روانگی والے دنوں میں راقم الحروف کو دو ہزار روپوں والی سونے کی تلوار سے نوازا اور ایک تمغہ عطا فرمایا، جس پر انگریزی اور فارسی میں یہ عبارت کنندہ تھی: ''سندھ کے کمشنر صاحب بہادر کی طرف سے، خان بہادر خداداد خان کو اس کے بہترین اور بہت عرصہ تک کی گئی خدمات کی وجہ سے عطا کیا گیا۔ جولائی ۱۸۹۸ مطابق صفر المظفر ۱۳۱۶ ہجری۔''

بیشک، یہ سب کچھ اللہ کے فضل اور اس کی خاص مہربانیوں کا اثر ہے اور آنریبل مسٹر جیمس صاحب بہادر کی شفقت۔ ورنہ راقم الحروف کیا چیز ہے۔ راقم الحروف کو اپنے بارے خود معلوم ہے کہ اس کی قیمت ایک تل جتنی بھی نہیں ہے۔ اگر اللہ کا فضل و کرم یوں ہی جاری و ساری رہا، تو راقم الحروف کی قیمت کا اندازہ ہی نہیں لگایا جا سکے گا۔

۷- سال ۱۳۱۶ ہجری کے شروع میں (سال ۱۸۹۸ء کے وسط میں) جس دن آنریبل مسٹر جیمس صاحب بہادر روانہ ہو رہے تھے، تب مہربانی فرما کر راقم الحروف کے بارے میں اپنے دفتر میں درج ذیل نوٹ چھوڑ گئے:

''میں سندھ میں رہوں یا نہ رہوں، خان بہادر خداداد خان کو، جو اب پینشن پر جانے کا ارادہ رکھتا ہے، اس کی لیاقت، لمبے عرصہ کی ملازمت اور ۴۵ برسوں تک ایمانداری سے بہترین خدمتگذاری کے عیوض تین سو ایکڑ تیسرے نمبر کی جاگیر دی جائے۔''

۸- جیمس صاحب کی روانگی کے وقت کیاڑی کی بندرگاہ پر عام و خاص لوگ اکٹھے ہو گئے تھے، جن میں یورپی، کراچی شہر اور سندھ کے مختلف اضلاع کے باشندے بھی تھے۔ اس موقع پر جیمس صاحب کو الوداعی دعوت دینے کا بندوبست کیا گیا تھا۔ شربت، چائے اور خورد و نوش کا اچھا

انتظام تھا۔ انگریزی بینڈ بجائے جا رہے تھے۔ جیمس صاحب کو جو الوداعی ایڈریس پیش کی گئی، اس میں اس کی کارگذاریوں کا تذکرہ کیا گیا تھا۔ ایسی الوداعی مجلس اس سے پہلے کسی بھی کمشنر کے اعزاز میں منعقد نہیں کی گئی تھی۔ جیمس صاحب کشتی پر سوار ہونے سے پہلے بڑی خوشی سے سب سے ہاتھ ملا کر رخصت ہوئے۔ راقم الحروف سے بھی بڑی خوشی سے ہاتھ ملا کر رخصت ہوئے، کیونکہ مجھ پر بہت ہی مہربان تھے۔ رخصت ہونے کے وقت بے اختیار میرے منہ سے یہ اشعار نکل گئے:

بہر جا کہ باشی خدا یار تو،
خداوند گیتی نگہدار تو۔
(تو جہاں بھی ہو، اللہ تمہارا مددگار ہو،
اور زمانہ کا مالک (اللہ) تیرا نگہبان ہو)۔

سچ مچ میں نے یہ اشعار خوشامد کے طور پر نہیں دہرائے، بلکہ بے اختیاری کے عالم میں میرے منہ سے نکل گئے۔

مسٹر جائیلس تیسری مرتبہ ایکٹنگ کمشنر بنا

اسی سال (۱۳۱۶ھجری مطابق ۱۸۹۸ء میں) مسٹر آر۔ جائیلس تیسری مرتبہ سندھ کا ایکٹنگ کمشنر بنا۔ یہ عملدار جیسا کہ بہت ہی ہوشیار اور سندھ کے حالات سے اچھی طرح باخبر تھا، اس لئے بڑی ہوشیاری سے سرکاری معاملات اور روزمرہ کا دستوری کاروبار چلانا شروع کیا۔ اس کے اسسٹنٹ شروع میں کینڈل صاحب، پھر مسٹر ریو صاحب اور اس کے بعد مسٹر وان صاحب تھے۔ ان کی ایامکاری میں جو اہم کام ہوئے یا عجیب و غریب حالات پیدا ہوئے، وہ یہاں درج کئے جاتے ہیں:

۱- مذکورہ برس (۱۳۱۶ھجری مطابق ۱۸۹۸ء) میں کراچی کے ان باشندوں اور سرکاری ملازمین کو لونگیاں اور گھڑیاں انعام طور دی گئیں، جنہوں نے پلیگ کے منحوس بیماری کے وقت مدد کی تھی۔
بیشک، ہر کہ خدمت کرد، او مخدوم شد۔

۲- اُسی سال، آنریبل مسٹر جیمس صاحب کے نوٹ ملاحظہ کرنے کے بعد، جو راقم الحروف کو تین سو ایکڑ زمین دینے کے بارے میں تھا، بمبئی سرکار کو سفارش کی۔ اس سلسلہ میں اپنے کریمانہ اوصاف کے سبب از راہ مہربانی جو مشفقانہ الفاظ اس نے لکھے، قارئین کو ان کا علم درج ذیل خط سے ہوگا، جو بمبئی سرکار کو اس نے بھیجا تھا:

مراسلہ نمبر ۱۳۱۶، مؤرخہ ۲۲ اکتوبر ۱۸۹۸ء کا تصدیق شدہ ترجمہ، جو سندھ کے ایکٹنگ کمشنر مسٹر جائیلس صاحب بمبئی سرکار کو لکھا

پولیٹیکل ڈپارٹمنٹ
نمبر ۱۳۱۶
تاریخ ۲۲ اکتوبر ۱۸۹۸ء۔

جناب عالی!

آنریبل مسٹر جیمس صاحب اپنے دفتر میں جو نوٹ چھوڑ گئے ہیں، اسے ملاحظہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا ارادہ یہ تھا کہ سرکار کو سفارش کرے، کہ سندھ کے کمشنر کے دفتر کے بڑے منشی خان بہادر خداداد خان، جو جلد پینشن پر جانے کا ارادہ رکھتا ہے، اسے تین سو ایکڑ تیسرے درجہ کی جاگیر عطا کی جائے۔ یہ زمین اسے تعلقہ سکھر ضلع شکارپور میں دی جانی چاہئے، کیونکہ خان بہادر موصوف نے پوری پوری دیانتداری اور ایمانداری سے سرکار کی خدمت کی ہے اور ابھی تک کر رہا ہے۔

(۲) خان بہادر خداداد خان کی بہترین خدمات کا احوال کئی مرتبہ کئی کمشنر صاحبان نے وقت بوقت سرکار کی توجہ پر لاتے رہے ہیں، اس لئے ان باتوں کو بار بار دہرانے کی اتنی ضرورت نہیں ہے۔ اگر اس کی ساری کارگذاریاں قلمبند کی جائیں گی، تو دفتر بھر جائیں گے۔ اس لئے اس سے متعلق جو استدعا کی گئی ہے، وہ اس کے لائق بھی ہے اور حقدار بھی۔

(۳) خان بہادر خداداد خان، آنجہانی سر ولیم صاحب ویدر صاحب کے ماتحت، کئی نازک سیاسی معاملات سے تعلق رکھتا آیا ہے، اور میری ویدر صاحب نے اس کے بارے میں مندرجہ ذیل نوٹ لکھا ہے۔ سال ۱۸۷۶ء کی اس رپورٹ میں، جو اس نے ہندوستان کی سرکار کو بھیجی تھی اور جس میں خان بہادر خداداد خان کو نیک نامی کا پروانہ دینے کے لئے بھی لکھا تھا، میری ویدر صاحب نے لکھا تھا کہ:

یہ منشی (خان بہادر خداداد خان) بہت عرصہ سے سرکار کی بہترین خدمات کرتا رہا ہے۔ یہ شخص پہلی دفعہ سر ایف۔ جی گولڈ اسمڈ صاحب کے ساتھ سال ۱۸۵۸ء میں جیسلمیر اور پوکران کی طرف گیا تھا، اور سال ۱۸۶۱ء میں اِسی صاحب کے ساتھ ایک خاص خدمت کے سلسلہ میں مکران

کے ساحل سے گذر کر، آگے گیا تھا، اور ان دونوں خاص خدمات کے لئے اسے منتخب کیا گیا تھا۔ جس زمانہ میں مسٹر ایس۔ مینسفیلڈ صاحب خلیج فارس اور دجلہ کے لئے خان بہادر خداداد خان کو ہی اپنے ساتھ لیا تھا۔ مسٹر ہیولاک صاحب، جو اس سے پہلے کمشنری کے عہدہ پر فائز تھے، خان بہادر خداداد خان کو اس کی اچھی خدمات کے سبب ایک تلوار انعام میں دی تھی۔ خان بہادر خداداد خان نے کئی مرتبہ فارسی، عربی، مکرانی اور بلوچی زبانوں کے مترجم کی حیثیت سے کام کیا ہے۔ علاوہ ازیں یہ شخص کراچی کی ممتحن جماعت کا رکن بھی ہے، جو محکمۂ تعلیم کے ماتحت ہے، اور دیگر کئی اہم سیاسی معاملات میں بڑا حصہ لیتا رہا ہے، جن کے اظہار کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔ ان باتوں کے پیش نظر میرا خیال ہے کہ خداداد خان کے لئے نیک نامی کے پروانہ دینے کی جو تجویز پیش کی گئی ہے، اس پر عمل کیا جائے، کیونکہ وہ بلکل لائق اور اس کا حقدار ہے۔'' اس کے بعد جب سر ولیم میری صاحب سندھ سے جانے لگے، تو اسے ایک اچھی ولایتی تلوار انعام طور دے کے گئے تھے۔

(۴) سال ۱۸۶۶ء میں مسٹر میلول صاحب کچھ اس طرح سے لکھا تھا:

''مجھے منشی خداداد خان کے بارے میں یہ نوٹ لکھتے ہوئے، بے حد خوشی ہو رہی ہے کہ وہ بڑا ذہین منشی اور ایک بہترین ورکر ہے۔ وہ سفر سے خواہ سخت کاموں سے نہیں تھکتا۔ اس کی خدمات نہایت ہی مفید ہیں بہ نسبت ہندو منشیوں کے، جو بالکل بے کار ہیں۔ یہ شخص ایک سفر میں، جو بلکل دشوار تھا، کرنل گولڈ اسمڈ صاحب کے ساتھ مکران گیا تھا، اور پھر کمشنر صاحب (گولڈ اسمڈ) اور میرے ساتھ خلیج فارس اور بغداد کو چلا تھا۔ اس کے بعد ہمارے ساتھ سندھ کے مغربی پہاڑوں کی طرف چلا اور وہاں اس نے ہمارے ساتھ پانچ مہینے گذارے اور ان دنوں کمشنر کے دفتر کے سارے معاملات بھی اچھی طرح سے نبٹائے۔ اگرچہ ان معاملات کی سرانجامی میں اسے بڑی تکالیف پہنچیں، مگر اس نے انہیں انتہا درجہ کے صبر، تحمل اور عقلمندی سے برداشت کر کے، خود کو سرخرو کیا۔

(۵) سال ۱۸۸۱ء میں مسٹر ارسکین صاحب نے اس کے لئے سفارش کی کہ اسے ایکسٹرا اسسٹنٹ کلکٹر مقرر کیا جائے، اور اس سفارش میں لکھا کہ:

''خان صاحب خداداد خان ۱۸۵۳ء سے سرکاری ملازمت میں داخل ہوا ہے اور سب عملداروں (کمشنروں) کے ماتحت، منشی کی حیثیت سے خدمات بجا لائی ہیں، اس کی بے حد تعریف کی ہے۔ سال ۱۸۵۵ء میں سر ایف۔ جی گولڈ اسمڈ صاحب کے ماتحت جاگیری اور سیاسی کام کرتا رہا۔ اس کے بعد خاص خدمات کے سلسلہ میں اس کے ساتھ مل کر مکران اور جیسلمیر کو

گیا۔ سر ایف۔ جی گولڈ اسمڈ صاحب سر لیوس پیلی صاحب، سر ہنری گرین صاحب، مسٹر ہیولاک صاحب، مسٹر میلول صاحب اور سر ولیم میری ویدر صاحب نے اس کی اچھی عادات، اچھی روش اور بہترین خدمت کی تعریف کی ہے اور اسے اضافہ دینے کے لائق ٹھہرایا ہے۔ سال ۱۸٦۸ء میں اسے حسن خدمت کی وجہ سے دربار عام میں ایک عمدہ تلوار انعام کے طور پر دی گئی، اور سر ولیم میری ویدر صاحب نے سندھ سے روانگی کے وقت اس کے لئے یہ نوٹ چھوڑا تھا۔ ''میں بے حد خوش ہوتا، اگر اسے (خداداد خان کو) کسی بڑے منصب پر اچھی تنخواہ لیتا ہوا دیکھتا۔ مگر بدقسمتی سے مجھے ایسا کوئی موقع نہیں مل سکا؛ اس لئے میں پوری سچائی سے یہ ذمہ داری اپنے جانشین پر رکھ کر جا رہا ہوں۔''

(٦) سال ۱۸۸۳ء میں خان بہادر خداداد خان کو (ان دنوں اسے کوئی بھی لقب نہیں ملا تھا) ایک خاص خدمت سپرد کی گئی یعنی سندھ کی جاگیروں کی تاریخ کی تیاری، اس لئے اسے پرانے فارسی رکارڈ سے پوری پوری اور بااعتماد واقفیت ہے۔

(۷) سال ۱۸۸۸ء میں اسے ''خان صاحب'' کا لقب دیا گیا۔ اس وقت (۲ اگست ۱۸۸۸ء) سر چارلس پرچرڈ صاحب (کمشنر سندھ) نے کہا کہ ''خان صاحب خداداد خان سرکار کا پرانا ملازم ہے۔ اس کی ملازمت ۳۵ برسوں کے عرصہ سے زیادہ ہے اور اس کی ملازمت کا زیادہ عرصہ کمشنر صاحب کے دفتر میں گذرا ہے۔ جوانی کے زمانے میں کچھ سیاسی معاملات کے سلسلے میں اچھا خاصا سفر ہے۔ ان میں سے کچھ معاملات ایسے بھی تھے، جن میں اس کی زندگی کو نقصان لاحق ہوسکتا تھا۔ ان باتوں سے قطع نظر، مجھے اس کی گذشتہ ملازمت کے بارے میں انتہا درجہ کی خوشی ہو رہی ہے (جب میں دیکھتا ہوں) کہ اس کے ہاتھوں کیسے کیسے نازک کام سرانجام ہوئے ہیں۔ حالانکہ اس کا واسطہ فقط سیاسی امور سے تھا۔ ملکہ معظمہ اور قیصرۂ ہند (وکٹوریہ) کے جبلی کے زمانہ میں اسے یہ لقب دینے کے لئے درخواست کی گئی تھی۔ لیکن اس لقب کا انعام، اس کا آخری انعام نہیں تھا، کیونکہ اس کی خدمات کا سلسلہ (ملازمت) ابھی جاری ہے۔ یہ انعام محض ایک علامت ہے اس کی لمبی اور بہترین خدمات کے اعتراف کی۔

(۸) سال ۱۸۹۲ء میں آنریبل مسٹر جیمس صاحب نے سرکار سے سفارش کر کے، اسے ''خان بہادر'' کا خطاب اس لئے دلوایا تھا، کیونکہ وہ بڑے عرصہ تک (کمشنر کے دفتر میں رہنے کی وجہ سے سندھ کے معززین سے اچھی طرح سے واقف ہے اور وہ لوگ، جو کمشنر کے دفتر میں آتے رہتے ہیں، ان کی شرافت، لیاقت اور ان کی خدمتگذاریوں کی معلومات رکھتا ہے اور ایسے نازک امور سے باخبر کرنے کی وجہ سے کمشنر کے دفتر میں اس کا رہنا بے حد قیمتی ہے، اتنا قیمتی، کہ اس کا اندازہ لگانا ناممکن ہے۔

(۹) ۱۸۹٦ء کے اپریل کے آخر میں آنریبل مسٹر جیمس صاحب نے ایک ارادہ کیا تھا، جو اس نے سرکار کو بروقت لکھنا مناسب نہیں جانا، لیکن اس کے متعلق اس نے اپنے دفتر میں نوٹ چھوڑا کہ ''جب خان بہادر (خداداد خان) پینشن پر جائے، اور اس وقت، میں سندھ کا کمشنر نہ رہوں، تو بھی اس کی ایمانداری اور بہترین خدمتگذاری کی وجہ سے، جو نہایت ہی مفید ثابت ہوئی ہیں، وہ خاص انعام کا لائق اور حقدار ہے، بشرطیکہ آخر تک اسی طرح نوکری کرتا رہے، جس طرح اس وقت تک کرتا رہا ہے''۔ پھر جولائی ۱۸۹۸ء میں اپنے دفتر میں یہ نوٹ چھوڑا کہ ''خان بہادر خداداد خان جب پینشن پر جائے، تو سر بارٹل فریئر صاحب کے حکمرانی کے زمانے کا راز (یعنی اس وقت سے لے کر آج تک کے راز) اور علم و معلومات کے خزانے کے صندوق اپنے ساتھ لے جائے گا''۔

(۱۰) ان باتوں کی میں امید رکھتا ہوں کہ بمبئی سرکار، ہند سرکار سے سفارش کرے گی، خان بہادر خداداد خان کو جاگیر دینے کے بارے میں، جس کی سفارش یہاں کی گئی ہے۔ اس سے پہلے بھی خان بہادر فیض محمد خان ڈپٹی کلیکٹر کو جاگیر دی گئی تھی، جب اس نے پینشن لی تھی۔ ملاحظہ ہو سرکار کا حکم نمبر ۵۱۸٦، مؤرخہ ۲۳ فروری ۱۸۹۲ء۔

(۱۱) خان بہادر فیض محمد خان کی ملازمت کا عرصہ ۳٦ برس تھا، اور خداداد خان کا ۴۵ برس ہے۔ فیض محمد خان کو ایک ہزار ایکڑ جاگیر عطا کی گئی تھی اور خداداد خان کے لئے میں فقط تین سو ایکڑ کی سفارش کر رہا ہوں، اور ویسے بھی مجوزہ زمین اس کے قبضہ میں ہے۔

(۱۲) میں امید کرتا ہوں کہ بمبئی سرکار میری تجویز کو پسند کر کے، ہند سرکار سے سفارش کرے گی۔

دستخط
آر۔ جائیلس
ایکٹنگ کمشنر سندھ

۵- سال ۱۳۱٦ ہجری مطابق ۱۸۹۸ء کے آخر میں (مسٹر جائیلس) کراچی سے مختصر عملہ ساتھ لے کر نکلے اور سندھ کے اکثر اضلاع کا دورہ کیا۔ پہلے وہ نوشہرو فیروز میں پہنچے۔ سارے ضلع کے دیہات اور گھر اپنی آنکھوں سے دیکھے اور ہر چیز آباد، غیر آباد، تھور، نہری پانی اور کنوؤں وغیرہ کے پانی کا معائنہ کرنے کے بعد، سرکاری محصول بست کرنے سے متعلق تجاویز تیار کیں۔ پھر سکھر اور شکارپور گئے اور وہاں بھی اِسی طرح کی تجاویز تیار کیں۔ یہ ساری محنت اور

کوشش رعایا کی بھلائی کی خاطر، جو خالق اکبر کی مخلوق ہے، خود پر ہموار کی۔ راقم الحروف، جو سب کمشنر صاحبان کے ساتھ سفر میں رہتا آیا ہے، کسی بھی کمشنر کو اس طرح سے جفاکش اور محنتی نہیں دیکھا، سوائے ایک کمشنر مسٹر جیمس صاحب کے، جب وہ روہڑی گیا تو وہاں رہ کر، روہڑی تحصیل کے دیہاتوں کا بلکل اسی طرح ہی معائنہ کیا اور اسی طرح سرکاری محصول مقرر کئے۔ ورنہ بڑے عملدار (کمشنر) جو گویا کہ سندھ کے بادشاہ تھے، اپنے تئیں اتنی محنت و مشقت کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ (حقیقت یہ ہے کہ) خدا ترسی، نیک نیتی اور رعایا پروری کا راز ہی اس طرح کی محنت اور مشقت میں مضمر ہے (جس طرح جیمس صاحب اور جائیلس صاحب نے کی) اور حاکموں پر رعایا کا اس طرح کا حق بھی ہے، جو انہیں ادا کرنا ہے۔

۶- سال ۱۳۱۶ ہجری مطابق ۱۸۹۹ء کے شروع میں طاعون کی بیماری کراچی شہر پر تیسری مرتبہ حملہ آور ہوئی۔ جائیلس صاحب نے اس منحوس بیماری کے مقابلہ اور خاتمہ کے لئے خوب کوشش کی اور بہت زبردست تدابیر کیں، اس لئے یہ بیماری کراچی شہر سے باہر نکل کر سندھ کے دوسرے شہروں میں نہیں پھیلی۔ البتہ کراچی میں لوگوں کی نقل مکانی کی وجہ سے انہیں تکالیف اٹھانی پڑیں اور پیسہ بھی خرچ ہوا، مگر ان کی صحت اور زندگی بچ گئی، اور حکمرانوں کا اصل مقصد بھی یہی تھا۔

آنریبل جیمس صاحب کا پانچویں مرتبہ چارج لینا

۲۷- ۱۳۱۶ ہجری مطابق ۶ اپریل ۱۸۹۹ء بامبے کاؤنسل کی رکنیت سے فارغ ہونے کے بعد کچھ دن ہندوستان کے بڑے شہروں کی سیر و سیاحت کی اور وہاں کی عجیب و غریب چیزیں دیکھ کر، ریل گاڑی کے راستے کراچی آئے اور کمشنری بنگلے کو اپنی قیام پذیری سے رونق بخشی۔ اس موقع پر ایکٹنگ کمشنر مسٹر آر۔ جائیلس صاحب، جیمس صاحب کی شخصیت کی اہمیت کے سبب کراچی شہر کے اکثر معززین مثلاً یورپین (جو کراچی میں رہتے ہیں) پارسیوں، مسلمانوں اور ہندوؤں کو دعوتنامے بھیج کر، کمشنر صاحب کے بنگلہ کے ایوان میں ایک شاندار جلسہ منعقد کیا، جس میں ہر قسم کے کھانے پینے، میوہ، مٹھائی، برف اور شربت وغیرہ کا بندوبست کیا ہوا تھا۔ اگرچہ راقم الحروف بھی دستوری دعوتنامہ کے ذریعہ مدعو تھا، تاہم مسلمانوں کو کھلانے پلانے کا سارا انتظام راقم الحروف کے ہاتھ میں تھا۔ یہ ایک اچھی مجلس تھی۔ اس موقع پر مسٹر جائیلس صاحب اپنے اسسٹنٹ مسٹر وان صاحب اور راقم الحروف سمیت دروازہ پر موجود تھے اور دعوت میں آنے والے معزز مہمانوں کا جیمس صاحب سے تعارف کروا رہا تھا۔ سارے مہمان نہایت ہی خوش ہوئے اور خورد و نوش،

انگریزی ساز سننے اور دیگر عجیب و غریب تماشہ دیکھنے کے بعد سات بجے شام کو اپنے گھروں کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ دلی محبت کا ایک شاندار مظاہرہ تھا، جو اس مجلس میں کیا گیا۔

۱- ذیقعد ۱۳۱۶ہجری کی آخری تاریخ مطابق ۱۲ اپریل ۱۸۹۹ء تھی، کراچی کے فریئر ہال میں ایک بہت ہی بڑا جلسہ منعقد ہوا، اس مقصد سے کہ، سندھ کے باشندوں کو یہ بات اچھی طرح ذہن نشیں رہے کہ آنجہانی سر بارٹل فریئر صاحب سال ۱۲۶۸ہجری مطابق ۱۸۵۱ء سے سال ۱۲۷۶ہجری مطابق ۱۸۵۹ء تک سندھ کی کمشنری کے عہدہ پر فائز تھے اور انہوں نے اپنی ایامکاری میں سندھ کی بہبود، تعمیر اور ترقی کے لئے بہت ہی اچھے کام اور نہایت ہی اچھے بندوبست کئے، جن میں سے کئی ایک کا احوال اوپر ان کے دور حکومت کے تذکرہ میں کیا گیا ہے، اور اپنے سرکاری فرائض کی ادائیگی کا عرصہ پورا کرنے کے بعد ولایت گئے اور وہاں راہ ربانی لی۔ اس موقع پر فریئر صاحب کی اہلیہ محترمہ نے ان کی ایک خوبصورت قدآدم تصویر فریئر ہال میں یادگار کے طور پر رکھنے کے لئے بھیجی۔

۲- آنریبل جیمس صاحب بہت ہی داناء اور اس طرح کی تقریبات منعقد کرنے کے شائق ہوا کرتے تھے۔ اس لئے ان معزز لوگوں کو بھی، جو فریئر صاحب کو پہچانتے تھے، کراچی کے ایکٹنگ کلیکٹر مسٹر جی۔سلیڈن صاحب کی معرفت کراچی میونسپالٹی کے طرف سے دعوتنامہ ارسال کر کے، مدعو کیا اور اس یادگار تقریب میں سب معزز مہمانوں کو کرسیوں پر بٹھایا، جسے جھنڈیوں سے سجایا گیا تھا۔ آنریبل جیمس صاحب، ایکٹنگ کمشنر جائیلس صاحب، کچھ معزز یورپی اور نامور شخصیات کے ساتھ ڈائیس پر بیٹھے، جو دیگر حاضرین کی نشست گاہ سے دو ہاتھ اونچی بنائی گئی تھی۔

پھر جیمس صاحب نے اٹھ کر، حاضرین مجلس سے خطاب کیا اور آنجہانی فریئر صاحب کی کارگذاریوں کی تعریف کی۔ فریئر صاحب کے ساتھ جن لوگوں کی دوستی اور جان پہچان تھی، ان کا تذکرہ بھی کیا اور ان کے نام لئے جانے کے وقت راقم الحروف کا نام بھی لیا۔ جیمس صاحب جس وقت تقریر کر رہے تھے، اس وقت راقم الحروف ان کے بلکل قریب اور ان کی آنکھوں کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔ راقم الحروف، فریئر صاحب کو اچھی طرح جانتا تھا اور اس کے ماتحت کئی خدمات سرانجام دیں تھیں۔ اس لئے جیمس صاحب نے راقم الحروف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے، کہا کہ خان بہادر، جو یہاں حاضر ہے اور میرا پرانا دوست ہے، آنجہانی فریئر صاحب کی حکمرانی کے زمانے سے لے کر اس وقت تک بڑا منشی ہے اور پینتالیس برسوں سے لے کر بہت ہی اچھی طرح ملازمت کر رہا ہے۔

جیمس صاحب کے بعد دیگر صاحبان نے بھی تقاریر کیں اور پھر فریئر صاحب کی اہلیہ کی

بھیجی ہوئی تصویر، فریئر ہال کی دیوار پر لگانے کے بعد جلسہ برخاست کیا گیا۔

یہ جلسہ منعقد کرنے کے سلسلے میں معزز لوگوں کے نام دینے اور انہیں دعوتنامہ بھیجنے میں راقم الحروف سے مدد لی گئی (ملاحظہ ہوں اپریل ۱۸۹۹ء کی انگریزی اخبارات)۔

۳- پہلی ذوالحج ۱۳۱۶ھ ہجری مطابق ۱۳ اپریل ۱۸۹۸ء پانچ بجے شام کو جیمس صاحب نے سب زیردست افسروں کو کمشنری میں بلوایا، ان میں سے معززین سے الوداعی ہاتھ ملایا، جن میں راقم الحروف بھی شامل تھا، اور باقی ملازمین کو زبان سے "خدا حافظ" کہہ کر گھوڑا گاڑی پر سوار ہوکر، کیماڑی کی طرف روانہ ہوگیا اور کیماڑی کی بندرگاہ کو رونق بخش کر، مزید رونقدار بنایا۔ اگرچہ راقم الحروف سے پہلے ہاتھ ملا کر خدا حافظ کہہ چکا تھا، تاہم راقم الحروف، جو اس کی مروت اور شفقت کے سبب اس کا ممنوں ہے، اپنے گھوڑے کو اس کی گھوڑا گاڑی کے پیچھے لاکر، دیگر یورپی اور سندھی معززین کے ساتھ اسے دوبارہ خدا خافظ کہا۔ سندھ کے باشندے جیسا کہ اس کی حسن سلوک کی وجہ سے اس کے احسانمند تھے، اس لئے اس پر پھول برسا کر اسے بہت خوش کیا، اور راقم الحروف نے بھی سب معززین کے روبرو بڑے اشتیاق اور جوش وخروش سے یہ اشعار پڑھے:

بسفر رفتنت مبارکباد،
بسلامت روی و باز آئی۔

(خدا کرے، تیرے سفر پر روانگی مبارک ثابت ہو،
خیریت سے جاؤ اور خیریت سے آؤ)۔

بیشک، ایسا رعیت نواز، زیردستوں پر مہربان اور عوام کے ساتھ اتنی مروت اور خوش خلقی سے پیش آنے والا کوئی اور نہیں ہوسکتا۔ سردست وہ (جیمس صاحب) سر چارلس الیونٹ صاحب کی جگہ پر بامبے کاؤنسل کا ایکٹنگ میمبر مقرر ہوئے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے قوی امید ہے کہ وہ اس دلپسند عہدہ پر مستقل طور فائز رہیں گے۔ (آمین ثم آمین)۔

مسٹر جائیلس چوتھی مرتبہ ایکٹنگ کمشنر بنا

۱- ذوالحج ۱۳۱۶ھ ہجری مطابق مئی ۱۸۹۸ء میں حضرت پیر بابرکت مولانا و مرشدنا مرحوم پیر غلام محی الدین صاحب جیلانی علیہ الرحمت نے رانی پور (ریاست خیرپور) میں رحلت فرمائی (انا للہ و انا الیہ راجعون)۔ پیر صاحب موصوف سندھ میں مقیم جیلانیوں کے سردار تھے۔ ان کا جانشین ان کے بڑے فرزند پیر محمد صالح شاہ صاحب ہوئے اور اپنی آبائی مسند پر رونق افروز ہوئے۔

۲- رواں سال (۱۳۱۶ھ ہجری مطابق ۱۸۹۹ء) میں بمبئی سرکار کی طرف سے اس

سفارش کا جواب موصول ہوا، جو راقم الحروف کے پینشن سے متعلق تھی اور جس کا احوال اوپر آنریبل جیمس صاحب بہادر کی کارگذاریوں میں بیان کیا گیا ہے، کہ سرکار نامدار کے جاری کردہ قانون کے مطابق ضروری ہے کہ جس وقت سرکاری ملازم، سرکاری ملازمت سے رٹائر ہو، اس وقت اس کے حقوق اور خدمات پر نظر کی جائے۔

۳- محرم الحرام سال ۱۳۱۷ہجری مطابق جون ۱۸۹۹ء میں راقم الحروف نے سرکاری خدمات اور ملازمت سے سبکدوشی (رٹائرمنٹ) کی درخواست کی، اس لئے مسٹر جائیلس صاحب ایکٹنگ کمشنر دوبارہ پینشن کے بارے میں سفارش کی، جو اس کی پہلی سفارش سے بہتر، بلکہ بہت بہتر تھی اور اس میں اتنے قوی اور مضبوط دلائل اس نے دئے، جو کسی بھی طرح پینشن میں ذرہ بھر کمی بھی نہیں ہوئی۔ سندھ میں اور سندھ سے باہر کی گئی خدمات کی نشاندہی کی اور لکھا کہ اگر خان بہادر خداداد خان پندرہ سال پہلے پینشن کے لئے درخواست کرتا تو سرکار کو بہت رقم دینی پڑتی۔
راقم الحروف کو اگرچہ اس سفارشی تحریر کی نقل نہیں دی گئی، تاہم جائیلس صاحب کی مردم شناسی اور سیاست سے امید ہے کہ بہت ہی اچھا لکھا ہوگا، جو بہت عرصہ سے اس خاکسار راقم الحروف کو جانتا ہے اور اللہ سے بڑی امید ہے کہ اس سفارش، جو خاص سفارش ہے، مفید ثابت ہوگی۔

۴- جمادی الآخر ۱۳۱۷ہجری مطابق اکتوبر ۱۸۹۹ء کے آخر میں ہندوستان کی سرکار نامدار کی طرف سے بمبئی سرکار کی معرفت دوپشتی جاگیر یعنی تیسرے درجے کی جاگیر کی رضامندی پہنچی، جس کا تذکرہ اوپر کیا جا چکا ہے۔ سرکار نامدار کا حکم نامہ بالکل اس سفارش کے مطابق ہے، جو ایکٹنگ کمشنر صاحب نے کی تھی، بلکہ حکم نامہ میں مہربانی فرما کر یوں بھی لکھا تھا کہ ''خان بہادر خداداد خان کے لئے اس کی گوناگوں خدمات کی وجہ سے، جو سندھ میں اور سندھ سے باہر اس نے بجا لائی ہیں اور اس کی سچائی اور لمبی ملازمت کی وجہ سے، جو پینتالیس برس اس نے کی ہے، خصوصی اجازت دی جاتی ہے مگر اس کے بعد کسی بھی افسر کو جاگیر دئے جانے کی سفارش نہ کی جائے۔

سرکار کا فیصلہ، جو راقم الحروف کو ملا ہے، اس کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔
جاگیر کی رضامندی آتے ہی سندھ کے کمشنر کی طرف سے مسٹر وان صاحب کے دستخط سے مبارکباد کا درج ذیل خط موصول ہوا۔

میرے پیارے خان بہادر!
شاید آپ کو اطلاع ملی ہوگی کہ سرکار کی طرف سے تین سو ایکڑ جاگیر کی رضامندی آ

گئی ہے۔ اس لئے ایکٹنگ کمشنر مسٹر آر۔ جائیلس صاحب آپ کو مبارکباد کہتے ہیں۔ امید ہے کہ ہمارا دوست خوش ہوگا۔

۱۰ اکتوبر ۱۸۹۹ء

آپ کا مخلص دوست

جی۔ پی اون اسسٹنٹ کمشنر

علاوہ ازیں کئی مخلص اور گہرے دوستوں کی طرف سے بھی، جن میں یورپی بھی شامل ہیں اور سندھی بھی، مبارکباد کے خطوط ملے، جن کے نام طوالت کے اندیشہ کی وجہ سے درج نہیں کئے جا رہے۔

جاگیر کی رضامندی سے متعلق انگریزی حکم نامہ کا ترجمہ

منتخب فقرہ: نمبر پہلا اور تیسرا: بمبئی سرکار کے مراسلہ نمبر ۲۲، مؤرخہ ۶ جنوری ۱۸۹۹ء میں سے، جو ہند سرکار کے امور خارجہ سیکریٹری صاحب (وزیر) کو بھیجا گیا۔

(فقرہ پہلا): مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ہند سرکار کی توجہ مبارک سندھ کے کمشنر صاحب کے مراسلہ نمبر ۹۳۸، مؤرخہ ۱۲ اکتوبر ۱۸۹۸ کی طرف مبذول کرواؤں، جس میں درج ہے کہ خان بہادر خداداد خان، جو اس کے دفتر کا بڑا منشی ہے اور اب ملازمت سے سبکدوشی کا ارادہ رکھتا ہے، اس کی قابل قدر ملازمت کی وجہ سے، جو پینتالیس برسوں سے زیادہ عرصہ تک جاری رہی ہے، اسے تین سو ایکڑ رعیتی زمین، جو تحصیل سکھر ضلع شکارپور میں ہے، عطا کی جائے اور جواب بھی اسی کے نام ہے۔

(فقرہ تین): میں کمشنر صاحب کی تجویز کو غور میں لاتا ہوں، جو خان بہادر فیض محمد ولد دھنی ڈنہ سابق ڈپٹی کلیکٹر ضلع تھرپارکر کے بارے میں تھی کہ اسے اسی ضلع کے اندر ایک ہزار ایکڑ غیر آباد زمین دی گئی تھی۔ یہ تجویز ہند سرکار کے روینیو اور ایگریکلچرل محکموں کی طرف سے جاری کردہ احکام نمبر ۱۳۲، اور ۱۱۱۸ مؤرخہ ۷ جون ۱۸۹۲ کے تحت منظور کی گئی تھی۔ اس مثال کو مدنظر رکھ کر، کمشنر صاحب نے سفارش کی ہے کہ اگر یہ جاگیر منظور کی گئی تو تیسرے درجہ کی دستوری جاگیری شرائط کے مطابق منظور کرنے میں آئے، یعنی پہلے شخص کو (جسے جاگیر دی جا رہی ہے) محصول معاف کیا جائے۔ دوسرے شخص سے (اس کی اولاد سے) محصول کا چوتھا حصہ لیا جائے اور اس کے بعد جیسے مناسب ہو ویسے ہی کیا جائے۔ یہ زمین حقاب کے سب لوازمات کی ادائیگی سے معافی کے لائق ہوگی۔

منتخب فقرہ پہلا: مراسلہ نمبر ۸۸۱ اور ۸۹۲، مؤرخہ ۲۵ اپریل ۱۸۹۹ء میں سے، جو ہند

سرکار کے روینیو اور ایگریکلچرل محکموں کے سیکریٹری (وزیر) بمبئی سرکار کے پولیٹیکل سیکریٹری (وزیر) کو بھیجا:

مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مراسلہ نمبر ۳۲، مؤرخہ ۶ جنوری ۱۸۹۹ء کی رسید بھیجوں، جو محکمۂ امور خارجہ کو لکھا گیا تھا، اور جس میں سفارش کی گئی تھی، کہ خان بہادر خداداد خان کمشنر سندھ کے دفتر کا بڑا منشی، جو عنقریب ملازمت سے سبکدوش ہو کر، پینشن پر جانے والا ہے، اسے تین سو ایکڑ رعیتی زمین جاگیر کے طور پر دی جائے، جو اس وقت تحصیل سکھر اور ضلع شکارپور میں اس کے نام ہے، کیونکہ اس نے پینتالیس برسوں سے زیادہ عرصہ تک ملازمت کی ہے، جو نہ صرف لمبے عرصہ والی ملازمت ہے، لیکن نہایت اچھی اور نہایت مفید بھی۔ یہ سفارش منظور کی جاتی ہے، اور یہ بھی منظور کیا جاتا ہے کہ یہ زمین جسے دی جا رہی ہے، اس کی زندگی میں روینیو محصول سے آزاد ہوگی اور اس کے بعد اس کے بیٹوں سے محصول کا چوتھا حصہ لیا جائے گا۔

نمبر ۲۰۸، مؤرخہ ۷ مارچ ۱۹۰۰ء۔ پولیٹیکل ڈپارٹمنٹ۔ کمشنر صاحب کا دفتر کیمپ سکھر۔

خان بہادر خداداد خان کو انتخاب بھیجا جا رہا ہے، اس کی معلومات کے لئے۔

حسب الحکم

مسٹر جی۔ بی وان صاحب

ایکٹنگ اسسٹنٹ کمشنر صاحب سندھ

مسٹر جیمس کا بامبے کاؤنسل کی رکنیت سے واپس آنے کے بعد چھٹی مرتبہ چارج لینا

جمادی الاول ۱۳۱۷ ہجری مطابق اکتوبر ۱۸۹۹ء کے آخر میں جیمس صاحب بمبئی سے کراچی آئے اور اس کی تشریف آوری پر کراچی میں مقیم معزز یورپی اور سندھی افسروں نے ان کا استقبال کیا، جن میں راقم الحروف بھی شامل تھا۔ جیمس صاحب کمشنری کی کرسی پر جلوہ افروز ہوئے، اپنے عہدہ کا کاروبار دستور کے مطابق چلانا شروع کیا، جس سے وہ اچھی طرح آگاہ تھے۔

۱- اس سال (۱۳۱۷ ہجری مطابق ۱۸۹۹ء میں) جناب لارڈ کرزن صاحب بہادر ہندوستان کا فرمانروا (گورنر جنرل اور وائسرائے) ہوا، جو ایک مشہور روشن دماغ حکمران تھا۔

۲- رجب المرجب ۱۳۱۷ ہجری مطابق نومبر ۱۸۹۹ء میں بمبئی کا گورنر جناب لارڈ سینڈہرسٹ صاحب بہادر کراچی تشریف آور ہوئے۔ اس لئے آنریبل جیمس صاحب بہادر کراچی نے کئی یورپیوں، پارسیوں، مسلمانوں اور ہندوؤں کو کمشنری کے ایوان میں مدعو کیا، جن میں مرد

حضرات بھی تھے اور عورتیں بھی۔ مجلس میں قسم قسم کے میوہ جات بھی دستیاب تھے اور شربت چائے وغیرہ بھی، جو انھوں نے تناول کئے اور لارڈ موصوف سے بھی ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ ان دنوں فریئر ہال میں ایک دَربار دُربار منعقد کی گئی اور سر چارلس پرچرڈ صاحب سابق کمشنر سندھ کی ایک دلپذیر تصویر لگائی گئی۔ اسی موقع پر کراچی میونسپالٹی کے پریزیڈنٹ رائے بہادر ٹہلرام کو، جس نے طاعون کی بیماری کے وقت مدد کی تھی، ایک تمغہ اور سی۔ آئی۔ اے کا لقب دیا گیا۔ کچھ لوگوں نے نیک نامی کے پروانے عطا کئے گئے اور ٹھٹہ کے لوگوں کو بھی خوش کیا گیا، جنہوں نے طاعون کی بیماری کے وقت خدمت کی تھی۔ ان سب درباروں اور مجالس میں راقم الحروف بھی مدعو اور شریک تھا۔ جناب گورنر صاحب، جو راقم الحروف سے اچھی طرح واقف تھا اور جس کا احوال کئی مرتبہ مذکور ہو چکا ہے، اپنی طویل ملاقات سے راقم الحروف کو خوش کیا۔

۳- رجب المرجب ۱۳۱۷ ہجری کے وسط میں نومبر ۱۸۹۹ء کے آخر میں بمبئی کے گورنر جناب لارڈ سینڈ ہرسٹ صاحب بہادر، کمشنر صاحب اور اپنے مختصر عملہ کے ساتھ حیدرآباد گئے، جہاں دربار منعقد کر کے، حیدرآباد کے میر صاحبان، سرکاری ملازمین اور نامور اور معزز لوگوں سے ملاقاتیں کیں۔ ''جمڑاؤ نہر'' پر پہنچ کر، ایک دربار منعقد کر کے، نہر کا افتتاح کیا۔ پھر ریاست خیرپور اور کوٹ ڈیجی میں سر میر فیض محمد خان صاحب والیء ریاست خیرپور سے ملاقات کی، اور ہر قسم کے جانوروں کا شکار بھی کیا۔ اس کے بعد ایک اسپیشل ٹرین میں سوار ہو کر، سکھر کو اپنی تشریف آوری سے رونق بخشی۔ سکھر میں یورپی معززین، سرکاری افسروں، خیرپور کے میر صاحبان اور دیگر جاگیرداروں کو ملاقات کا شرف عطا کیا۔ اس وقت سب معززین اور افسران سے اول راقم الحروف سے ہاتھ ملا کر شکرگذاری کا موقع فراہم کیا، اور ڈیڑھ دن وہاں قیام کے بعد کراچی کے راستے بمبئی روانہ ہو گئے۔ اس ملاقات کا ثبوت درج ذیل خط (نمبر ۲۷۸۸، مؤرخہ ۱۳ نومبر ۱۸۹۹ء) سے ملے گا، جو جناب کلیکٹر صاحب ضلع شکارپور کا لکھا ہوا ہے:

عزت پناہ خان بہادر خداداد خان ساکن سکھر، سلامت رہو۔

جناب گورنر صاحب بہادر بمبئی، صبح نو بجے سکھر اسٹیشن پر رونق افروز ہونگے اور اس کے استقبال اور خوش آمدید کے لئے سرکاری افسروں اور دیگر معززین کا پہلے وہاں آنا ضروری ہے۔ اس لئے لکھا جاتا ہے کہ آپ بھی پاس لے کر، گورنر صاحب کے سلام اور ملاقات کا شرف حاصل کریں۔

دستخط

مسٹر میولس صاحب بہادر
کلیکٹر ضلع شکارپور

۴- شعبان المعظم ۱۳۱۷ھ ہجری مطابق دسمبر ۱۸۹۹ء کے آخر میں جناب پیر شاہ مردان شاہ صاحب سجادہ نشین ساکن دیہہ پیر صاحب تحصیل روہڑی، کے بارے میں ایک مقدمہ میں فتحیابی کے فتویٰ کی خبر مشہور ہوئی۔ اس کے بڑے بھائی پیر ظفر علی شاہ، ضلعی کورٹ میں اس کے خلاف زیادتی اور ناحقی دعویٰ داخل کیا تھا، لیکن چونکہ انصاف کی نظر میں مدعی کا دعویٰ بالکل بے بنیاد تھا، اس لئے رد ہو گیا۔ اس فتویٰ کی وجہ سے کئی خیر خواہ دوست اور مرید خوش ہوئے۔ اس خوشی کے موقعہ پر راقم الحروف کو پیر صاحب موصوف کی طرف سے درج ذیل خط موصول ہوا:

خان صاحب مہربان امید گاہ دعا گویان عالی جاہ رفیع جائگاہ چاچا سائیں خان بہادر خداداد خان سلمہ الرحمٰن۔

پُرمسرت سلاموں کے تحائف بھیجنے اور مقدس دعاؤں کے بعد، آپ کے پُرخلوص دل پر نیک روشن ہو، کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ طرفین خیریت ہے۔ مطلب یہ کہ گدی اور دستار کے تکراری مقدمہ کے فتویٰ کی تاریخ ضلعی کورٹ کی طرف سے ۲۳ دسمبر ۱۸۹۹ مقرر تھی۔ میں اس انتظار میں تھا کہ مزکورہ تاریخ ۳ اور ۴ بجے شام کو مریدوں اور وکیل کی طرف سے بھیجا ہوا تار پہنچا، جس میں مختصر طور پر درج تھا کہ ''مدعی کا دعویٰ رد ہوا اور پیر شاہ مردان شاہ کو مبارکباد ہو، جو مقدمہ کا فیصلہ اسی کے حق میں ہوا ہے''۔ تار کا مطلب معلوم کرتے ہی میں نے پروردگار کے شکرانے بجا لائے۔ اسی طرح کا تار روہڑی ڈویژن کے مہربان اسسٹنٹ کلیکٹر صاحب بہادر کی طرف سے بھی آیا۔ جس وجہ سے بہت خوشی ہوئی۔ اس بات کی اطلاع اس خاندان کے سب دوستوں اور خیرخواہوں کو دی گئی ہے اور مبارکباد بھی۔

فقط۔ تاریخ ۲۱ شعبان المعظم ۱۳۱۷ھ ہجری۔

دستخط

سید پیر شاہ مردان شاہ پاگارو
سجادہ نشین درگاہ مبارک

۵- شعبان المعظم ۱۳۱۷ھ ہجری مطابق ۱۸۹۹ء میں مارواڑ، ریگستان اور اسی طرف کے دیگر علاقوں میں ایک دو برسوں تک برسات نہ پڑنے اور قحط پیدا ہونے کے سبب، اس ملک کے لوگ بھوک سے مجبور ہو کر، سندھ میں آ کر حیران پریشان پھر رہے تھے۔ اس لئے صاحب موصوف (جیمس صاحب) نے سب ضلعی عملداروں کی طرف احکام جاری کئے، کہ اپنے ضلع کے لوگوں سے ان کی حیثیت کے مطابق چندہ وصول کر کے، اطلاع دیں، اور چندہ کی وصولی شروع ہوگئی۔ سکھر شہر میں، شکارپور ضلع کے کلیکٹر مسٹر میولس صاحب کے حکم سے معزز لوگوں کا اجتماع ہوا،

جس میں میولیس صاحب نے ایک مؤثر اور نہایت ہی اچھی تقریر کرنے کے بعد چندہ وصول کرنا شروع کیا، جس میں راقم الحروف کا بھی کچھ حصہ شامل تھا۔ میولس صاحب نے ایسی دلنشین اور انتہا درجہ کی مؤثر تقریر کی، جو کئی لوگ چندہ دینے کا وعدہ کر کے، پھر اپنے گھروں کو روانہ ہوئے۔ پرانا سکھر سے چندہ وصول کرنے کے لئے راقم الحروف کو مقرر کیا گیا۔ میں نے چندہ وصول کر کے سرکاری خزانے میں جمع کروایا۔ سارا چندہ، جو سارے سندھ میں سے وصول کیا گیا تھا، وہ پچاس ہزار روپے کے قریب تھا۔ پھر جیمس صاحب کے مشورہ سے عمرکوٹ میں ایک ڈپٹی کلیکٹر اور ایک مختیارکار مقرر کیا گیا، جن پر مارواڑ اور ریگستان کے مصیبت زدہ لوگوں میں امداد تقسیم کرنے کا کام رکھا گیا۔ اس کے علاوہ کئی ایک ضروری خواہ غیر ضروری تعمیراتی کام شروع کئے گئے جیسا کہ نہریں کھدوانا، بند باندھنا اور عام راستے تعمیر کروانا وغیرہ۔ یہ کام سرکار اور میونسپالٹیوں کے خرچ پر کئے گئے، تا کہ اس ملک کے قحط زدہ لوگوں کو مزدوری ملے اور ان کی شکم پُری ہو۔ بیشک، غریب پرور حاکم ایسا ہی کرتے ہیں۔

۶- شعبان المعظم ۱۳۱۷ ہجری مطابق ۱۹۰۰ء میں بذریعہ ایک تار، افریقا میں بوہریوں کو جنگ میں فتح حاصل ہونے کی خبر مشہور ہوئی۔

۷- ان دنوں پیر شاہ مردان شاہ سجادہ نشین کو "حُرن" (حروں) عرف "لُرن" کو گرفتار کرانے کے صلہ میں "شمس العلماء" کا لقب دیا گیا، اور خان بہادر سردار یعقوب خان ڈپٹی کلیکٹر تھرپارکر کو طاعون کی بیماری کے وقت مدد کرنے کے صلہ میں "سی۔ای۔آءِ" کا لقب دے کر مسرور اور سرفراز کیا گیا۔ بیشک، ہر کہ خدمت کرد، او مسرور شد۔ یہ جیمس صاحب کی مہربانیاں سمجھی جانی چاہئیں۔

ان ہی دنوں لارڈ نارتھ کورٹ صاحب بہادر، بمبئی کے گورنری کے عظیم عہدہ پر فائز ہوئے اور بمبئی کے سابق گورنر لارڈ سینڈ ہرسٹ صاحب بہادر اپنے عہدہ کے پانچ سال مکمل کر کے، ولایت روانہ ہو گئے۔ آنریبل جیمس صاحب بہادر کا سابق گورنر کے الوداع اور نئے گورنر کے استقبال کے لئے بمبئی جانا ہوا۔

۱۰- شوال المکرّم ۱۳۱۷ ہجری کی ۲۷ تاریخ مطابق فروری ۱۹۰۰ء ۲۸ تاریخ مسٹر ایچ۔اے۔ایم جیمس صاحب بہادر سی۔ایس۔آءِ، اور آءِ۔سی۔ایس کمشنر سندھ اپنے اسسٹنٹ مسٹروان صاحب اور دیگر متعلقہ انگریز اور سندھی افسروں سمیت بحری جہاز کے ذریعہ سکھر کی بندرگاہ پر لنگرانداز ہوئے، اور اس کے دوسرے دن بندر پر خیمہ لگا کر، قیام پذیر ہوئے اور سکھر اور روہڑی کی سیر و سیاحت میں مشغول رہے۔ ذیقعد ۱۳۱۷ ہجری کی نو تاریخ (مارچ ۱۹۰۰ء کی دس تاریخ) راقم الحروف کی نیازمندانہ دعوت پر پرانا سکھر میں میرے بنگلے پر اسسٹنٹ کمشنر مسٹروان

صاحب کے ساتھ تشریف آور ہوا اور مجھے، میرے عزیزوں، دوستوں اور خیرخواہوں کو مسرت اور عزت بخشی، اور اس موقع پر اپنی حیثیت کے مطابق بنگلے کو اور فرش فروش کو سجانے اور کرسیوں پر کمخواب چڑھانے وغیرہ کے سلسلہ میں مجھ سے جو کچھ ہو سکا تھا، اسے دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ ناشتہ، چائے اور میوہ وغیرہ تناول فرمایا۔ تقریباً ایک گھنٹہ ٹھہرا۔ سارے بنگلے کی سیر کی اور سامان اسباب، تصاویر اور لائبریری وغیرہ دیکھی۔ اس کے بعد اپنے خیموں کی طرف روانہ ہوا اور روانگی کے وقت میرے بھتیجے نصیر علی خان سے ملاقات کی، جو زمیندار ہے۔ اس طرح میرے چھوٹے فرزند عبدالحمید خان سے انگریزی میں گفتگو کی اور اسے تعلیم کا سلسلہ جاری رکھنے کی تاکید کی۔ اللہ تعالٰی ایسے حاکموں کو جو زیردستوں پر رحم کرتے ہیں، ہمیشہ عزت اور عظمت کی کرسی پر جلوہ افروز رکھے۔ رخصت ہونے کے وقت راقم الحروف کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر فرمایا کہ "تو جس طرح اچھے طریقے سے اور آرام سے گذار رہا ہے، اس لئے تمہاری زندگی ایک سو سال سے زیادہ ہوگی۔"

۱۱- ذیقعد ۱۳۱۷ کی گیارہویں تاریخ (مارچ ۱۹۰۰ء کی بارہویں تاریخ) سکھر میں شکارپور ضلع کے کلیکٹروں کے بنگلے تلے میدان پر ایک دَربار دُربار منعقد کی گئی، جس میں اکثر معزز میر صاحب، پیر صاحب، جاگیردار، زمینداراور ارباب وغیرہ ایک ہزار کی تعداد میں مدعو تھے، جو ترتیب وار اپنی مختص کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ راقم الحروف پہلی صف میں تیسری نمبر کرسی پر بیٹھا تھا۔ جب دربار مہمانوں کے آنے کے بعد اچھی طرح سے بھر گئی، تب مسٹر میولس صاحب کلیکٹر شکارپور، چند معززین کے ساتھ، جن میں یورپی، فوجی سپاہی اور ملکی لوگ بھی شامل تھے، کمشنر صاحب کو لانے کے لئے خیموں کی طرف روانہ ہوا۔ جناب کمشنر صاحب بہادر اپنے اسسٹنٹ سمیت دربار میں تشریف آور ہوئے اور کمخواب کی کرسی پر رونق افروز ہوا، جو دیگر کرسیوں سے کچھ اوپر رکھی گئی تھی۔ اس وقت سلامی کی تیرہ توپیں فائر کی گئیں، اور دربار کے سب حاضرین اپنی کرسیوں سے اُٹھ کر، تعظیم اور تکریم بجا لائے۔ پھر مسٹر ایچ۔ پی میولس صاحب کلیکٹر شکارپور نے اپنی کرسی سے اُٹھ کر، دربار والوں کو خطاب کیا اور جیمس صاحب کی کارگذاریوں کی تعریف کی، جو صاحب جو موصوف سندھ میں تیس برسوں کے عرصہ تک رہ کر، بجا لائے تھے اور ہزارہا آدمیوں کو فائدہ پہنچایا تھا۔

کلیکٹر صاحب کی اس تقریر کا اختصار، جو انگریزی اور سندھی اخباروں میں شایع ہوا تھا، یہاں پیش کیا جارہا ہے:

حاضرین دربار! مجھے یقین ہے کہ آپ اس خوبصورت موقعہ کو کبھی بھی نہیں بھول پائیں گے۔ جیمس صاحب کے ساتھ یہ ملاقات کا موقع بیک وقت خوشی کا بھی ہے اور غم کا بھی۔ خوشی اس

لئے کہ جیمس صاحب اس دربار میں میر مجلس ہیں اور اس ضلع کے سارے معززین یہاں اکٹھے ہو کر، ان کی تعظیم اور تکریم کر رہے ہیں، کیونکہ صاحب بہادر نے سندھ والوں کی بھلائی کے لئے بڑی تکالیف جھیلی ہیں، جو ابھی تازہ ہیں اور سندھ کے باشندوں کے دلوں پر نقش ہیں؛ اور غم کی وجہ یہ ہے کہ ہم ایسے لائق فائق کمشنر صاحب بہادر کو اس مسرت بخش مجلس میں آخری مرتبہ دیکھ رہے ہیں، کیونکہ جیمس صاحب اب یہاں سے رخصت ہو کر ولایت روانہ ہو رہے ہیں۔ صاحب بہادر پورے تیس سال سندھ میں حکمران کی حیثیت سے رہے ہیں اور اس طویل عرصہ میں انہوں نے سندھ کو کئی اقسام کے فائدے پہنچائے ہیں۔ صاحب بہادر پہلے اسسٹنٹ کلیکٹر کے عہدہ پر فائز تھے، اس لئے سندھ کے حالات سے اچھی طرح واقف ہیں اور شروع سے ہی سندھ کی بہبودی اور بہتری کے لئے ہزارہا تجاویز پر عمل کیا ہے۔

اب میں ان کی گذشتہ کارگذاریوں سے قطع نظر ان کی تازہ کارگذاریوں کا ذکر کرتا ہوں۔ (ساری گذاریاں بیان کرنے سے) ایک طویل داستان بن جائے گی۔ ''جمڑاؤ نہر'' دیکھیں، جو داناء اور تجربیکار انجنیئروں سے بڑے خرچ کے ساتھ کھدوائی ہے۔ اس طرح اپر سندھ میں ''شاہی واہ'' اور دیگر کئی نہریں کھدوائی ہیں۔ علاوہ ازیں عام و خاص لوگوں کی بھلائی کی خاطر موزوں اور مناسب مقامات پر مردوں کے لئے الگ اور عورتوں کے لئے الگ ہسپتال تعمیر کروائے ہیں۔ تعلیم کے حصول کے لئے ''سندھ مدرسۃ السلام'' اور ''سندھ کالیج'' (ڈی۔ جے۔ سندھ کالیج) کے علاوہ کئی (پرائمری اور سیکنڈری) اسکول کھولے ہیں: ہم اللہ تعالیٰ سے دعاگو ہیں کہ جیمس صاحب نے جس طرح سندھ میں کوششیں لے کر کے رعایا کو فائدہ پہنچایا ہے، اسی طرح اپنے ملک انگلینڈ میں پہنچ کر، خوشی اور اطمینان سے وقت گذاریں، آمین۔''

اس کے بعد خان بہادر میر گل حسن خان تالپور، جیمس صاحب کی بہترین کارگذاریوں، عوام کی بھلائی کے لئے سعی کرنا اور ان کے ذاتی اخلاق سے متعلق چند باتیں کہیں، جن کی حاضرین تصدیق کر رہے تھے۔

آخر میں جیمس صاحب نے خود اُٹھ کر تقریر کی، جس کا اختصار یہاں درج کیا جاتا ہے:

''میں میولس صاحب کلیکٹر شکارپور اور خان بہادر میر گل حسن خان تالپور کی تقاریر سے بے حد محظوظ ہوا ہوں اور اس دربار کے معزز حاضرین سے بہت خوش ہوں، جنہوں نے مجھے اپنے سلام سے شکرگذار بنایا ہے۔ میں اب آپ سب کو ''خدا حافظ'' کہہ کر ولایت جا رہا ہوں اور امید ہے کہ جہاں بھی جاؤں، وہاں تمہاری خوشحالی کے لئے کوشش کرتا رہوں گا۔ میں یہ بھی امید کرتا ہوں کہ مسلمان اپنی اولاد کو تعلیم و تربیت دلوانے کی کوشش کریں گے، کیونکہ سرکار کو مسلمانوں سے

ہمیشہ دلچسپی رہی ہے۔ سرکار کو یورپی خواہ ہندو بہت بڑی تعداد میں ملازمت کے لئے مل جاتے ہیں، مگر افسوس ہے کہ مسلمان تعلیم یافتہ بلکل کم ہیں۔

اس موقع پر جیمس صاحب کو پھر میرے فرزند عبدالحمید خان کی یاد آ گئی اور کہا کہ ''افسوس ہے کہ خان بہادر خداداد خان جیسے لائق افسر کا فرزند اچھی طرح تعلیم حاصل نہیں کر رہا۔ وغیرہ۔''

پھر جناب پیر شاہ مردان شاہ صاحب کو ''شمس العلماء'' کے خطاب کی سند اور کمخواب کی خلعت عطا فرمائی، اس کی تعریف میں چند الفاظ کہے، جو پیر صاحب موصوف حروں کے معاملہ میں (جن کا تذکرہ اوپر ہو چکا) سرکار کی مدد کی تھی۔ اس کے بعد راقم الحروف کو اپنے سامنے بلا کر اور ہاتھ میں ہاتھ دے کر تقریر کی اور تین سو ایکڑ جاگیر کی سند کمخواب کے تھیلے میں ڈال کر، کمخواب کی شاندار خلعت کے ساتھ عطا کی۔ جیمس صاحب کی یہ تقریر یہاں درج کی جاتی ہے، جو اکثر انگریزی اور سندھی اخبارات میں شایع ہو چکی ہے:

''مسٹر خداداد خان سال ۱۸۵۳ء میں سرکاری ملازمت میں داخل ہوا اور سال ۱۸۵۵ء میں جاگیری اور سیاسی شعبہ میں میجر سر فریڈرک گولڈ اسمڈ صاحب (اسسٹنٹ کمشنر جاگیرات) کا ماتحت مقرر ہوا۔ ہندوستان کے غدر (۱۸۵۷ء والے آزادی کے انقلاب) والے زمانے میں گولڈ اسمڈ صاحب کے ساتھ بیابان اور ریگستان (رن کچھ) سے گذر کر، خفیہ مشن پر مخصوص مقصد کے حصول کی خاطر جیسلمیر اور پوکران (مارواڑ) گیا۔ سال ۱۸۶۱ء میں بلوچستان کے پولیٹیکل ایجنٹ سر ہنری گرین صاحب بہادر کے ساتھ گوادر اور اورماڑہ (مکران) گیا، جو کچھ نازک اور مخفی معاملات کے سلسلے میں اسے گرین صاحب کے ساتھ جانے کے لئے منتخب کیا گیا تھا۔ سال ۱۸۶۲ء میں جام صاحب لس بیلہ اور خان قلات کے ممالک (بلوچستان) میں ٹیلیگراف لائین کے انتظام میں سرکار کو مدد دی۔ اس کے بعد دوسرے سال سندھ کے کمشنر مسٹر ایس مینسفیلڈ صاحب کے ساتھ ہندوستان اور یورپ کے درمیان ٹیلیگراف لائین نصب کرنے کے انتظام کے سلسلے میں خلیج فارس اور دجلہ دریا عبور کر کے بغداد گیا۔ سر ولیم میری ویدر صاحب بہادر (کمشنر سندھ) نے اس پر مکمل اعتماد رکھ کر، کچھ مخفی اور نازک معاملات کی ذمہ داری اس کے سپرد کی۔ جاگیری اور سیاسی معاملات کے بعد واقفیت رکھنے کے سبب یوں مناسب سمجھا گیا کہ جاگیروں کے رکارڈ کی اصلاح اور تکمیل کے لئے اس کے سپرد کیا جائے، جو ۱۸۸۲ء میں اس کے سپرد کیا گیا۔ قوت حافظہ کی تیزی، گذشتہ زمانہ کی باتوں کا یاد رکھنا، تاریخی معاملات سے واقفیت، اچھی اسکیمیں اور بروقت مناسب انتظامات کرنے کی وجہ سے خان بہادر خداداد خان کی ملازمت بے مثال اور بے بہا تھی۔ وہ گذشتہ مئی میں پینتالیس برسوں تک اچھی طرح اور ایمانداری سے ملازمت کرنے کے بعد

سبکدوش ہوا ہے اور اب پینشن لے کر اپنے گھر (سکھر) میں رہنے لگا ہے۔ امید ہے کہ وہ آرام اور آسائش سے وقت گذارے گا۔''

جاگیر کی سند کی نقل

مُہر	نمبر۔ پولیٹیکل
اعلیٰ مراتب جناب کمشنر	سال ۱۹۰۰ء مطابق
صاحب بہادر سندھ	سال ۱۳۱۷ ہجری

عالی جاہ رفیع جایگاہ حشمت وشوکت دستگاہ خان بہادر خداداد خان

مزاج شریف!

جیسا کہ ہندوستان کی سرکار نامدار نے مہربانی فرما کر اپنے حکم نمبر ۱۷۷۷ اور ۴۸۹، مؤرخہ ۳ اگست ۱۸۹۹ء کے ذریعہ، جو بامبے سرکار کے حکم نمبر ۶۲۰۹، مؤرخہ ۔۔۔۔ دسمبر ۱۸۹۹ء کے ساتھ جاری ہوا ہے۔ تین سو ایکڑ رعیتی زمین کا عطیہ بطور جاگیر تحصیل سکھر ضلع شکارپور میں آپ کے لئے منظور فرمایا ہے، اس لئے یہ سند آپ کو عطا کی جارہی ہے، تاکہ مذکورہ عطیہ، جناب کمشنر صاحب بہادر سندھ کے دفتر میں طویل اور قیمتی ملازمت کرنے، اور اب اس ذمہ داری سے سبکدوش ہونے کے بعد جب آپ نے پینشن لی ہے، تو قائم رہے۔

(۲) مذکورہ انعام آپ کے قبضہ میں تیسرے درجہ کی جاگیر کی شرائط کے مطابق رہے گا، یعنی آپ کی زندگی میں سارا محصول معاف رہے گا۔ آپ کے بعد آپ کے پہلے وارث کی زندگی تک چوتھا حصہ محصول لیا جائے گا اور اس کے بعد سارا محصول بست ہوگا۔

(۳) اس زمین پر سے حقاب اور دیگر لوازمات تین سو پانچ روپے اسکولوں اور راستوں کے خرچ کے لئے، جو اس طرح کی جاگیر میں سے لئے جاتے ہیں، آپ سے بھی لئے جائیں گے، اور پٹہ داری کے حق کی ادائیگی، جو اس زمین سے لاگو ہے، آپ پر بھی رہے گی۔

(۴) اس انعام کا برقرار رہنا آپ کی، اور آپ کے جانشین کی نمک حلالی اور اچھی چال پر منحصر رہے گا۔

(۵) اس جاگیر کی اراضی کی حدود اس طرح ہیں:

آفیس جناب کمشنر	دستخط
صاحب بہادر سندھ	مسٹر ایچ۔اے۔ایم جیمس صاحب بہادر
تاریخ ۱۲ مارچ ۱۹۰۰ء	سی۔ایس۔آءِ اور آءِ۔سی۔ایس
مطابق ۱۱ ذیقعدے ۱۳۱۷ ہجری	کمشنر سندھ

اِس مضمون والی ایک اور سند انگریزی میں بھی (اِس سند کی انگریزی کاپی) اس کے ساتھ الگ کاغذ پر اور الگ کپڑے میں لپٹی ہوئی تھی۔

پھر کچھ معزز زمینداروں کو تلواریں، بندوقیں، دوربینیں اور لونگیاں عطا کیں، اور سب کو ''خدا حافظ'' کہہ کر، اپنے خیموں کی طرف روانہ ہوا، اور پھر اُسی طرح اُسے تیرہ توپوں کی سلامی دی گئی۔ اس کے بعد ۱۵ ذیقعد ۱۳۱۷ھ ہجری مطابق ۱۶ مارچ ۱۹۰۰ء سکھر کی بندر سے بذریعہ بحری جہاز دارالحکومت کراچی کی طرف روانہ ہوا۔ راقم الحروف جہاز کے لنگر اُٹھانے کے وقت الوداع کہنے کے لئے وہاں حاضر تھا اور جیمس صاحب نہایت ہی مسرت سے اپنا ہاتھ اس عاجز کے ہاتھ پر رکھ کر تین مرتبہ خدا حافظ کہا۔ اللہ تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے ایسے فراغ دل حاکموں کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔

۱۲- ذوالحج ۱۳۱۷ھ ہجری مطابق اپریل ۱۹۰۰ء ہندوستان کا فرمانروا اور گورنر جنرل جناب لارڈ کرزن صاحب بہادر سات بجے شام کو اسپیشل ٹرین کے ذریعہ بکھر کی لینسڈاؤن پل سے گذر کر، کوئٹہ (شال کوٹ) گیا۔ اتفاق سے راقم الحروف موءِ مبارک کی زیارت فیض بشارت کے لئے چند دوستوں کے ساتھ (روہڑی جانے کے لئے) لینسڈاؤن پل پر موجود تھا، جو اسپیشل ٹرین کو تیزی سے وہاں سے گذرتا ہوا دیکھا گیا۔ صاحب موصوف نے کوئٹہ میں دربار منعقد کر کے، خان صاحب والیءِ قلات، جام صاحب لس بیلہ اور افغانستان اور بلوچستان کے سرداروں کے سامنے ملک میں امن و امان قائم کرنے کے سلسلہ میں جو تقریر کی، وہ اخباروں میں دیکھ کر، صاحب موصوف کی دانائی، تدبر، تحمل، برجستائی اور روشن دماغی کا پتہ چلتا ہے۔ ایسا کیوں نہ ہو، کیونکہ اتنے اعلیٰ عہدے کے لئے ایسا ہی باوقار حکمران ہونا چاہئے۔

۱۳- ذوالحج ۱۳۱۷ھ ہجری مطابق اپریل ۱۹۰۰ء کے آخر میں شکارپور کے کلیکٹر مسٹر میولس صاحب نے راقم الحروف کو شکرگذاری کا خط لکھا، جو مسکین مارواڑیوں اور ریگستانی لوگوں کی امداد کے لئے چندہ جمع کرنے کے سلسلے میں میں نے اس کی مدد کی تھی، جس کا تذکرہ اوپر گذر چکا ہے۔ اس خط کا ترجمہ یہاں درج کیا جاتا ہے:

نمبر ۳۰۹۰، کلیکٹر صاحب ضلع شکارپور کے دفتر کی جنرل ڈپارٹمنٹ، کیمپ سکھر۔ تاریخ ۲۵ اپریل ۱۹۰۰ء۔ بابت نمبر ۲۲۶۶، مؤرخہ ۱۰ اپریل ۱۹۰۰ء۔ کلیکٹر صاحب کا دفتر۔

خان بہادر خداداد خان کی خاص شکرگذاری کی جارہی ہے، کیونکہ اس نے چندہ جمع کرنے میں نہایت مفید مدد کی ہے۔

دستخط

مسٹر میولس صاحب

کلیکٹر ضلع شکارپور

محرم الحرام ۱۳۱۷ ہجری مطابق مئی اور جون ۱۹۰۰ء میں، انگلینڈ سے آئے ہوئے تار کے ذریعہ سے یورپین کے ہاتھوں ''میفکنگ'' اور ''ٹرانسوال'' کی فتح کی خبر سندھ میں مشہور ہوئی، اس لئے خیرخواہ لوگ بہت خوش ہوئے، جو دراصل یہ فتح انگریز سرکار کو نصیب ہوئی تھی، جو باعث مسرت ہے۔

۱۵-محرم الحرام ۱۳۱۷ ہجری کی ۲۵ تاریخ مطابق مئی ۱۹۰۰ء کی بھی ۲۵ تاریخ دریائے سندھ کے پل کا افتتاح ہوا، جو کوٹڑی بندر اور گدو بندر کے سامنے حیدرآباد کے نزدیک ہے، اور جس کی تعمیر کا کام شروع ہونے کا تذکرہ اوپر گذر چکا ہے۔ اس پل کی وجہ سے ایک طرف بیوپار کو فائدہ پہنچے گا اور دوسری طرف آنے جانے والوں کو آرام و آسائش ہوگی۔

۱۶- صفر المظفر ۱۳۱۷ ہجری کی پہلی تاریخ اور مئی ۱۹۰۰ کی ۳۱ تاریخ رواں سال کے لئے ریاست خیرپور کی طرف سے راقم الحروف کو ہنری اسکول کا رکن مقرر کرنے سے متعلق دوسری مرتبہ تجویز پہنچی۔ بہرحال (رکنیت قبول کر کے) رواں سال پورا کیا جائے گا، کیونکہ والیء ریاست کی خوشی اِسی میں ہے۔

جیسا کہ یہ ''لُبّ تاریخ سندھ'' تقریباً تین برسوں کی بڑی محنت اور مشقت کے بعد مکمل ہوئی ہے اور عنقریب چھپنے والی ہے، اس لئے ضروری نظر آ رہا ہے کہ محرم الحرام اور صفر المظفر ۱۳۱۷ ہجری مطابق مئی اور جون ۱۹۰۰ ء کے مہینوں میں جو جشن اور ہر قسم کی دعوتوں کی مجالس اور محافل راقم الحروف کے بنگلے پر پرانے سکھر میں کچھ خاص دوستوں کے تبادلے کے سلسلے میں منعقد ہوئیں جیسا کہ رائے بہادر ڈیوں مل رائے بہادر ہشمترائے کا تبادلہ سکھر سے کراچی، رائے بہادر نارائنداس کا تبادلہ کراچی سے سکھر، اور سید پناہ علی شاہ معصومی کی انسپکٹر پولیس کے عہدہ پر مقرری وغیرہ۔ ان الوداعی تقریبات میں ہر درجہ کے تقریباً پانچ سو معزز مہمان شریک تھے۔ اگر ان کا تذکرہ اس کتاب کے آخر میں کیا جائے، تو یادگیری کا باعث ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس طرح کی مسرت بخش دعوتیں مبارک کرے۔

ایکٹنگ کمشنر صاحبان (جو چھ مہینوں سے کم عرصہ رہے)

''لُبِّ تاریخ سندھ'' کے قارئین کو نیک روشن ہو، کہ (اس کتاب میں) انگریز سرکار کی حکمرانی کی تاریخ میں جن بہت سے مستقل کمشنر صاحبان اور کچھ ایکٹنگ کمشنر صاحبان کا احوال بیان کیا گیا ہے، ان کی حکمرانی کا عرصہ چھ مہینے یا اس سے بھی زیادہ سمجھا جانا چاہئے۔ مگر جن کمشنروں کی حکمرانی کا عرصہ چھ مہینوں سے کم رہا ہے، ان کے نام اور ان کی حکمرانی کا عرصہ یہاں درج کیا جاتا ہے:

حکمراں کا نام	پہلا عہدہ	حکمرانی کا عرصہ	سال	رمارک
مسٹر بلاس	اسسٹنٹ کمشنر سندھ	تین مہینے	۱۲۶۸ ہجری ۱۸۵۲ء	سر بارٹل فریئر کی غیر حاضری میں۔
مسٹر ایلیس	دکھن میں انعام کمشنر	چالیس دن	۱۲۷۴ ہجری ۱۸۵۷ء	جیکب صاحب کے جانے کی وجہ سے۔
میجر ہنری گرین	پولیٹیکل ایجنسی بلوچستان	تین مہینے	۱۲۸۱ ہجری ۱۸۶۲ء	مسٹر انوار ریٹی کی غیر حاضری میں۔
سر چارلس پیل	پولیٹیکل ایجنسی کاٹھیاواڑ	تین مہینے	۱۲۹۱ ہجری ۱۸۸۰ء	مسٹر ارسکین کی غیر حاضری میں۔
کرنل لامبرٹ	کلیکٹر کراچی	تین مہینے	۱۸۹۵ ہجری ۱۸۸۳ء	مسٹر ارسکین کی غیر حاضری میں۔
کرنل لامبرٹ	کلیکٹر کراچی	تین مہینے	۱۲۹۵ ہجری ۱۸۸۳ء	مسٹر ارسکین کی غیر حاضری میں۔
کرنل بولٹن	کلیکٹر کراچی	تین مہینے	۱۳۰۰ ہجری ۱۸۸۵ء	مسٹر ارسکین کی غیر حاضری میں۔
کرنل ٹریور	کلیکٹر حیدرآباد	چار مہینے	۱۳۰۸-۹ ہجری ۱۸۹۱ء	مسٹر ٹریور کی غیر حاضری میں۔

کرنل کرافورڈ	کلیکٹر کراچی	پانچ مہینے	۹-۱۳۰۸ھ ہجری ۱۸۹۱ء	سر چارلس الیونٹ اور مسٹر
		اور (درجہ بدرجہ)	۱۳-۱۳۱۱ھ ہجری ۱۸۹۳ء	ایچ۔اے۔ایم جیمس کی غیر
			اور ۹۵-۱۸۹۴ء	حاضری میں۔
مسٹر ووڈیرن	کلیکٹر حیدرآباد	پچاس دن [درجہ بدرجہ]	۱۳۱۳ھ ہجری ۱۸۹۵	سر چارلس الیونٹ اور مسٹر ایچ۔
			۱۳۱۵ھ ہجری ۱۸۹۷ء	ای۔ایم جیمس کی غیر حاضری میں۔

اختتام

یہ کتاب ''لُبِ تاریخ سندھ'' ختم ہوئی، اللہ قادر قدیر کے حکم سے، بڑی محنت اور مشقت کے بعد، حقیر پُر تقصیر احقر العباد خان بہادر خداداد خان افغان ترین ولد رضا محمد خان عرف راضو خان افغان ترین، اصل ساکن پشنگ اور حال مقیم پرانا سکھر ضلع شکارپور سندھ، سابق بڑا منشی دفتر کمشنر صاحب بہادر سندھ، اب جاگیردار دیہہ ''انگاہ'' تحصیل سکھر ضلع شکارپور سندھ، اور پینشن بردار کے ہاتھوں، جناب آنریبل ایچ۔اے۔جیمس صاحب کمشنر سندھ کی خواہش سے، جو اس طرح کی باتوں میں دلچسپی رکھتا ہے۔

شعر

یلوح الخط فی القرطاس دھراً،

و کاتبہ رمیم فی التراب.

[تحریر کاغذ میں ہمیشہ کے لئے محفوظ رہتی ہے،

جب کہ اس کا لکھنے والا مٹی کے اندر گل سڑ جاتا ہے]۔

شعر

ہرکہ خواندہ دعا طمع دارم،

زانکہ من بندۂ گنہگارم۔

[میں ہر قاری سے دعا کی امید رکھتا ہوں، کیونکہ میں ایک گنہگار انسان ہوں]۔

شعر

نوشتہ بماند سیہ بر سفید،

نویسندہ را نیست فردا امید۔

[ہر تحریر کی سیاہی کاغذ کی سفیدی پر قائم رہتی ہے،

جب کہ لکھنے والے کو کل تک زندہ رہنے کی امید بھی نہیں ہوتی]

اے قادر مطلق

خداداد خان کی خطائیں معاف فرما۔

کتاب کا اختتام ربیع الاول ۱۳۱۸ھ ہجری سات تاریخ جمعہ کے مبارک دن، مطابق جولائی ۱۹۰۰ء کی پانچ تاریخ کو ہوا۔

کچھ دوستوں کی طرف سے "لُب تاریخ سندھ" کے اختتام پر تاریخی قطعات موصول ہوئے ہیں، جو ان کی خواہش کے مطابق درج کئے جاتے ہیں، تاکہ دوستوں کی یادگیری کا باعث بنیں۔

جناب پیر رفیع الدین صاحب "رفیع" سرہندی شکارپوری

از عنایات خدائے بحر و بر
ہم ز افضال رسول راہبر
نسخۂ تاریخ لُب گشتہ تمام
از توجہ خان بہادر نامور
گشت ظاہر با ہزاران رمزہا
ہر طرف شد تہنیت از این خبر
کرد دریا را دروں کو زہٗ
آفرین بر دانش والا گہر
چوں خداداد ست او را بخت و علم
ہر کجا آواز جاہش بیشتر
"کلک مرغوب" آمدہ تاریخ لُب
۱۳۱۸
ہم "مخازن بخشش" آمد در نظر
۱۹۰۰
"ارغوانی مئی" بخوان تاریخ لُب
۱۳۱۸
اے رفیع الحق کہ آمد مفتخر۔

[☆ بحر و بر کے مالک کی مہربانی سے، نیز رہبر رسول کے لطف و کرم سے۔
☆ کتاب "لُب تاریخ" ختم ہوئی۔ معزز خان بہادر (خداداد خان) کی توجہ سے۔
☆ ہزار ہا رموز سے نکل کر نموار ہوا، اور اس خبر کی وجہ سے چاروں طرف سے مبارک مبارک ہو گئی۔
☆ اس نے دریا کو کوزہ میں بند کر دیا ہے۔ اس شریف اور نجیب انسان کی عقل پر آفرین ہو۔
☆ چونکہ اسے بخت اور علم اللہ نے دیا ہے۔ (اس لئے) ہر جگہ اس کے مرتبہ کا چرچا ہے۔

☆ کتاب ''لب تاریخ'' کی تاریخ ہے ''کلک مرغوب''، نیز میری نظر میں اس کی دوسری تاریخ ہے ''ارغوانی مئی''۔ کیونکہ اے رفیع! کہ کتاب قابلِ فخر ہے]۔

''کلک مرغوب'' (اچھا قلم) ۱۳۱۸ اعداد۔ ''مخازن بخشش'' (سخا کے خزانے) ۱۹۰۰ عداد۔ ''ارغوانی مئی'' (لال شراب'' ۱۳۱۸ اعداد۔

از: جناب سید غلام مرتضیٰ شاہ صاحب مرتضائی رضوی ٹھٹوی

(۱)

خان زمان جناب خداداد نامدار
آن شیردل، کریم وقوی پنجہ، خوش بیان
تاریخ سند کرد بنا، نی عجب کہ زو
راحت رسد کثیر بدلہائ قابلان
سالش ز ختم جستم و خوش گفت ہاتفم
''از بہر یادگار تماشائ سندھ'' خوان

۱۳۱۸

ما مرتضائی قطعۂ تاریخ گفتہ ایم
امید آنکہ خوش بنماید بدوستان۔

(۲)

بود خان خانان خداداد خان
کہ مشہور قابل بہ اقلیم سند
کتابی بتاریخ سندی نوشت
کہ مطبوع عالم بہر جا پسند
سنش جستم و از خرد یافتم
بخوان ''بی سر زنگ تاریخ سند''۔

۱۳۲۵-۷=۱۳۱۸

مبارک دہد مرتضائی بہ او
خدایا بہرجا بود بہرہ مند۔

(۳)

جناب خان بہادر کہ خود خداداد ست
وجود او بہ ہمین وقت ابر گوہر بار
ز کلک گوہر ریزش عجیب شد تاریخ
حیات داد دگر چوں مسیح در امصار
چو خود مسیح شد و قول او مسیحائی
سروش گفت سنش بے نظیر رنگ بہار
گل مضامین آورد خوش بگلشن سند
بہ مرتضائی مسرت نما بود اظہار۔

ب م س ر ت ن م ا ا ظ ھ ا ر = ۱۹۰۰

(۴)

آن خداداد خان بہادر دہر
لا تُحَد دیدہ ایم توصیفش
گفت تاریخ سند را زیبا
کہ در و اندراج تحریرش
آن مسیح زمانہ ثانی شد
زندہ شد مردہ دل ز تقریرش
عیسوی سال دوش گفت خرد
''نوبت اختتام'' تاریخش

۱۹۰۰

مرتضائی مبارک است کتاب
شد ملذذ بکام تسطیرش۔

(۵)

تاریخ سند کرد چو تصنیف خوش بیان
خان زمان جناب خداداد در زمان
جستم سحر زغیب ندا داد خوش بگفت
تاریخ او سروش ''شجر خاص خاندان''

۱۹۰۰

در باغ سند رونق دیگر بہار داد
وہ مرتضائی سند دگر یافت زیب زان۔

[☆ زمانہ کا خان، جناب خداداد، نامی، شیردل، سخی، بہادر، خوش گفتار۔
☆ اس نے سندھ کی تاریخ مرتب کی ہے، اگر اس سے فاضل لوگوں کے دلوں کو خوشی حاصل ہو، تو یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے۔
☆ میں کتاب کے خاتمہ کی تاریخ ڈھونڈھنے لگا تو فرشتۂ غیب نے بہت ہی اچھی بات بتائی کہ ''از بہر یادگار تماشائ سند'' کا فقرہ پڑھ کے دیکھ۔
☆ مرتضائی! میں نے قطعۂ تاریخ کہا ہے۔ امید ہے کہ دوستوں کو اچھا لگے گا]۔
[''از بہر یادگار تماشائ سند'' (یادگار کی خاطر سندھ کا نظارہ) اس فقرہ سے ۱۳۱۸ اعداد حاصل ہوتے ہیں]۔

(۲)

[☆ خداداد خان، خانوں کا خان ہے، اور سندھ کا ایک مشہور فاضل۔
☆ سندھ کی تاریخ پر اس نے ایک کتاب لکھی ہے، جو دنیا میں مقبول ہے اور ہر جگہ پسندیدہ۔
☆ اس کے سال کی میں نے تلاش کی اور عقل سے جواب حاصل کیا گیا تو ''زنگ'' کی ''ز'' کے اعداد نکال کر، ''تاریخ سند'' کے الفاظ میں نے پڑھے۔
☆ مرتضائی اسے مبارکباد کہتا ہے۔ مولا سائیں! وہ جہاں کہیں بھی ہو، وہاں کامیاب رہے]۔
[''تاریخ سند'' کے اعداد (۱۳۲۵) میں سے ''ز'' کے اعداد (۷) نکال لئے جائیں گے تو باقی ۱۳۱۸ بچ جائیں گے]۔

(۳)

[☆ جناب خان بہادر، جو خود خداداد (خداء نعمت کا مالک) ہے، موجودہ وقت میں اس کا وجود ایک بادل کی طرح ہے، جس سے موتی برستے ہیں۔
☆ اس کے گوہر بار قلم سے ایک عجیب تاریخ نکلی ہے، جس نے حضرت مسیح کی طرح کئی ایک شہروں کو نئی زندگی بخشی ہے۔
☆ چونکہ وہ خود مسیح ہے، اس لئے اس کا قول بھی مسیحائی ہے۔ غیب کے فرشتے نے اس کا سال سنایا ''بہار کا بے مثال رنگ''۔

۴- سندھ کے گلشن میں اس نے خوبصورت پھول کھلائے ہیں۔ مرتضائی کے لئے اس حقیقت کا اظہار مسرت بخش ہے۔

''ب م س رت ن م ا ا ظ ھ ا ر =۱۹۰۰''

[شاعر نے، آخری مصرع کے مذکورہ مفرد حروف سے عیسوی سنہ (۱۹۰۰) حاصل کیا ہے]۔

(۴)

[☆ خداداد ساری دنیا کا خان بہادر ہے۔ ہم نے اس کے بے حساب اوصاف دیکھے ہیں۔

☆ سندھ کی اس نے ایک خوبصورت تاریخ مرتب کی ہے، جس میں اس کی اچھی تحاریر ہیں۔

☆ وہ دنیا کے لئے دوسرا مسیح ہے، جس کی تقاریر سے مردہ دل زندہ ہو گئے ہیں۔

☆ رات عقل نے (کتاب کا) عیسوی سال بتایا کہ اس کی تاریخ ''نوبت اختتام'' ہے۔

☆ اے مرتضائی! یہ مبارک کتاب ہے۔ جس کی تحاریر زبان کو لذت بخشتی ہیں]۔

(''نوبت اختتام'' تاریخ ہے، جس کے اعداد ۱۹۰۰ ہیں)۔

(۵)

[☆ جب خوش گفتار، دنیا کے خان، جناب خداداد نے تازہ سندھ کی تاریخ تصنیف کی۔

☆ (تب) میں نے اس کی تاریخ کی جستجو کی تو غیبی فرشتہ نے علی الصبح آواز دے کر بتایا کہ ''شجر خاص خاندان''۔

☆ بہار، نے سندھ کے باغ میں نئی رونق پیدا کی ہے۔ اے مرتضائی! سندھ نے دوبارہ اسی بہار کی وجہ سے حسن و جمال حاصل کیا ہے]۔

[''شجر خاص خاندان'' مادہ تاریخ ہے، جس سے عیسوی سال ۱۹۰۰ حاصل ہوتا ہے][1]۔

<u>از: جناب مولانا محمد عاقل صاحب ''عاقل'' ساکن گوٹھ عاقل تحصیل لاڑکانہ</u>

دریں عہد منشی خداداد خان
کہ مردی ست دانا و فرخند خو

---

[1] مرتضائی صاحب نے پانچ قطعہ مرتب کئے ہیں مگر پانچوں ہی غیر دلچسپ ہیں۔ شعر کی حیثیت تک بندی کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے۔ تاریخ کے مادہ فضول اور غیر متعلق ہیں۔ تیسرے نمبر قطعہ کے تیسرے نمبر شعر کی آخری مصرع کا نحوی کلام پر نظر ڈالی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ مادۂ تاریخ ''بے نظیر رنگ بہادر'' کا فقرہ ہے۔ مگر دراصل تاریخی مادہ نہیں ہے، کیونکہ اس کے اعداد ۱۹۰۰ نہیں، ۱۶۵۰ ہیں۔ چوتھے شعر کا پہلا مصرع غیر موزوں ہے اور دوسرا مصرع، جو ایک لغو اور مہمل مصرع ہے، اس سے کچھ مفرد اور بے ترتیب حروف نکال کر اور ان میں سے ایک بے معنیٰ فقرہ بنا کر اسے مادۂ تاریخ ٹھہرایا ہے۔ حالانکہ ان کی مادہ تاریخ سے کوئی نسبت نہیں ہے۔ پتہ نہیں چلتا کہ مرتضائی صاحب نے یہ صنعت کیسے اور کس قاعدہ سے اختراع کی ہے؟ چوتھے قطعہ کے قافیے قطعی طور پر غلط ہیں۔ تاریخی مادوں کے بارے میں میں ایک دفعہ پھر کہوں گا کہ بالکل فضول اور غیر متعلق ہیں۔ مرتضائی صاحب اگر پانچ قطعوں کی بجائے فقط ایک صحیح اور مناسب قطعہ مرتب کرتے اور مادۂ تاریخ بھی بامعنیٰ اور درست ہوتا تو یہ بہتر ہوتا۔ (ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ)۔

کتابی بتاریخ بنمود جمع،
کہ مثلش نیابی بصد جستجو
بہ ''لُبّ التواریخ'' موسوم کرد
چہ پاکیزہ اسمی ست و نامی نکو
ز تصنیف این نسخہ صد متقش
بر اہل جہان است بے گفتگو
پئی سال تاریخ ''عاقل'' بگفت
''عجب لب تاریخ'' تاریک او۔

۱۳۱۸

[☆ منشی خداداد خان، جو اس دور میں سمجھدار اور اچھے اخلاق والا شخص ہے۔
☆ تاریخ کے فن میں اس نے ایک کتاب مرتب کی ہے، جس کے جیسا سو مرتبہ بھی تلاش کرو گے تو نہیں حاصل کر سکو گے۔
☆ اسے اس نے ''لب تاریخ'' کا نام دیا ہے، کیا خوبصورت اور پاکیزہ نام ہے!
☆ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ کتاب تصنیف کرنے کی وجہ سے اس نے دنیا پر احسان کیا ہے۔
☆ عاقل نے اس کتاب کی تاریخ کے لئے ''عجب لب تاریخ'' کہا ہے]۔

[''عجب لب تاریخ'' کے فقرہ سے کتاب کی تالیف کا ہجری سال ۱۳۱۸ حاصل ہوتا ہے]۔

کاتب کی طرف سے اختتامی نوٹ

اس کتاب ''لُب تاریخ سندھ'' کے قارئین کرام کو نیک روشن ہو کہ ایک دن اس فقیر حقیر پُر تقصیر اُحقر العباد عبیداللہ فقیر ولد مرحوم حاجی محمود قوم گاد (اللہ اسے معاف کرے، ساکن گوٹھ کیہر) (اللہ اسے فتنہ سے محفوظ رکھے) تحصیل اور ضلع لاڑکانہ، عالی شان بلند مکان جناب اعلیٰ خلیفہ صاحب خلیفہ میاں محمد احسان خان صاحب زمیندار (اللہ تعالیٰ اس کا بخت بلند کرے اور اس کا سایہ قائم رکھے) کے حضور میں حاضری کا شرف حاصل کیا۔ اس کے مسرت بخش اور بلند مرتبت مجلس میں ہر قسم کی علمی گفتگو ہونے لگی۔ صاحب موصوف کو ہر قسم کے علم پر مشتمل کتابوں مثلاً طب، تاریخ اور تصوف کے مطالعہ کا بے حد اشتیاق رہتا ہے۔ اس خاکسار کو جو اصل سے لے کر اس کے معزز خاندان کا دست نگر رہا ہے، فرمایا کہ کتاب ''لب تاریخ سندھ'' جو جناب خان بہادر خداداد خان جاگیردار ولد رضا محمد خان افغان ترین ساکن پرانا سکھر کا مرتب کردہ ہے وہ صحیح، عمدہ اور سلیس فارسی میں مختصر عبارت میں سندھ کے حکمرانوں کے احوال پر مشتمل ہے اور مرحوم مصنف نے اکثر مقامات اور عمارات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر تصنیف کیا ہے، مجھے پسند آیا ہے۔ یہ تمہاری مہربانی ہوگی، اگر وہ کتاب اپنے ہاتھ کی لکھائی سے صاف اور واضح طور پر مجھے لکھ کر دو۔ یہ حقیر اس کے حکم مطابق اللہ تعالیٰ (سبحانہ و جل شانہ) کے لطف و کرم میں امید رکھ کر، کتاب لکھنے میں مشغول ہو گیا اور اس کی مدد اور مہربانی سے آج تاریخ سات ربیع الآخر ۱۳۲۳ہجری نبوی (علیہ وعلیٰ آلہ الصلواۃ والسلام) مطابق گیارہ تاریخ جون ۱۹۰۵ء اتوار کے دن خیر و خوبی سے لکھ کر مکمل کیا اور خلیفہ میاں محمد احسان خان صاحب ولد مرحوم و مغفور میاں محمد پناہ صاحب، ولد رئیس محمد احسان، ولد گل محمد، ولد شیر، ولد شہہ بیگ (اللہ تعالیٰ کی مغفرت انہیں نصیب ہو) کو ہاتھوں ہاتھ دے دیا۔ صاحب موصوف ''لب تاریخ سندھ'' کی ہاتھ سے لکھی ہوئی نقل دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور راقم الحروف کو اپنی انتہا درجہ کی نوازشوں سے خوب نوازا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ جل شانہ کتاب کے مالک کو اور اس کی اولاد کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنے فضل و کرم سے سلامت رکھے۔ آمین ثم آمین۔

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ اجمعین۔

کتاب کی تصحیح

الحمد للہ۔ آج تاریخ ۲۷ رجب المرجب ۱۳۲۴ ہجری نبوی علیہ الصلواۃ، مطابق تاریخ ۱۷ دسمبر ۱۹۰۶ عیسوی علیہ السلام، پیر کے دن، مبارک کتاب ''لب تاریخ سندھ'' کی تصحیح کا کام، اس کتاب کے مالک جناب فیض مآب عالی ہمت و عالی مرتبت ذی شان رفیع مکان خلیفہ صاحب خلیفہ میاں محمد احسان خان کیہر زمیندار تحصیل لاڑکانہ اور رتودیرو (اللہ تعالیٰ اسے بڑی عمر اور بخت عطا کرے) کتاب کی نقل کرنے والے عبیداللہ فقیر گاد اور آخوند میاں غلام نبی کلھوڑو کی طرف سے اچھی طرح سے نظر ثانی کرنے کے بعد مکمل ہوا۔ جوالفاظ یا جملے پہلی دفعہ نقل کرتے ہوئے غلطی سے غلط لکھے گئے تھے، انہیں اب کتاب کے اصل نسخہ کے مطابق درست کر کے لکھا گیا ہے۔

نیاز الوجود

غلام النبی قوم کلھوڑہ

۲۷ رجب المرجب ۱۳۲۴ ہجری

حمد خدای پاک کہ ہمت ازو رسید
تصحیح این کتاب بدرجہ اتم رسید
بے عیب آمد است خداوند ذوالجلال
ما آن نوشتہ ایم کہ اندر نظر رسید۔

[☆اللہ تعالیٰ کا شکر ہے، جس نے ہمت دی اور اس کتاب کی اچھی طرح سے تصحیح ہوگئی۔
☆ بے عیب اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے۔ ہم نے وہ لکھا ہے، جو ہمیں نظر آیا ہے]۔

عبدہ عبیداللہ فقیر قوم گاد

ضمیمہ

سال ۶۵۰ ہجری کے شعبان المعظم کی ۲۱ تاریخ حضرت مخدوم لعل شہباز (اللہ تعالیٰ ان کی تربت کو روشن رکھے) نے وفات پائی۔

حضرت مخدوم لعل شہباز کا روضہ اطہر پہلے ملک اختیار الدین، جو سلطان فیروز شاہ سے پہلے سیوستان (سہون) کا حاکم تھا، نے ۷۵۷ ہجری میں تعمیر کروایا اور روضہ کی تعمیر کی تاریخ سے متعلق جو قطعہ مقبرہ کے پتھر پر کندہ کروایا تھا، وہ یہ ہے:

بعہد دولت فیروز شہ سلطان دین پرور
کہ خاکہ درگہش سازند شاہان جہان افسر
از آن گاہی کہ بر تخت شہنشاہی نشست آن شہ
سراسر گشت گیتی از شعاع دولتش انور
عمارت شد مقام شیخ عثمان پیر مروندی
ولی اللہ کہ او باز سفید بحر بود و بر
چہ زیبا بارگاہی شد بہشتی طاق بر گنبذ
کہ رنگ نئہ فلک گشتہ ز رنگ بام او اخضر
اگرچہ اولیا اندر زمان شیخ بس بودند
و لیکن در کرامت بود او از ہمگان برتر
بروز ہفتم از ماہ رجب مبنی شد این روضہ
بسال ہفتصد پنجاہ و ہفت از ہجرت مہتر
بنایش کرد والی اختیار الدین ملک ارشد
امیری عادل و باذل، تہمتن، ثانی اسکندر
کہ تابود است سیوستان نبودہ اینچنین والی
سخی و مشفق و مکرم، تقی پاک و دین پرور
امید آنست می باید جزای اینچنین خیری
ہزاران فیض در جنت ز فضل ایزد اکبر

[☆سلطان فیروز شاہ دین پرور بادشاہ کی حکومت میں، جس کی بارگاہ کی مٹی کو، دنیا کے لوگ اپنا تاج بناتے ہیں۔
☆جب سے یہ بادشاہ شہنشاہی کے تخت پر جلوہ افروز ہوا ہے، ساری دنیا اس کی بادشاہی کے نور سے منور ہوگئی ہے۔
☆ حضرت عثمان مروندی کا روضہ تعمیر ہوا ہے، جو ولی اللہ تھا اور بحر و بر کا باز سفید۔
☆ کیا خوبصورت درگاہ تعمیر ہوئی ہے، جس کا گنبد بہشت جیسے محرابوں سے آراستہ ہے اور نو ہی آسمانوں کا رنگ، اس کے بالاخانہ کے رنگ کے سامنے پھیکا ہے (یا بالاخانہ کے رنگ کی وجہ سے سبز نظر آتا ہے)۔
☆ اگرچہ حضرت قلندر کے زمانے میں اور اولیاء بھی بہت تھے، لیکن قلندر سب سے بڑے درجہ والے تھے۔
☆ یہ روضہ مبارک رجب مہینے کی سات تاریخ کو تعمیر ہوا اور وہ سال ۷۵۷ ہجری تھا۔
☆ یہ روضہ حاکم ملک اختیار الدین نے تعمیر کروایا، جو منصف مزاج حاکم، سخی، بہادر اور رتبہ میں سکندر جیسا تھا۔
☆ جب سے سہون شہر آباد ہوا ہے، ایسا حاکم نہیں ہوا، جو سخی، مہربان، بخششیں دینے والا، پرہیزگار اور خوش اعتقاد دیندار ہو۔
☆ امید ہے کہ اس طرح کے خیر کے کام کے بدلہ میں، اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہشت میں ہزاروں محل ملیں گے]۔

حضرت مخدوم لعل شہباز علیہ الرحمۃ کے روضہ کی تکمیل کے بعد، اس نے سید علی کا مقبرہ تعمیر کروایا، حضرت لعل شہباز کا خادم اور وزیر تھا، اور ولایت اور ہدایت کے درجہ پر پہنچا ہوا تھا۔ اس مقبرہ کے تعمیر کی تاریخ سے متعلق یہ قطعہ کہا گیا ہے:

شد بنای مرقد عالی بعہد شہر یار
شاہ فیروز آنکہ بگرفتہ است زو گیتی قرار
می سزد گر بندہ درگاہ آن گیتی پناہ
تا کند در سرفرازی بر سلاطین افتخار
بر سر قبر ولی اللہ علیؑ الحق علی
بود از بغداد اندر صفّ پاکان شہسوار
ہفتم ماہ صفر مبنی شد این مرقد بسال
ہفتصد پنجاہ و ہفت از ہجرت احمد شمار

کرد بنیادش ملک ارشد کہ او در عہد ما
ہست اندر عدل و بذل و خُلق و احسان نامدار
چونکہ ذات او درین شہر سوستان آمدہ
تازہ از سر گشت آن بقعہ بسان نو بہار۔

[☆ یہ عالی شان مقبرہ فیروز شاہ کے زمانے میں تعمیر ہوا ہے۔
جس کے طفیل دنیا نے امن وسکون حاصل کیا ہے۔
☆ اگر اس بادشاہ جہان پناہ کے دربار کا کوئی غلام خود کو دیگر بادشاہوں سے برتر سمجھے تو مناسب ہے۔
☆ ایک ولی اللہ کی تربت پر جس کا نام علی ہے،
جو دراصل بغداد کا ہے اور اولیاؤں کے گروہ کا شہسوار۔
☆ یہ مقبرہ ۷ صفر ۷۵۷ ہجری میں تعمیر ہوا ہے۔
☆ یہ مقبرہ ملک ارشد نے تعمیر کروایا ہے، جو ہمارے زمانے میں عدل، سخا، اخلاق اور احسان میں مشہور ہے۔
☆ وہ جب سے سہون میں آیا ہے، یہ علاقہ از سرِ نو باغ و بہار بن گیا ہے]۔

اس کے بعد مرزا جانی بیگ ترخانی کو اپنی سلطنت کے زمانے میں انتہا درجہ کی عقیدتمندی کی وجہ سے یہ توفیق نصیب ہوئی، کہ حضرت مخدوم لعل شہباز کے روضہ کو از سرِ نو بہت ہی بلند کر کے تعمیر کروایا، اور حقیقت یہ ہے کہ سارے سندھ میں ایسا موزوں اور خوبصورت روضہ کوئی دوسرا نہیں ہے۔ مرزا جانی بیگ کی وفات کے بعد اس کا بیٹا مرزا غازی بیگ جو دنیا میں سخا اور جوان مردی کی وجہ سے اس کا کوئی ثانی نہیں تھا، بادشاہ نورالدین محمد جہانگیر (اللہ تعالیٰ اس کی قبر کو خوشبودار بنائے اور اس کی جگہ جنت میں ہو) کی حکومت کے زمانے میں روضہ اطہر کی سامنے خانقاہ تعمیر کروائی، مگر اس کی عمر نے وفا نہیں کی اور تعمیر کا کام مکمل نہیں کروا سکا۔ بعد میں ۱۰۳۹ھ ہجری میں جب نواب والا جناب معلّی القاب امیر السادات سید بَہرہ عرف نواب دیندار خان بخاری نے سہون کو اپنی تشریف آوری کا شرف بخشا، تو خانقاہ کی تعمیر بھی مکمل کروائی، اور خانقاہ کے صحن کو، جو تقریباً ایک جریب اراضی کا ہوگا، کاشی کی رنگین اینٹوں سے مزیّن کروایا اور آرائش اور زیبائش کے لئے جو کچھ بھی ضروری تھا، وہ سب کچھ مکمل کروا کے، صحن میں ایک چھوٹی سی مسجد بھی بنوائی۔ صحن میں فرش کے تعمیر کی تاریخ کسی شاعر نے اس طرح مرتب کی ہے:

بدوران شہاب الدین جہان شاہ
جہان از عدل او خُر سند و آباد

شدہ تعمیر فرش عرش مسند
حسینی سید شہباز را یاد
قبول آمد بنای خان دیندار
در آن حضرت بعون طالع شاد
چہ گویم وصف آن صحن مقدس
بجای خشت، انجم چیدہ استاد
چو خواہی سال آن با چشم دانش
بمقطع بین کہ آمد سال بنیاد
یکی باشد ز "فرش مسند شاہ"
۱۰۴۰
دگر باشد ز "فرش جنت آباد"
۱۰۴۱

[☆ بادشاہ شہاب الدین شاہجہان کے دور حکومت میں،
جس کے عدل کی وجہ سے دنیا خوش اور آباد ہے۔
☆ فرش، جو رتبہ میں عرش کے برابر ہے، اس کے تعمیر کی یادآوری حسینی سید شہباز کو ملی۔
☆ دیندار خان کے تعمیر کردہ اس کے بخت کی یاوری سے قلندر کے حضور میں قبول ہوئی۔
☆ میں اس مقدس صحن کی کیا تعریف کروں، کاریگر نے اینٹوں کی بجائے ستارے سجائے ہیں۔
☆ اگر تو اس کا سال معلوم کرنا چاہتا ہے، تو مقطع پر نظر کر، جس سے اس کی تعمیر کا سال حاصل ہوتا ہے۔
☆ ایک سال ہے "فرش مسند شاہ"، دیگر ہے "فرش جنت آباد"]۔

(خانقاہ کے) دروازہ سے باہر ایک شاندار مسجد تعمیر کروائی، جس کے سامنے ایک چبوترہ اور اس کے نیچے فقراء کے لئے حجرہ بنوایا گیا ہے۔ درحقیقت اس طرح کی ہوادار، فرحت بخش اور دلکشا جگہ اس ملک میں دوسری نہیں ہوگی۔ اس دارالامان میں زمانہ کو فیض، بڑی کامیابی اور بے حساب روحانی راحت حاصل ہوتی ہے۔ اس کی تعمیر کی تاریخ کے لئے یہ قطعہ مرتب کیا گیا ہے:

بدور شہنشاہ شاہجہان
جہان از نوالش چو باغ بہشت
چو مسجد بنا کرد دیندار خان

بدرگاہ شہباز عالی سرشف
خرد گفت سالش ''چو بیت العتیق''
۱۰۴۲
دگر ''مسجد از شیخ بہوہ'' نوشت ۲
۱۰۴۳

[☆ شہنشاہ شاہجہان کے دورِ حکومت میں، جس کی سخا کی وجہ سے دنیا بہشت کا باغ بن گئی ہے۔
☆ جب دیندار خان قلندر شہباز کی درگاہ میں مسجد تعمیر کروائی۔
☆ تو عقل اس کی تعمیر کا سال ''چو بیت العتیق'' بتایا اور دوسرا ''مسجد از شیخ بہوہ'' لکھا۔

یہ احوال ایک کتابچہ ''تذکرۂ مشائخ سیوستان'' میں درج ہے، جو سید حاجی حسین علی شاہ سہوانی کا تصنیف کردہ ہے، اور یہاں بڑے بنگلے میں بیٹھ کر ۷ مئی ۱۹۰۵ء پر اس سے نقل کر کے، آج ۱۴ جون ۱۹۰۵ء پر اس کتاب میں درج کیا گیا]۔

ہر کہ خواند یا بہ بیند این کتاب
یاد دارد با دعائے مستجاب
قار یا برمن مکن چندیں کتاب
گر خطائی رفتہ باشد در کتاب
آن خطائی رفتہ را تصحیح کن
از کرم و اللہ اعلم بالصواب

[☆ یہ کتاب جو شخص پڑھے، وہ دعا کرے۔
☆ اے قاری! اگر کتاب میں کوئی غلطی رہ جائے، تو مجھے کچھ نہ کہنا۔
☆ از راہ کرم وہ غلطی درست کر لینا]۔

واللہ اعلم بالصواب۔

مخدوم چھٹو عمرانی (رحمۃ اللہ علیہ) کے والد کا نام عمران تھا، اس لئے وہ عمرانی مشہور ہوا۔ عمران تمیم قوم کے حاکموں سے برہمن آباد کا ایک حاکم تھا، جو سندھ میں ''باھرواہ'' کے نام سے

---

۲ پہلے مادۂ تاریخ کے اعداد ''۱۰۳۳'' ہیں، نہیں کہ ۱۰۴۲ (ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ)۔
ڈاکٹر نبی بخش کا نوٹ: ''دونوں تاریخوں کے اعداد درست نہیں ہیں۔''

مشہور ہے۔ کہا جاتا ہے کہ عمران کے دو بیٹے تھے ایک دلو رائے، جو بدکار آدمی تھا، اور دوسرا چھتو، جس کی پیشانی میں بچپن ہی سے سعادت اور ہدایت کا نور چمکتا تھا اور اپنی زندگی درویشوں کی صحبت اور خدمت میں صرف کرتا تھا۔ جب عمران فوت ہوا، تو اس کا جانشین دلو راءِ ہوا، اور مخدوم چھتو حرمین شریفین (زادھا اللہ شرفر وتعظیما) کی طرف روانہ ہوا، اور وہاں پہنچ کر بیت اللہ کے طواف اور روضۂ اقدس کی زیارت سے مشرف ہوا۔ اس مقدس ملک میں ایک مرشد کامل کی صحبت میں رہ کر، زیادہ وقت اس کی خدمت میں گذارا، تاکہ درجۂ کمال کو جا پہنچا اور خلافت کا خرقہ اور ہدایت کی اجازت حاصل کر کے، مرشد کے حکم سے روم کی طرف گیا، جہاں دریاء کے کنارے پر بیٹھ کرقرآن مجید کی تلاوت کرتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک کنیز وہاں سے پانی بھرنے کے لئے آئی اور دیکھا کہ درویش (مخدوم چھتو) قرآن مجید کی تلاوت اس طرح کر رہا ہے، جو پانی کا بہنا بھی بند ہو گیا ہے اور پرندوں کا اڑنا بھی بند ہو گیا ہے، کنیز بہت حیران ہوئی اور جا کر اپنی مالکن کو بتایا، جس کا نام فاطمہ تھا اور اپنے زمانے کی پرہیزگار بی بی تھی۔ بی بی صاحبہ کومخدوم کی زیارت کا شوق ہوا اور بڑی عزت اور تعظیم سے اسے بلوا کر، اپنے گھر کے برابر ایک جگہ میں رکھا، اور بہت عرصہ بعد غیبی اشارہ کے مطابق مخدوم سے نکاح کیا۔ بہت عرصہ گذرنے کے بعد مخدوم اپنی پاکدامن بی بی کے ساتھ برہمن آباد میں واپس آ کر رہنے لگا۔ دلوراءِ کو، جو برے کاموں میں مبتلا تھا، کئی ایک نصیحتیں کیں، لیکن اس نے سنی ان سنی کر دیں۔ حتیٰ کہ ایک دفعہ مخدوم کو اِلقاء (غیبی اشارہ) ہوا کہ ''اس شہر پر دلوراءِ کی بری حرکات کی وجہ سے مصیبت نازل ہونے والی ہے۔'' اس لئے مخدوم اپنے اہل وعیال اور کچھ معتقدین کے ساتھ برہمن آباد سے ہجرت کر کے، سیوستان (سہون) میں آکر مقیم ہوا اور مخلوق کی ہدایت میں مشغول ہو گیااور کچھ برسوں کے بعد اس کا انتقال ہو گیا۔ کہا جاتا ہے کہ مخدوم چھتو کا دور، مخدوم لعل شہباز کے دور سے پہلے تھا۔ مزید خدا بہتر جانتا ہے۔

شروع میں مخدوم چھتو کی تربت پر ایک چھوٹا سا قبہ تھا۔ پھر کسی شخص کو توفیق نصیب ہوئی، جس نے اس پر بڑا قبہ تعمیر کروایا۔ اس کے بعد نواب دیندار خان [3] مشرق میں بڑی اگیاڑی اور بڑی عمارت بنوائی اور مسجد، خانقاہ، حاطر اور دروازہ بھی مختصر، مگر اچھا بنوایا۔ دروازوں، دیواروں، اگیاڑی، مسجد اور خانقاہ کو کاشی کے رنگا رنگ اینٹوں سے سجایا اور مسجد اور خانقاہ کے درمیان والے صحن میں فرش بندی کروائی۔ تعمیر کی تاریخ درج ذیل قطعہ سے نکلتی ہے:

بدور شہنشاہ شاہجہان
خدیو خرد مند صاحبِ قرآن
چو خلد برین روضہ شاہ چھتہ
بنا کرد نواب دیندار خان

ز سال بنائش طلب داشتند
''بہشتی بروی ء زمین'' گفت آن
۱۰۴۳

[☆ شہنشاہ شاہجہان صاحب قرآن کے عہد حکومت میں، جو ایک داناء بادشاہ ہے۔
☆ نواب دیندار خان، شاہ چھٹو کا روضہ بہشت کی طرح تعمیر کروایا۔
☆ جب اس کی تعمیر کے سال سے متعلق پوچھا، تو کہا گیا کہ ''بہشتی بروی ء زمین (دنیا میں بہشت ہے]۔

سہون شہر کے باشندوں کا خیال ہے کہ جس کسی آدمی پر کوئی الزام لگے اور اسے قسم دینا ہو، تو مخدوم چھٹو کے روضہ پر اسے لے جایا جائے اور اس کی تربت کی مٹی سے ایک ذرہ لے کر پانی میں ڈال کر اسے پلایا جائے۔ اگر الزام جھوٹا ہوگا تو خیر ہی رہے گا، ورنہ وہ آدمی کسی مصیبت میں مبتلا ہو جائے گا۔

مخدوم چھٹو کے روضہ کے سامنے بی بی فاطمہ کی تربت ایک چھوٹے سے قبہ کے اندر ہے، جو ایک دیوار اور محراب کے پیچھے ہے۔ مردوں کو اور بے پردہ عورتوں کو اس حجرے میں جانے کی اجازت نہیں ہے۔

احقر العباد
عاصی عبداللہ فقیر گاد
تاریخ ۲۰ ذیقعد ۱۳۲۳ ہجری۔

۳؎ دیندار خان نہیں، بلکہ دوسرا کوئی شخص تھا (ن۔ب)۔ قطعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دیندار خان تھا (مترجم

فہرست

☆ فہرست اسمائے رجال

☆ فہرست عمارات، تعمیرات، شہر، بندرگاہ، ممالک و علاقہ جات

☆ فہرست کتب

فہرست اسمائے رجال

(آ)

آدم شاہ، میاں ۱۰۴، ۱۰۷

آدم علیہ السلام ۱۵٦

آذر ۱٦

آرام شاہ ۳۷

آلومل، رائے بہادر سیٹھ ۱۰۳

آؤٹرم ۱٦۱

(ا)

ابدال (بن ترین) ۱۱٦

ابراہیم علیہ السلام ۱٦

ابراہیم، سید ۹۳

ابن بطوطہ ۵۲

ابنا یامین (برادر حضرت یوسف علیہ السلام) ۱۱۳

ابوالبقا (امیر خان، نواب) ۹۵

ابوالخیر، خان بہادر ۱۰۱

ابوالعباس احمد بن اسحاق ۳۵

ابوالقاسم خان نمکین، نواب میر ۷۰

ابوالمکارم، سید ۹۵

ابوبکر شاہ، سلطان ۴۴

ابوجعفر منصور ۳۴

ابوطالب ۳۴

ابونصرت خان ۹۳

ابی جہل ۴۸

ابی کبشۃ السکسکی ۳۳ (حاشیہ)

احمد بن وداع ۲٦

احمد خان ابدالی ۱۱۰، ۱۱۴، ۱۱۵

احمد شاہ (پدر شاہ خیر الدین) ۱۴، ۱۳۳

احمد شاہ درانی، ابدالی خان ۱۱۰، ۱۱۳، ۱۱۵، ۱۱٦، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹

احمد یار خان ۹٦

احنف بن قیس ۳۱

اختیار الدین (رکن الدین) ۱۷، ۱۸

اختیار الدین، ملک ۲٦۳، ۲٦۴

اخلاص خانی (ملک رکن الدین) ۴۳

ادرا کی بیگلار ۵۴ (حاشیہ)

ادرک (بن بالی) ۱۱۴

ارسکین، مسٹر ۱۵۵، ۱۷٦، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۳،

۱۸۴، ۱۸۸، ۲۳۴، ۲۵۲
ارغون خان ۵۷
ارمیل (سومرو) ۴۵، ۵۵، ۵۶
اسٹاک، کیپٹن ۱۴۵
اسٹویک ۱۶۱
اسحاق بن مقتدر باللہ ۳۵
اسد خان، نواب ۷۱
اسماعیل علیہ السلام ۱۶
اسماعیل (بن پوپل) ۱۱۴
اسماعیل قلی خان، نواب ۶۹
اعتماد خان خواجہ سرا ۶۶
اعظم خان ۹۷
اکبر بادشاہ ۵۴، ۶۱، ۶۵، ۶۶، ۶۹، ۷۰، ۸۰،
۸۱، ۸۲، ۸۳، ۱۲۶
اللہ بخش خان، آنریبل میر ۲۰۱
اللہ بخش سومرو (خان بہادر) ۴۸
اللہ بخش شاکرانی ۹۲
اللہ داد (برادر خان بہادر خداداد خان) ۱۸۸
اللہ رکھیو خان ۱۰۲
اللہ رکھیو ناہر ۱۰۰
اللہ یار خان، میر ۹۶، ۱۲۷، ۱۲۸
التفات بیگ، میرزا ۲۱۷
التمش ۳۸
الف خان ترین، خان بہادر ۱۴۷
القادر باللہ ۳۴، ۳۵
الکو (بن زریک) ۱۱۴
اللہ یار خان ۹۶
الیاس، میاں ۱۰۴
الیونٹ، سر چارلس ۱۷۶، ۲۰۰، ۲۱۹، ۲۲۰،
۲۲۲، ۲۳۹
امام بخش خان (جتوئی) ۱۴۷
امام بخش خان، نواب سر ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۶۹
امیر حسن ۴۱
امیر حمزہ ۱۲۶
امیر خان، نواب (ابوالبقا) ۸۹، ۹۵
امیر علی خان، میر ۱۵۵
امیر علی شاہ، آنریبل سید ۱۸۲
امیر ولد میر عبدل ۶۵
امین الدین خان حسین، سید میر ۹۵
امین الملک ۱۵۵
انڑ ولد پاپیہ (جام) ۴۸
انوار ریٹی، مسٹر ۱۵۰، ۱۵۳، ۲۵۲

انور علی شاہ، سید ۵۹

اوتر (بن شرف الدین) ۱۱۴

اُدھارام ۱۸۰

اورنگ زیب عالمگیر ۲۷، ۹۰، ۹۳، ۹۶، ۱۰۰

الیونٹ، سرچارلس ۲۰۰، ۲۱۵، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۲، ۲۳۹، ۲۵۳

انگریز ۵، ۶، ۵۹، ۱۳۸، ۱۴۱، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۷، ۲۰۱، ۲۱۲، ۲۱۸ (حاشیہ)، ۲۱۹ (حاشیہ)، ۲۲۰

ایجرلی، مسٹر ۱۷۶، ۱۸۴، ۱۸۷، ۲۰۰

ایلجن، لارڈ ۲۱۳

ایلنبر و، لارڈ ۱۴۱

ایلیس، مسٹر ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۶، ۲۵۲

(ب)

بابر بادشاہ ۵۷، ۵۸

بارٹل فریئر، سر ۶۱، ۹۲، ۱۴۳، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۹، ۱۶۹، ۲۳۱، ۲۳۶، ۲۳۸، ۲۵۲

بارک (بن زیرک) ۱۱۴

باروز خان ۱۰۱

بازید خان، نواب ۷۰

باقر خان فوجدار ۲۷

بالی (بن پوپل) ۱۱۴

بانبھنیہ (پاپیہ) ۴۸، ۵۱

بایزید بخاری ۸۶، ۹۳

بجار خان، میر ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۵، ۱۲۸

بجیراء ولد چندر ۲۷

بچو خاصخیلی ۲۲۲

بڈھو بابا ۱۴۹

بڈھو بن کا کو ۲۷

بغی ۴۳

بقرا بیگ ۷۰

بلاذری ۳۳

بلاسس، مسٹر ۱۴۳، ۲۵۲

بلاول لیکھی ۱۰۷

بلقیس زمانی (حمیدہ بانو بیگم) ۶۱

بولٹن، کرنل ۲۵۲

بہادر شاہ ۹۶

بہاول خان، نواب ۱۱۸، ۱۴۴

بہاول خان ثانی ۱۰۱

بہاء الدین زکریا، شیخ ۱۴، ۴۱

بھائی خان ۹۷، ۹۸

بھبوت ٹھاکر سنگھ (پوکران) ۱۴۷

بھٹو ۴۵
بہرام خان، میر (کلمتیوں یا کلمتی) ۱۵۲
بہرام خان تالپور، میر ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۷، ۱۲۸
بھرتج (بن شرف الدین) ۱۱۴
بھلوگاہو ۲۲۲ (حاشیہ)
بہنو ۵۶
بھوت سنگھ ۱۰۲
بھونگر ۴۵
بھونگر ثانی ۴۶
بھونگر ثالث ۴۶
بی بی فاطمہ (زوجہ مخدوم شیخ چھٹہ عمرانی)
۲۶۸، ۲۶۹
بیگ محمد ۷۱
بیلی، سر لیوئس ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۵۵، ۱۷۸

(ت)

تاج الدین کافوری، ملک ۴۳
تاج الدین بلدوز ۳۸
تاج خان، نواب سید ۷۰
تاجے لیکھی ۱۰۷
تاری (یاری) ۴۵
ترخان گھرانہ ۵۹، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۷۳،
۷۴، ۸۸، ۹۹، ۱۰۱
ترسو خان ۶۵
ترین (بن شرف الدین) ۱۱۴
تغلق شاہ، سلطان ۴۴، ۵۰
تولی خان ۵۷
تیمور شاہ (بن احمد شاہ) ۱۱۱، ۱۱۴، ۱۱۹، ۱۲۲،
۱۲۵، ۱۲۹، ۱۳۱
تیمور صاحبقران (گورگان) ۴۴

(ٹ)

ٹالہ (جد ٹالپوران) ۱۲۶
ٹریور، آنریبل ۱۹۶، ۲۵۲
ٹیمپل، سر رچرڈ ۱۷۲
ٹھارو خان، میر (ولد میر فتح خان) ۱۲۵، ۱۲۷،
۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۷
ٹھل رام، رائے بہادر ۲۴۳
ٹیروٹ، کیپٹن ۱۵۲

(ث)

ثابت علی شاہ ۱۳۲

(پ)

پانجر ۱۶۱

پاروُمل خوبچند ۱۸۹

پاری (تاری) ۴۵

پالن، ڈاکٹر جان ۱۷۶، ۱۸۱، ۱۸۴

پائندہ بیگ، میرزا ۸۰

پٹھان ۳۷، ۱۰۵، ۱۴۷، ۱۸۵

پرچرڈ، سرچارلس ۱۸۴، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۸، ۲۰۰، ۲۳۵، ۲۴۳

پرنس آف ویلیس ۱۷۱

پرنگل، مسٹر ۱۴۳

پریڈی، میجر، ہینری ۱۴۲

پناہ علی شاہ معصومی، سید ۲۵۱

پنج باء (بن ابدال) ۱۱۴

پنہوں چنہ ۳۹

پنہوں خان ۲۸

پوپل (بن زیرک) ۱۱۴

پیاروخان ۱۰۱

پیٹن ۲۱۵

پیر بخش خان ترین ۱۴۷

پیر بخش وسان ۲۲۲ (حاشیہ)

پیر پگارو ۲۱۶ (حاشیہ)، ۲۱۸ (حاشیہ)

پیر پگارو (پانچواں) ۲۱۹ (حاشیہ)

پیر محمد، میرزا (صاحبقران) ۴۴، ۵۴، ۵۵

پیل، سرچارلس ۲۵۲

(ج)

جارج چھٹا، شہنشاہ ۲۱۹ ح

جام ابوالخیر ثانی ۱۰۰

جام ارباب خان ۱۰۰

جام انڑ ۴۸، ۴۹

جام بھنبھوخان ۱۰۰

جام پاپیہ ثانی ۴۹، ۵۰

جام تماچی ۴۹، ۵۰، ۵۱

جام جونو ۴۴، ۴۹

جام چنہ ۱۰۴

جام خیرالدین سمہ ۳ ۴

جام رائدن ۵۰

جام سکندر ۵۰

جام سنجر ۵۰، ۵۱

جام صلاح الدین ۵۰، ۵۳، ۵۷

جام علی شیر ۵۰

جام فتح خان ۵۰

جام فیروز ۵۳، ۵۷، ۵۸، ۵۹

جام کرن ۵۰

جام مراد علی خان جوکھیہ ۱۰۲
جام ننده (جام نظام الدین) ۱۲، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۶
جام ہیبت علی خان ۵۷
جان بابا، میرزا ۸۷
جان مالکم، سر ۱۱۰
جانی بیگ ترخان، مرزا ۱۹، ۵۴، ۶۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۴، ۸۵، ۲۶۵
جادوانی، مُلا ۸۴
جائیلس، آر ۲۲۶، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱
جبلہ ۲۴
جلال الدین حسن ۴۰
جلال الدین خلجی ۴۲
جلال الدین محمد اکبر (اکبر بادشاہ) ۵۴، ۶۵، ۸۲
جمال (برادر داؤد) ۶۱
جمال الدین، میاں ۱۳۴، ۱۳۵
جنید بغدادی ۱۵۶
جہاں خان ماچھی ۱۰۰
جہان خان، ملک ۵۶
جہان خان جت، ملک ۱۰۲
جہاندار شاہ (معزالدین) ۹۶
جہان شاہ ۱۹
جہانگیر ۷۰، ۷۱، ۸۶، ۸۸
جیسر ولد داھر (راؤ) ۲۶، ۳۳
جیسینہ (جیسر ولد داھر) ۲۶
جیکب، جنرل ۱۴۵، ۱۵۰، ۲۵۲
جیکسن، مسٹر ۱۹۶
جیمس. ایچ. ای. ایم ۷، ۹۲، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۹، ۲۱۴، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۶، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۲، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۳، ۲۵۴

(چ)

چاکر خان، میر ۱۲۷، ۱۲۸
چچ بن سیلائج ۲۲، ۲۳
چرکس خان ۸۳
چندر ۲۳، ۳۰
چنگیز خان ۴۱، ۵۷، ۵۸، ۶۳، ۸۴
چنیسر ۴۶، ۵۶

چوچک بیگم ۶۲
چھٹو عمرانی، مخدوم شیخ ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹
چھچھ (بجہ) ۳۹

(ح)

حاتم طائی ۶۴
حاجی خان مہر ۱۰۰
حام بن نوح ۱۱
حجاج بن یوسف ثقفی ۲۵، ۲۷، ۳۳
حُر ۲۱۵، ۲۱۶ (حاشیہ)، ۲۱۷، ۲۱۸ (حاشیہ)، ۲۲۲
خریمن بن عبدالملک بن تمیم ۳۱
حزب اللہ شاہ، پیر محمد ۲۰۶، ۲۱۹ (حاشیہ)
حسن (بن پوپل) ۱۱۴
حسن بصری ۵۷
حسن علی آفندی، خان بہادر ۱۸۲، ۱۸۸، ۱۹۵، ۲۰۱، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۲۲
حسین، حضرت امام (رضی اللہ عنہ) ۱۳۹، ۲۱۵
حسین علی خان، میر (ولد میر نور محمد خان) ۱۳۶
حسین علی شاہ ۳۶۷
حشمت رائے، رائے بہادر ۱۸۰، ۲۵۱
حضور احمد سلیم ۲۱۷ ح
حفیظ اللہ خان ۹۵
حکیم بن جبلہ ۲۴
حمید البحری ۳۱
حمید بن وداع ۲۶
حمیدہ بانو بیگم (بلقیس زمانی) ۵۹
حمیر سومرو ۴۶، ۵۵، ۵۶
حیدان ۱۵۰

(خ)

خاکی شاہ، سید ۵۹
خالد بن ولید ۱۱۳
خان جہان، نواب ۷۰
خان زاد خان ۹۳
خانزاد خان (سعد خان) ۹۵
خان محمد خان، میر (ولد میر علی مراد خان، میر پور خاص) ۱۳۷
خدا بخش خان ۲۸
خدا بخش کورائی بلوچ ۱۵۱
خداداد خان (افغان ترین، خان بہادر) ۶، ۷۱، ۱۴۵، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴،

۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲،
۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰،
۱۸۱، ۱۸۳، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹،
۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۷، ۱۹۸، ۲۰۲،
۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۲، ۲۱۳،
۲۱۴، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۵، ۲۲۷، ۲۲۸،
۲۳۱، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۴۰، ۲۴۱،
۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۱، ۲۵۴،
۲۵۵، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱

خدایار خان (میاں یار محمد) ۱۰۶، ۱۰۷

خدایار خان (میاں محمد سرفراز خان) ۱۲۱

خُریم بن عبدالملک تمیمی ۳۱

خسرو امیر ۴۱

خسرو، امیر چرکس ۸۳، ۸۴، ۸۵

خسرو خان ۴۲

خسرو ملک ۳۷

خفیف ۴۵

خفیف ثانی ۴۶

خلیج خان ۴۲

خلیفہ محمود ۱۳۳

خمیسو وسان ۲۲۲ ح

خنجر خان فوجدار ۲۷

خواجہ خضر ۱۱۴

خواجہ خطیر ۴۲

خواجہ لطف ۲۷

خیرا (کھیرا) ۴۵

خیرا (کھیرا ثانی) ۴۵، ۴۶

خیرالدین (عرف ''خیر شبون'') ۱۱۳

خیرالدین، شاہ ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۶۹

(د)

داراشکوہ ۷۲، ۹۳

داؤد ولد عمر شاہ ۶۰

داؤد ۶۱، ۱۰۴

داؤد بن علی ۳۴

داؤد بن نصر ۳۱

داؤد ثانی، میاں ۱۰۴

داؤد پوتہ ۱۰۱، ۱۰۴، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۱۰، ۱۱۸

داہر ولد چچ ۲۴، ۲۵، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۴۸

دریا خان ۵۳

دلاور خان، نواب ۱۱۳

دلورائے ۲۶۸

دلیر دل خان ۹۹

دودو ۴۵،۵۶
دودو ثانی ۴۵
دودو ثالث ۴۶
دودو چوتھا ۴۶
دوست محمد خان (امیر افغانستان) ۱۴۲، ۱۵۷
دولت خان لودھی ۸۱
دھتہ ۳۹
دھاچ کوریجو ۳۸
دھنی ڈنہ ۲۴۱
دیندار خان بخاری، نواب (سید بہوہ) ۱۹، ۲۰، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹
دین محمد، میاں ۱۰۶
دین محمد خان جلبانی، میاں ۱۳۳

(ڈ)

ڈفرن، لارڈ ۱۸۴، ۱۸۹، ۲۱۳
ڈکنسن، کیپٹن ۱۴۷
ڈلہوزی، لارڈ (مارکوئیس آف) ۱۴۳، ۱۴۴
ڈیول مل، رائے بہادر ۲۵۱

(ذ)

ذوالفقار علی خان، نواب ۱۱۱
ذوالفقار علی شاہ، نواب سید میر ۹۷
ذوالنون امیر ۵۷

(ر)

رابرٹس، ایڈی ۱۵۹، ۱۶۱
راجا داھر ۳۱
راس، کیپٹن ۱۵۵
راضو خان (رضا محمد خان) ۶، ۱۷۱، ۱۷۷، ۱۷۹، ۱۸۳، ۱۸۸، ۲۱۴، ۲۵۴
رانا بہتر سعتو راٹھور ۳۸
رانا جسودن ۳۹
رانا جیسر ۳۹
رانا جیوور یاہ ۳۹
رانا چنو ۳۹
رانا سیہڑ ۳۸
رانا صورت سنگھ ۱۰۲
رانا مہورت ۲۳
رانا وکیو ۳۹
رائے دیوانچ ۲۲
رائے سھارس دوم ۲۲
رائے سہارس ۲۲
رائے گھریول ۸۴

رتک (بن بالی) ۱۱۴
رتھبورن، کیپٹن ۱۴۲
رستم خان، میر (ولد میر سہراب خان خیرپور)
۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰
رستم خان ثانی، میر (خیرپور) ۱۴۰
رسول بخش (خان صاحب) ۹۲
رضا قلی میرزا ۱۱۴
رضا محمد خان (راضو خان، رفیع الدین)
سرھندی نقشبندی، پیر ۲۵۴، ۲۵۵
رکن الدین (عرف اختیار الدین) ۱۸
رکن الدین شاہ، سلطان ۵۱
رکن الدین، ملک (اخلاص خان) ۴۳
رکن الدین فیروز شاہ ۴۰
رنجیت سنگھ (حاکم سکھان پنجاب) ۱۳۱،
۲۱۶ ح
رنجیت سنگھ، بہاراول (والی جیسلمیر) ۱۴۷
رواح اسدی ۳۱
روو زیر، ایچ ۱۶۳، ۱۶۵
روشن علی شاہ، حاجی سید ۹۷
روی، ڈبلیو ایل ۱۹۹
ری، لارڈ ۱۸۳، ۱۹۰، ۱۹۴
رینالڈس، کرنل ٹی ٹوالمین ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷
رینڈال، کرنل ۱۸۶
ریو ۲۳۲

(ز)

زبردست خان ۹۵
زمان خان، میرزا ۷۲
زندہ علی بیگ ۷۱
زیرک (بن ابدال) ۱۱۴

(س)

سام (غوری) ۳۷
سدھو، میاں ۱۳۴
سربلند خان (میاں مراد یاب خان) ۱۱۶، ۱۱۷
سردار خان، ملک ۵۶
سردار خان، نواب ۷۰
سرکار بلند اقتدار (لقب میر مراد علی خان)
۱۳۲
سرکار جہان مدار (لقب میر مراد علی خان) ۱۳۲
سرور خان ۹۳
سرین ۱۱۳
سعادت خان ۹۳

سعادت خان، نواب ۱۱۱

سعداللہ خان ۹۵

سعد خان، نواب ۷۰، ۷۲

سعد خان (خانزاد خان) ۹۵

سعد علی، سید ۱۵۶

سعدی شیرازی ۴۸ (حاشیہ)

سعید خان (عطر خان) ۹۶

سعید محمد، میاں ۱۳۵

سفاح (عباس) ۳۴

سکندر (اعظم) ۱۱۰

سکندر ذوالقرنین ۱۱

سکندر شاہ، سلطان ۴۴

سکندر شاہ، سید (بن سید صبغت اللہ شاہ شہید)

۲۱۹ ح

سلطان حسن صفوی ۱۱۴

سلطان حسین ۸۶

سلطان خان ۱۰۰

سلطان محمد ۴۱

سلطان محمد شاہ تغلق ۴۹ (حاشیہ)،

۵۲ (حاشیہ)

سلطان محمود خان (کوکلتاشی) ۵۷، ۵۹، ۶۳،

۶۴، ۶۵، ۷۴، ۷۹، ۹۸، ۹۹

سلیڈن، جی ۹۶، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۲۰، ۲۲۷،

۲۲۸، ۲۳۸

سلیمان علیہ السلام ۳۵

سلیمان درزی ۱۴۹

سلیمان بن عبدالملک ۳۳، ۳۴

سلیمان خان (ککو، ککو خان) ۱۲۶

سلیمان یزید بن ابی کبشتہ السکسکی ۳۳

سمندر خان ۱۱۳

سمنی ۲۶، ۲۷

سنجر ۵۰

سینڈھرسٹ، لارڈ ۲۰۱، ۲۱۹، ۲۲۶، ۲۴۵

سنگھار ۴۵

سورج دیوی ۳۰

سومرا ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸،

۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶

سوہندی ۲۳

سہراب خان، میر (ولد میر چاکر خان) ۱۲۵،

۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۴۱

سید ابوالفضل ۶۵

سید احمد بریلوی، مجاہد اعظم ۲۱۶ (حاشیہ)،

۲۱۷ (حاشیہ)، ۲۱۸ (حاشیہ)
سید اسماعیل ۱۴
سیف الملوک ۳۷
سید بہرہ، نواب دیندار خان بخاری ۲۶۵
سید حسن ٹھٹوی ۵۵
سید سیونی (؟) امام مسقط ۱۴۷
سیف اللہ خان ۹۸
سید عزت خان، نواب ۷۳
سید علی (خادم) ۲۶۵
سید علی بن موسیٰ ۳۴
سید علی شاہ ۱۲۴
سید غالب ۱۴
سید کبیر ۱۴
سید محمد فوجدار ۷۱
سید میر محمد مکی رضوی ۳۵
سید محمد میر ۶۵، ۶۶
سید منتخب ۱۴
سید منصور ۱۴
سید مہدی ۱۴
سید ہادی ۱۴
سیلانچ ۲۳

(ش)

شاکر خان ۹۶
شالسٹوئرٹ ۱۴۶، ۱۵۰
شاہ بلاول ۱۶۸
شاہ بیگ ارغون، مرزا ۵۳، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۶۳، ۶۴، ۷۴
شاہ جہان ۱۹، ۲۰، ۷۱، ۷۲، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۳، ۹۵، ۲۶۷
شاہ حسن ارغون، مرزا ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۷۳
شاہ رخ مرزا ۱۱۴
شاہ زمان ۱۲۹
شاہ قلی خان، نواب ۷۱
شاہ قلی خان (نور محمد خان) ۱۰۹، ۱۱۰
شاہل محمد (میاں شاہلی) ۱۰۵
شاہل (میاں شاہ محمد) ۱۰۴
شاہ محمد خان، میر (ولد علی مراد خان، میرپور خاص) ۱۳۷
شاہ مردان شاہ (شمس العلماء) ۱۳۳، ۲۱۹ح، ۲۲۳، ۲۲۹، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۸
شاہنواز خان (نور محمد عباسی، میاں) ۱۱۵

شاہنواز خان، ہز ہائینس ۲۱۴
شاہ وردی خان (میاں غلام شاہ) ۱۱۸
شجاع الملک، شاہ ۱۳۲، ۱۶۰
شرف الدین عرف شیر حیوان ۱۱۳
شریف الملک (شریف خان) ۸۶، ۸۷
شکر اللہ شیرازی، میر ۵۵
شکر گنج علیہ الرحمت ۱۲
شمس الدین، سید ۱۴
شمس الدین التمش ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱
شوکانی رحمۃ ۲۱۶ ح
شہاب الدین ۱۹
شہاب الدین ولد قاسم ۳۷
شہاب الدین سہروردی، شیخ ۱۵۶
شہاب الدین، شاہ جہان ۲۶۶
شہاب الدین عمر ۴۲ (حاشیہ)
شہاب الدین محمد غوری ۳۷
شہداد خان، میر (ولد نور محمد خان، حیدرآباد)
۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۳۶، ۱۳۸، ۱۳۹
شیبان بن عثمان ثقفی ۳۱
شیخ ابراھیم قلعدار ۳۷
شیخ احمد ۲۷
شیخ جلال جہانیاں (اُچ) ۱۴
شیخ منصور ۱۴
شیر ابن شہبیگ ۲۶۱
شیرانی (بن شرف الدین) ۱۱۴
شیر خان ترین (شیر سندھ) ۱۷
شیر محمد خان ۱۳۷
شیر علی خان، امیر (والیء افغانستان) ۱۵۹،
۱۷۷، ۱۸۵، ۲۰۲
شیر علی خان، سردار (والیء قندھار) ۱۷۲،
۱۸۰، ۲۱۴، ۲۲۵
شیر محمد ۹۲
شیر محمد خان، میر (''شیر سندھ'' ولد میر علی مراد
خان، میر پور خاص) ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰،
۱۴۲، ۱۶۱
شیر و سلطان، نواب ۶۹
شیون، ای ۲۰۴

(ص)

صابر شاہ ۱۱۵
صابر علی شاہ، سید ۹۲
صاد ۴۵
صادق خان، نواب ۶۹، ۷۰

صادق علی، میاں ۱۲۳

صادق علی خان، سید میر ۳ ۷

صادق علی خان، نواب ۹۹، ۱۰۷

صادق محمد خان، نواب ۸۰، ۱۱۲

صالح (بن بالی) ۱۱۴

صالح بن عبدالرحمان ۳۳

صبح صادق (والیء بہاولپور) ۱۷۰

صبح صادق خان ۱۰۱

صبغت اللہ، سید ۲۱۶، ۲۱۷ (حاشیہ)،

۲۱۸ (حاشیہ)، ۲۱۹ (حاشیہ)

صبغت اللہ شاہ ثانی ۲۱۹ (حاشیہ)

صبغت اللہ شاہ شہید ۲۱۹ (حاشیہ)

صدرالدین، شیخ ۴۱

صدرالدین شاہ، سلطان ۵۱

صدو (بن بالی) ۱۱۴

صلاح الدین (جام) ۵۱

صلاح الدین شاہ، سلطان ۵۱

صمصام الدولہ (نواب بہاول خان) ۱۱۸

صوبدار خان، ملک ۵۶

صوبدار خان، میر (اول) ۱۲۰، ۱۲۷، ۱۲۸،

۱۳۱

صوبدار خان ثانی، میر (''سرکار حشمت مدار''

ولد میر فتح علی خان) ۱۳۶، ۱۳۸، ۱۳۹

صوبدار خان نہمردی، ملک ۱۰۲

(ط)

طائی ۴۶

طائی بن محمد ۳۱

طاہر محمد نسیانی، سید ۵۵

(ظ)

ظفر خان ۹۳

ظفر علی شاہ، پیر ۲۴۴

ظہیرالدین بابر، شاہ ۶۰

(ع)

عادل خواجہ اصفہانی ۶۴

عامر بن عبداللہ ۳۳، ۳۴

عباس رضی اللہ عنہ ۳۴، ۱۰۳

عباس (سفاح) ۳۴

عباس علی خان، میر حیدرآبادی ۱۴۰

عبدالحسین خان، میر ہر ہائینس (حیدرآباد)

۱۴۰، ۲۱۴

عبدالحمید خان (ولد خداداد خان) ۲۴۶، ۲۴۸

عبدالرحمٰن خان، امیر (والیء افغانستان)
۲۲۰، ۲۲۱
عبدالرحیم خان، خان خانان ۷۰، ۸۰، ۹۷
عبدالرزاق (وزیر محمود غزنوی) ۳۶
عبدالرزاق معموری (نواب مظفر خان) ۹۲
عبدالرشید (قیس) ۱۱۳
عبدالعزیز، ملک ۴۳
عبدالعلی ترخان، مرزا ۷۱
عبدالقادر جیلانی، غوث اعظم ۱۲۴، ۱۳۳، ۱۵۶
عبداللہ ۳۴
عبداللہ بن علی عباس ۳۴
عبداللہ خان بروھی قلاتی ۱۰۷
عبداللہ خان قلعدار ۷۲
عبداللہ خان، میر ۱۲۵، ۱۲۸
عبداللطیف (غلام زادہ) ۸۳
عبدالملک ۳۳
عبدالملک بن مروان ۲۴
عبدالملک تمیمی ۳۱
عبدالنبی، میاں ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۵، ۱۲۸
عبدالواحد، خواجہ ۷۲
عبدالوھاب ۲۱۶ (حاشیہ)
عبیداللہ فقیر گاد ۲۶۱، ۲۶۲
عثمان رضی اللہ عنہ ۲۴
عثمان سندھی قاضی ۲۱۶ ح
عثمان مروندی (میمندی) عرف شہباز قلندر
۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۴۱، ۴۳،
۲۶۴
عدی بن حاتم طائی ۶۴
عزت خان ۱۲۲
عزت خان، سید (فوجدار) ۷۱، ۹۳
عزیز علیہ السلام ۱۵۶
عصام بن ابی جہل ۴۸
عطائی خان، نواب ۱۱۳
عطر خان (سعید خان) ۹۶
عطر خان (ولد احمد یار خان) ۹۶
عطر خان، محمد (ولد نور محمد خان عباسی) ۱۱۶، ۱۲۲
عقیل ثقفی ۲۵
عکرمہ بن عصام ۴۸
علاؤالدین خلجی، سلطان ۴۲
علی رضی اللہ تعالیٰ عنھم ۲۴، ۱۰۸
علی ابن الشیخ محمد بن عبدالوھاب ۲۱۶ ح
علی افشار ۱۱۰

علی اکبر ارغون، میر ۵۷
علی اکبر شیخ ۵۹
علی بن عباس ۳۴
علی جان (بن بالی) ۱۱۴
علی شیر ۴۹
علی شیر قانع، میر ۵۵
علی شیر، ملک ۴۳، ۴۴
علی گوھر شاہ، سید (ولد سید صبغت اللہ شاہ اول) ۲۱۹ (حاشیہ)
علی گوھر شاہ ثانی، شمس العلماء ۲۱۷ ح، ۲۲۲، ۲۲۳
علی محمد بیگ، نواب مرزا ۱۰۷
علی مددخان، میر (میر نصیر خان خیر پوری) ۱۴۰
علی مرادخان بلدی (یابردی) میر ۱۰۱
علی مراد خان میر (ولد میر ٹھارو خان، میر پور خاص) ۱۳۷
علی مراد خان، سر میر (ولد میر سہراب خان خیر پوری) ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۴۱، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۶، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۸۰، ۱۸۳، ۱۹۰، ۱۹۶، ۲۰۹، ۲۲۶
علیکہ ارغون، میر ۵۷
عمر ۴۵، ۵۶
عمران ۲۶۷، ۲۶۸
عمر ثانی ۴۶
عمر سومرو ۴۶
عمر شاہ سہتو ۶۰
عمر شیخ ۶۰
عمر فاروق رضی اللہ عنہ ۲۴
عیسیٰ خان کوچک، مرزا ۸۷
عیسیٰ خان، مرزا (ترخانی) ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۷۴، ۷۵، ۷۹، ۸۵، ۸۷
عیسیٰ خان، ملا (وکیل امام مسقط) ۱۵۲

(غ)

غازی ملک ۴۲
غازی بیگ ترخان، مرزا ۱۹، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۲۶۵
غرغشت ۱۱۳
غضب (بن پوپل) ۱۱۴
غضنفر خان ۹۳
غلام النبی کلھوڑو، آخوند میاں ۲۶۲
غلام حسین جت ۵۶
غلام حسین خان، ملک ۱۰۲

غلام حسین عباسی، میاں ۱۲۳
غلام خان، نواب ۱۱۳
غلام دستگیر ۱۸۸، ۱۹۵
غلام رسول خان ۱۱۳
غلام رسول خان، کرنل ۲۲۱
غلام سرور خان ۱۱۳
غلام شاہ خان کلھوڑو، میاں ۱۲، ۸۱، ۱۰۹، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۳۰
غلام شاہ کرمتی (یا کلمتی) ملک ۱۰۲
غلام صدیق خان، نواب ۱۱۱، ۱۱۲
غلام علی خان، میر (ولد میر صوبدار خان) ۱۳۱، ۱۳۶
غلام محمد میاں ۱۳۵
غلام محی الدین جیلانی، پیر ۲۳۹
غلام مرتضیٰ شاہ ''مرتضوی'' ۹۷، ۲۵۶
غلام مصطفیٰ خان، ڈاکٹر ۲۱۷ ح
غلام مصطفیٰ، نواب سید ۳۷
غلام نبی، میاں ۱۲۱، ۱۲۲، ۲۶۲
غوث الثقلین (حضرت عبدالقادر جیلانی) ۱۳۳
غیاث الدین بلبن ۴۱، ۴۲
غیاث الدین تغلق ۴۲، ۴۳
غیاث الدین غوری ۳۷
غیبی خان ثانی ۱۰۲

(ف)

فاطمہ سلطان بیگم ۱۱۴، ۱۲۹
فاضل خان کوکلتاش، میر ۵۷، ۶۴
فتح خان، نواب (صوبدار بکھر) ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹ ح
فتح خان تالپور، میر ۱۲۵، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۷
فتح خان، ہز ہائینس حاجی میر (ولد شیر محمد خان، میر پور خاص) ۱۴۰، ۲۱۴
فتح خان جتوئی، وڈیرہ ۱۰۱، ۱۴۷
فتح علی خان، میر (ولد میر صوبدار خان) ۱۲۷، ۱۳۶
فتح علی شاہ سیوانی، سید حاجی ۲۰
فتلو قاضی ۲۲۲ ح
فٹز جیرالڈ ۱۶۳
فرخ سیر ۱۰۶
فرگوسن، سر جیمس ۱۸۰
فریدالدین شکر گنج پاک پتنی ۱۴، ۴۱

فریئر، سر بارٹل ۱۴۳، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۹،
۱۶۹، ۲۳۱، ۲۳۶، ۲۳۸، ۲۵۲
فضل برمکی ۳۴
فقیر محمد بزنجہ، میر ۱۵۲
فلاں قاصائی ۲۲۲ ح
''فوجدار سندھ'' (نصر) ۴۳
فیروز شاہ (تغلق) سلطان ۱۷، ۱۸، ۵۱،
۲۶۳، ۲۶۴
فیض محمد ۱۷۴
فیض محمد، خان بہادر (ولد دھنی ڈنہ) ۲۳۶،
۲۴۱
فیض محمد خان، ہز ہائینس سر میر (ولد میر علی
مراد خان خیرپوری) ۹۲، ۱۹۳، ۲۰۹، ۲۲۰،
۲۲۶، ۲۴۳

(ق)

قادردادا ۲۰
قادرداد خان، خان بہادر ۲۰۹
قاسم بن محمد ۲۳
قاسم خان نمکین، نواب ۸۹
قاضی خان، نواب ۷۰
قباچہ، ناصر الدین ۳۸
قباد خان ۹۳
قطب الدین ایبک ۳۷
قطب الدین مبارک ۴۲ (حاشیہ)
قلع خان ۴۰، ۴۱
قلندر (بن پوپل) ۱۱۴
قیس ۲۹، ۳۰
قیس عرف عبدالرشید ۱۱۳
قیصر خان مگسی ۱۰۲

(ک)

کاکو ولد کوتک ۲۷
کاکو ولد کوتل ۲۷
کامران، مرزا ۶۲
کرافورڈ، کرنل ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۲۰۰،
۲۲۰، ۲۲۱، ۲۵۳
کرزن، لارڈ ۲۴۲، ۲۵۰
کرم علی خان (''ملقب سرکار عظمت مدار'' ولد
میر صوبدار خان) ۱۳۱، ۱۳۲
کشلو خان (خسرو خان) ۴۲
ککو خان عرف سلیمان خان ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸
کلارک، سر جارج ۱۴۳، ۱۵۰، ۱۵۱
کمال (برادر داؤد) ۶۱

کننگھام، ڈبلیو، جی ۲۰۴
کوتل ۲۷
کھیرو (خیرو) ۴۵
کھیرو (خیرو) ثانی ۴۵، ۴۶
کیبک ارغون ۵۷
کیخسرو خان ۹۱ (حاشیہ)
کیقباد، سلطان معزالدین ۴۲ (حاشیہ)
کیمال، کیپٹن ۱۵۱
کینڈل ۲۲۹، ۲۳۲

(گ)

گارڈن، ایوانس ۱۸۶، ۱۸۷
گجن شاہ ۱۰۴
گرین، میجر مالکم ۱۵۳
گرین، ولیم ۱۵۱
گرین، میجر ہنری ۱۵۱، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۶۴، ۱۷۸، ۲۳۵، ۲۴۸، ۲۵۲
گل حسن خان ٹالپور، میر ۲۴۷
گل محمد ابن شیر ۲۶۱
گل محمد شاہ باجارائی، سید حاجی ۲۰
گلاں ۱۱۷
گنگا ۴۶
گوپی ناتھ ۳۷
گولڈ اسمڈ، سر فریڈرک ۱۴۵، ۱۴۷، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۶۲، ۱۶۴، ۱۷۱، ۱۷۸، ۲۰۲، ۲۰۵، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۴۸
گولڈنی، کیپٹن ۱۴۲
گیبس، آنریبل سر ۱۵۰
گیسو خان ۶۵
گیلے ۲۶

(ل)

لاڑی ۲۹
لارینس ۲۲۴
لالر، ڈاکٹر ۱۵۱
لامبرٹ، کرنل ۲۵۲
لشکر خان ۹۳
لطف علی خان، نواب (شجاعت علی خان) ۹۷
لعل خان ۹۳
لعل شہباز ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۸
لودرہ ۳۵
لیٹن، لارڈ ۱۷۰
لیلاں ۴۵
لینسڈون، لارڈ ۲۰۴

لیوکس ۱۹۶،۲۰۶،۲۲۰،۲۳۵

(م)

ماچھی سولنگی ۳۰،۳۹،۵۹،۱۰۰

مارسٹن، کیپٹن ۱۴۲

مارشئین، جنرل ۲۰۱

مانک خان ۱۲۶،۱۲۷،۱۲۸

ماہ بیگم ۶۳،۷۹

مبارک (غلام) ۵۰

مبارک خان، میر (ولد میر سہراب خان) ۱۳۷،۱۳۸

مبھین ۱۱۳

محفوظ خان ۱۲۲

محمد (ﷺ) ۲۲،۲۳،۲۴،۶۶، ۷۸،۱۰۳، ۱۲۶،۲۱۱،۲۱۵،۲۲۵

محمد احسان ولد گل محمد ۲۶۱

محمد احسان خان ۲۶۱،۲۶۲

محمد اکبر خان، سردار (ولد امیر دوست محمد خان) ۱۴۲

محمد اکرم حکیم، میر ۷۳

محمد امیر، سید ۶۶

محمد ایوب خان، سردار (ولد امیر شیر علی خان والیٔ کابل) ۱۸۵،۱۸۶،۱۸۷،۲۰۲

محمد باقی، مرزا (ترخان) ۶۴،۶۵،۷۴،۷۹، ۸۰

محمد بخش (ولد اللہ رکھیو ناہر) ۱۰۰

محمد بخش، میاں (ولد حاجی خان مہر) ۱۰۰

محمد بن عبدالوہاب ۲۱۶ ح، ۲۵۷ ح

محمد بن قاسم (ثقفی) ۲۳،۲۵،۲۷،۲۸،۲۹، ۳۰،۳۱،۳۲،۳۳،۴۸

محمد بن موسیٰ ۳۱

محمد پناہ، میاں ۲۶۱

محمد جعفر صادق علیہ السلام ۱۴

محمد جعفر تھانیسری ۲۱۸ (حاشیہ)

محمد حسن علی، آنریبل خان بہادر ۱۸۲

محمد حسن علی خان، ہز ہائینس میر (ولد میر نصیر خان، حیدرآباد) ۱۳۹،۱۴۰،۲۱۳،۲۱۴

محمد حسین علی خان، میر (ولد نور محمد خان، حیدرآباد) ۱۳۸،۱۴۰

محمد خان، میر (''سرکار عالی مدار'' ولد میر غلام علی خان) ۱۳۱،۱۳۶،۱۳۸

محمد خان چانڈیو، وڈیرہ ۱۰۲

محمد خان (بن غلام شاہ عباسی) ۱۲۱،۱۲۲

محمد خان، میر ۱۳۹
محمد خان، نواب ۷۱
محمد خلیل، خواجہ ۹۶
محمد راشد رحہ ۱۳۳
محمد رئیسانی، ملا (سردار سراوان) ۱۶۹
محمد زمان ۱۱۴
محمد سرفراز خان، میاں (خدا یار خان) ۱۱۹،
۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۷
محمد شاہ تغلق، سلطان ۴۹ (حاشیہ)
محمد شاہ، سلطان ۱۷، ۴۲، ۴۳، ۴۴
محمد شاہ، غازی ۹۷، ۹۹، ۱۰۸
محمد شریف، حافظ ۵۸
محمد شریف، خواجہ ۷۲
محمد صادق خان ۸۰
محمد صادق شاہ لکیاری حاجی ۲۰
محمد صالح شاہ، پیر ۲۳۹
محمد طور ۴۵
محمد عاقل ''عاقل'' ۲۵۹
محمد عطر خان ۱۱۶، ۱۲۲
محمد علی فوجدار ۷۱
محمد عمر خان ۱۱۳
محمد مراد افغان، خان بہادر ۱۸۲
محمد ناظر، میر ۷۲
محمد ہاشم، سردار ۲۱۳، ۲۱۴
محمد یعقوب خان، خان بہادر سردار ۲۲۳
محمد یوسف خان، نواب ۷۱
محمود، حاجی (گاد) ۲۶۱
محمود خان، میاں ۱۲۲
محمود غزنوی ۳۶، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵
مدد خان، نواب ۱۱۳
مراد بخش شہزادہ ۷۲
مراد خان، خان بہادر ۱۵۰
مراد علی خان، میر (سرکار بلند اقتدار) وسرکار
جہان مدار'' ولد میر صوبدار خان) ۱۳۲، ۱۳۶،
۱۳۸، ۱۳۹
مراد علی شاہ، سید ۱۵۵
مرادیاب خان، میاں (سر بلند خان) ۱۰۹،
۱۱۶، ۱۱۷
مرتد خان (مرید خان) ۹۴
''مرتضوی'' سید غلام مرتضیٰ شاہ ۹۷
مرزا غازی بیگ ترخانی ۲۶۵
مروان ۲۴

مروان بن محمد ۳۴
مرید خان ۹۳، ۹۴
مسعود سلطان (ولد محمود غزنوی) ۳۶
مسعود ثانی، سلطان (ولد محمود غزنوی) ۳۶
مسعود شاہ ۴۰
مَسو خان، میر ۱۲۷، ۱۲۸
مصطفیٰ (ﷺ) ۹۰
مصطفیٰ خان، مرزا ۸۶
مصطفیٰ شاہ، پیر ۱۲۴
مصلح الدین سعدی شیرازی ۴۱
مظفر خان (میر عبدالرزاق معموری) ۹۲
معبود ولد آگرہ (رانہ جسودن) ۳۹ (حاشیہ)
معروف قاضی ۵۱
معزالدین جہاندار شاہ ۹۶
معزالدین کیقباد، سلطان ۴۰، ۴۲
معزالدین محمد ۴۰
معصوم بکھری، میر محمد ۵۱، ۵۴، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۸۰، ۸۱
مقصود خان، نواب ۱۱۱
مقیم بیگلار، سلطان ۵۷
ملا میر سبزواری ۸۹
ملباری، حاجی ''کوکن'' ۱۶۱
ملک، خلیج ۳۸
ملک رتن ۴۹
ملک علی شیر ۴۲
ملکہ معظمہ انگلستان (وکٹوریہ) ۱۴۲، ۱۸۲، ۱۸۹، ۱۹۶، ۲۳۵
منصور خان، نواب ۱۱۱
منگھی، پیر حاجی ۱۶۸
منگھا رام، دیوان ۱۷۴
مودود (ولد مسعود غزنوی) ۳۶
مور جان ۱۵۵، ۱۵۹، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۹۶
موسیٰ علیہ السلام ۱۶، ۴۷، ۲۲۴
موسیٰ (برمکی) ۳۴
موسیٰ بن یعقوب ۳۱
موسیٰ بن شیبان ۳۱
موسیٰ بن ہامان ۳۴
موسیٰ خان، نواب ۱۱۳
مولا داد خان، نواب ۱۱۳
مول ۴۶
مہدی ابوالعباس ۳۴، ۳۵

مہرہ بن حیدان ۱۵۰ح

مھین خان ۹۶

میاں ابراھیم ۱۰۴

میاں الیاس ۱۰۴، ۱۰۵

میاں خان ۱۰۴

میاں داؤد ۱۰۴

میاں رانبن ۱۰۴

میاں شاہ محمد (عرف شاھل) ۱۰۴

میاں شاھلی (عرف شاھل محمد) ۱۰۴

میاں صاحب ۱۰۴

میاں طاھر ۱۰۴

میاں محمد ۱۰۴

میانہ (بن شرف الدین) ۱۱۳، ۱۱۴

میر، کرنل ۱۸۴

میر خان، جام (حاکم لس بیلہ) ۱۵۲، ۱۷۰

مرزا انور (ولد خان اعظم) ۷۰

مرزا حسینی ۷۱

مرزا رستم ۸۶

مرزا لعل بیگ فوجدار ۷۲

میر عبدل ۶۵

میر فاضل کوکلتاش ۶۴

میر محمد خان (ولد میر غلام علی خان) ۱۳۶

میران سید جاون ۷۲

میری ویدر، سر ولیم ۱۶۷، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۵،
۱۷۸، ۲۰۲، ۲۲۳، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۴۸

میگڈالن، کیپٹن ۱۴۶

میکسملر، مسٹر ۱۵۵

میکنزی ۲۲۷، ۲۲۸

میکیور ۲۲۰

میلول، ایم ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۸، ۲۳۴، ۲۳۵

میندھرو (مدھرہ) ۵۶، ۶۰

مینیسفیلڈ، ایس ۱۲۴، ۱۵۵، ۱۵۹، ۱۶۱، ۱۶۲،
۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۷۲، ۲۰۲، ۲۱۹

میو، کرنل ۱۹۷

میو، لارڈ ۱۷۰

میولیس، مسٹر ۱۸۴، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶،
۲۵۰، ۲۵۱

میہو کرنل ۱۸۷

(ن)

نادر شاہ ۱۳، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۳، ۱۱۴،
۱۱۵

نارتھ بروک، لارڈ ۱۷۰

نارتھ کورٹ، لارڈ ۲۴۵
ناصرالدین خسرو ۴۲ (حاشیہ)
ناصرالدین قباچہ ۳۸، ۳۹
ناصرالدین محمود ۴۰
ناؤن مل، سیٹھ ۱۴۹، ۱۵۹، ۱۶۰
نبی بخش خان بلوچ، ڈاکٹر ۱۶، ۲۳، ۲۴،
۶۹ (حاشیہ)، ۲۱۵ (حاشیہ)، ۲۱۶ (حاشیہ)،
۲۱۷ (حاشیہ)، ۲۱۹ (حاشیہ)، ۲۲۲ (حاشیہ)،
۲۲۴ (حاشیہ)، ۲۵۹ (حاشیہ)، ۲۶۷ (حاشیہ)
نرمل دیوی ۳۰
نسیانی (صاحب تاریخ طاہری) ۶۴، ۷۹، ۸۲
نصر (فوجدار سندھ) ۴۳
نصر بن ولید عمانی ۳۱
نصراللہ خان، سردار (بن امیر عبدالرحمان خان
والیٔ افغانستان) ۲۲۰، ۲۲۱
نصرت خان ۹۵
نصرت شاہ، سلطان (؟ سلطان ناصرالدین)
۴۴
نصیر خان، میر (ولد میر مبارک خان، خیرپور)
۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰
نصیر خان، میر ''سرکار فیض آثار'' (ولد میر مراد
علی خان حیدرآبادی) ۱۳۶، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰
نصیر علی خان (بھتیجہ خداداد خان) ۲۴۶
نصیر محمد، میاں ۱۰۵، ۱۰۶
نظام الدین، جام (عرف جام نندہ) ۵۱
نظام الملک (وزیر سلطان شمس الدین التمش)
۳۹، ۴۰
نظام الدین شاہ، سلطان ۵۱
نظام الملک ۳۹، ۴۰
نواب خواجگی ۷۲
نوح علیہ السلام ۱۱
نوح، مخدوم ۱۶۸
نورالدین محمد ۴۰
نورالدین محمد جہانگیر بادشاہ ۲۶۵
نور جہان، بیگم ۷۰، ۷۱
نور شاہ، سید ۱۴
نور محمد خان، عباسی، کلھوڑہ (شاہ نواز خان)
۱۲، ۹۹، ۱۰۷، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۲۱
نور محمد خان (ولد میر حسن علی خان، حیدرآباد)
۱۴۰، ۲۱۴، ۲۲۷
نور محمد خان، میر (''سرکار عالی مدار'' ولد میر
مراد علی خان) ۱۳۶، ۱۳۸

نور محمد خان جلبانی ۱۳۳
نوشیروان ۱۸۴
نیپیر، سر چارلس ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۱، ۱۴۲
نیوجنٹ جا ہن ۱۷۹

(و)

وارنر، ڈبلیو. بی ۱۷۶، ۱۸۸، ۲۰۰، ۲۰۲
وامن رائے برھمن، رائے بہادر ۱۵۵
وان ۲۳۲، ۲۳۷، ۲۴۰، ۲۴۵
وداع بن حمید البحری ۳۱
وداع بن حمید نجدی ۳۱
ووڈبرن ۲۲۲، ۲۵۳
ووڈ ہاؤس، سر فلپ ۱۷۰
ولیدداد خان، خان بہادر میر ۱۷۹
ولی محمد شاہ غاصی (اشک اقاسی) ملا (وزیر خان قلات) ۱۶۹، ۱۷۰
ولید، خلیفہ ۳۱، ۳۳
ولید بن عبدالملک ۲۴
ولید عمانی ۳۱
ونگیٹ ۲۲۴، ۲۲۵
ویٹل، مسٹر ۲۱۴

(ھ)

ہارون رشید ۳۴
ہاروی ڈبلیو، ایل ۲۰۸
ہلاکو خان ۵۷
ہمایوں ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲
ہمت دل خان ۹۹
ہندال، مرزا ۵۹
ہندو خان ۸۴
ہوتک خان ۱۲۶، ۱۲۸
ہوشیار خان، نواب ۷۰
ہیرس، لارڈ ۱۹۷، ۲۰۰
ہیولاک ۱۶۲، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۷۲، ۱۷۸، ۲۳۴، ۲۳۵

(ی)

یار محمد، میاں ۱۰۶، ۱۰۷
یعقوب بن طائی ۳۱
یعقوب خان، میر ۷۳، ۲۴۵
یعقوب خان رضوی، سید میر ۷۳
یوسف علیہ السلام ۱۱۳
یوسف خان تبری ۹۶

☆

فہرست عمارات، تعمیرات، شہر، بندرگاہ، ممالک و علائقہ جات

(آ)

آگرہ ۸۳

(ا)

اپرسندھ ۲۰۶، ۲۲۶، ۲۲۸، ۲۴۷

اجمیر ۲۰۰

اُچ ۱۴، ۲۲، ۳۱، ۳۶، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۹، ۶۱، ۱۱۸

احمد آباد ۲۰۰، ۲۱۲

احمد شاہی ۱۱۵

ادھی پور (ہندوستان) ۳۲

اُڈیرو لعل ۱۶۸

استنبول ۱۵۱، ۱۶۱

اسکندرہ ۱۲، ۱۳

اشہار ۱۲، ۱۳

افریکا ۱۶۷

افغانستان ۱۴، ۲۱، ۴۴، ۱۰۷، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۲۲، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۳۲، ۱۴۲، ۱۵۰، ۱۵۷، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۹، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۸۵، ۲۰۲، ۲۱۳، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۵۰

الور (اروڑ) ۱۱، ۱۲، ۲۲، ۲۳، ۲۸، ۳۰، ۳۱، ۳۵، ۴۸، ۵۷

امرتسر ۲۰۰، ۲۱۲

انجمن اسلامیان سندھ ۲۲۲

انجمن مسلمانان سندھ ۱۹۵

انڈیا ۱۶۰

انڑپور ۸۱

انڑکئی ۱۰۲

انگاہ ۲۵۴

انگلستان ۱۸۲، ۱۹۶

انگلینڈ ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۶، ۱۵۹، ۱۷۳، ۱۸۴، ۲۱۴، ۲۲۰، ۲۴۷، ۲۵۱

اوباڑو ۵۰، ۶۴، ۱۰۰

اورماڑہ (مکران) ۱۵۲، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۶۴، ۲۴۸

ایران ۲۲، ۲۸، ۷۶، ۹۱ح، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۴، ۱۲۴، ۱۳۱، ۱۴۶، ۱۵۵، ۱۸۵

(ب)

بابل ۱۵۶ (حاشیہ)

باتیہ ۱۲، ۱۳، ۳۱

باجاراہ ۲۰، ۱۸۲

بارمن بیلہ (لس بیلہ) ۲۵

بازارکودری (ٹھٹھہ) ۹۲

باغبان ۵۸

باغستان (کراچی) ۶۱، ۱۵۷، ۱۷۳

باغیچہ ارسکین ۱۸۴

باغیچہ میونسپلٹی ۲۲۲

بالاحصار ۳۵

بالاکوٹ ۲۱۷ (حاشیہ)

بانجھران واہ ۳۹

برلوء ۵۹، ۶۰، ۶۲

بدھکی ٹکری ۱۰۶

بدین ۳۹، ۶۱

برج خونی (قلعہ بکھر) ۶۱

برطانیہ ۱۳۱

برہانپور ۸۲

برہمپور (پنجاب) ۱۲، ۱۳، ۳۱

برہمن آباد (بانبران) ۱۲، ۲۶، ۳۰، ۳۱، ۳۳،
۳۹، ۲۶۷، ۲۶۸

بست ۱۱۸، ۱۳۰

بغدادشریف ۳۱، ۳۵، ۱۲۴، ۱۳۳، ۱۵۶، ۱۶۱،
۱۶۲، ۱۶۴، ۱۷۲، ۱۷۵، ۲۰۲، ۲۳۴، ۲۴۸،
۲۶۵

بکھر ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۹، ۴۰، ۴۳، ۴۴، ۴۹،
۵۰، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴،
۶۵، ۷۰، ۷۱، ۷۳، ۷۹، ۸۰، ۸۶، ۸۹، ۹۳،
۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۶۹، ۲۵۰

بگھاڑ واہ ۲۶

بلدکو ۱۰۱، ۱۴۴

بلوچستان ۲۱، ۳۹، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۲۴، ۱۲۶، ۱۵۳،
۱۶۴، ۱۶۷، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۲، ۱۷۸، ۱۸۵،
۱۸۶، ۲۰۲، ۲۴۸، ۲۵۰، ۲۵۲

بمبئی ۷۴، ۱۳۹، ۱۴۳، ۱۵۰، ۱۵۳، ۱۵۴،
۱۵۵، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۳، ۱۶۶، ۱۷۰، ۱۷۱،
۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۷، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۳،
۱۸۴، ۱۸۸، ۱۹۰، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷،
۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۱۲،
۲۱۹ (حاشیہ)، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۵، ۲۲۶،
۲۲۷، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۶، ۲۳۹،

۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۵
بندر سکین ۱۸۴
بندر اور مارہ ۱۵۵
بندر بست ۱۱۸
بندر بصرہ ۱۵۶
بندر سکھر ۲۴۵، ۲۵۰
بندر سیوستان ۱۷۰
بندر کراچی ۱۸۴، ۲۲۰
بندر کشمور ۱۶۸، ۱۶۹
بندر کوٹڑی ۱۹۹، ۲۵۱
بندر کیماڑی ۲۳۱، ۲۳۹
بندر گدو ۲۲۳، ۲۵۱
بندر گوادر ۱۵۵
بندر لاھوری ۱۱
بندر لکھپت ۱۱۸
بنگال ۱۶۰
بورڈنگ ہاؤس (مدرسۃ الاسلام) ۲۱۲
بوشہر (ایران) ۱۴۶، ۱۵۵، ۱۵۶
بونی ۱۴۵
بھاگ ننہ (بھاگ ناڑی) ۳۹
بہاولپور ۲۲ ح، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۴، ۱۱۸، ۱۲۳،
۱۳۰، ۱۴۴، ۱۶۹، ۱۷۰
بھج ۱۳۰، ۱۵۲
بہرائچ ۴۰
بھطور ۲۷
بھنبھور ۳۴
بھنڈارکر اورینٹل انسٹیٹیوٹ (پونا) ۵۱ (حاشیہ)
بیکانیر ۶۱
بیگاری ۱۵۲

(ت)

تاجپور ۱۰۷
تاکیہ ۱۲، ۱۳
تحصیل دادو ۵۸، ۱۰۱
تحصیل ڈیپلہ ۱۰۳
تحصیل سکرنڈ ۱۰۲، ۱۱۷
تحصیل سہون ۱۸۲
تحصیل شہداد پور ۱۲۸
تحصیل عمرکوٹ ۱۰۲
تحصیل کشمور ۱۰۱
تحصیل کوٹڑی ۱۰۲
تحصیل نوشہرو فیروز ۱۰۷، ۱۳۳
تعلقہ بدین ۶۱

تعلقہ دربیلہ ۳۸
تعلقہ سکرنڈ ۱۰۲
تعلقہ قمبر ۲۰۶
تعلقہ مورو ۱۰۱، ۱۰۲
تغلق آباد ۵۰، ۵۹، ۸۱
تقع ۳۸
تلوارہ ۱۲، ۱۳
توران ۸۴، ۱۱۴
تو نگ ۳۸
تھانہ احمد خان نہمردی ۱۰۲
تھرپارکر ۱۵۹، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۲۲، ۲۲۸، ۲۴۱
تھرواہ ۱۵۹

(ٹ)

ٹرانسوال ۲۵۱
ٹلٹی ۲۸، ۴۹، ۵۸
ٹنڈو آدم ۱۲
ٹنڈو الھیار خان ۵۸
ٹنڈو فضل ٹالپر ۱۶۸
ٹنڈو محمد خان ۱۳۳
ٹھٹہ ۱۲، ۱۷، ۱۹، ۲۴، ۳۹، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵،
۵۰، ۵۲، ۵۳، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۱، ۶۲، ۶۳،
۶۹، ۷۴، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۶، ۸۹، ۹۱،
۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۹، ۱۰۱، ۱۰۷، ۱۱۱، ۱۱۷،
۱۲۰، ۲۱۳، ۲۲۴، ۲۴۳
ٹھری ۳۰، ۴۵، ۴۸
ٹیمپل دیرہ ۱۷۵

(پ)

پاٹ ۵۹
پاک پتن ۱۶
پاکستان ۲۱۹ (حاشیہ)
پسنی (مکران) ۱۵۲
پشاور ۲۱۶ (حاشیہ)
پشنگ ۱۷، ۲۵۴
پل دریائے سندھ ۲۵۱
پنجاب ۱۱، ۱۳، ۲۲، ۳۱، ۳۵، ۴۴، ۱۰۱، ۱۲۴،
۱۲۸، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۳، ۱۴۶، ۱۶۷، ۱۶۹،
۱۷۰، ۲۰۲، ۲۱۶ (حاشیہ)
پوکران (مارواڑ) ۱۴۷، ۱۵۴، ۱۶۴، ۱۷۱، ۲۰۲،
۲۳۳، ۲۴۸
پونا ۱۳۹، ۲۰۰، ۲۱۲
پنہور کی ۱۰۱
پیر صبریہ ۲۲۰

پیر گوڑے ۱۵۷

(ج)

جاتی ۱۰۲
جامع مسجد ٹھٹہ ۱۹، ۸۵، ۸۹، ۹۱، ۹۲
جامع مسجد دادو ۱۰۲
جامع مسجد دہلی ۱۹، ۹۲
جامع مسجد مرزا فرخ ۴۷
جبل سلیمان ۱۱
جتوئی ۱۰۱
ججہ ۳۹ ح
جلوہ گاہ امامین مکرمین ۹۸
جمراؤ ۲۰۰، ۲۴۳، ۲۴۷
جند پیر ۳۵
جنکان ۱۲، ۱۳
جودھ پور (راجپوتانا) ۲۳، ۶۱، ۱۲۲، ۱۲۸، ۱۳۰
جون ۶۱، ۶۲، ۱۵۱
جوہی ۲۸، ۱۰۲، ۱۰۵
جھرک ۹۷، ۱۰۵، ۱۹۶
جھل ۱۰۲
جہلم ۳۱
جھم ۳۹
جیپور ۲۱۲
جیسلمیر ۱۱۶، ۱۴۷، ۱۵۴، ۱۶۴، ۱۷۱، ۱۷۸، ۲۰۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۴۸
جیکب آباد ۳۸، ۶۲، ۱۰۱، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۵۳، ۱۶۷، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۲، ۱۹۰، ۱۹۶، ۲۰۱، ۲۰۴، ۲۰۶، ۲۱۵، ۲۲۰، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸

(چ)

چاچڑان ۱۶۹
چار باغ ببرلوء ۵۹، ۶۰، ۶۲
چانڈکا ۱۰۱، ۱۰۴
چاہ بابل ۱۵۶
چاکرواہ ۱۲۷
چتور پور ۲۳
چچپور ۱۲، ۱۳
چک ہزار چوہ ۱۴۴
چمن ۱۹۵
چین ۶۸

(ح)

حب ۲۵، ۱۸۲
حبش ۱۶۷

حصار سیسم ۲۷
حصار پورہ (پنجاب) ۳۱ (حاشیہ)
حلب ۱۲۶
حیدرآباد (دکھن) ۲۴
حیدرآباد (سندھ) ۹۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۱، ۱۲۶،
۱۲۷، ۱۲۹، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۶، ۱۳۸،
۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۲، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۵۰، ۱۵۲،
۱۵۵، ۱۶۳، ۱۶۸، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۹۲، ۲۰۰،
۲۰۵، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶ (حاشیہ)، ۲۲۲، ۲۲۴،
۲۲۷، ۲۴۳، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳

(خ)

خانپور ۱۰۰، ۱۰۱
خانگڑہ (جیکب آباد) ۱۴۱
خدا آباد ۱۰۶، ۱۱۶، ۱۲۱، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۳۱
خدا آبادنئی ۱۲۱، ۱۲۸
خراسان ۳۷، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۳، ۱۱۷، ۱۲۴، ۱۲۹،
۱۳۸، ۱۵۷، ۱۸۵
خلیج فارس ۱۵۵، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۴، ۱۷۲، ۱۷۵،
۲۰۲، ۲۳۴، ۲۴۸
خواجہ خضر ۱۶۹
خیرپور ۹۲، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۹، ۱۳۲، ۱۳۷، ۱۳۸،
۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۳، ۱۴۶، ۱۵۹، ۱۷۰، ۱۸۰،
۱۸۳، ۱۸۴، ۱۹۶، ۱۹۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۲۰،
۲۲۶، ۲۲۷، ۲۳۹، ۲۴۳، ۲۵۱
خیرپور ڈھرکی ۱۰۰

(د)

دانیچی ۱۵۰
دادلوءِ ۱۰۱
دادو ۲۸، ۵۸، ۱۰۱، ۱۰۶
دُبی ۱۳۸، ۱۶۷، ۲۰۱
دجلہ دریاء ۱۵۶، ۱۶۴، ۱۷۲، ۱۷۵، ۲۳۴،
۲۴۸
دربیلہ (ڈبھری) ۳۸، ۵۹، ۶۰
دروات ۱۶۸
درہءِ بولان ۱۶۹
درہءِ سیوی ۳۹
دریاءِ بردی ۱۸۰
دریاءِ سندھ ۲۸، ۳۳، ۳۶، ۴۰، ۴۹، ۵۸،
۵۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۱۰، ۱۴۰، ۲۵۱
دریاءِ کمال ۳۱ (حاشیہ)
دکھن ۸۲، ۱۲۴، ۱۲۴، ۱۴۶، ۲۱۵، ۲۵۲
دمشق ۳۰، ۳۲، ۳۳

دہلی ۱۹، ۳۸، ۴۰، ۴۳، ۴۹، ۵۰، ۵۴، ۶۵،
۷۳، ۸۱، ۸۲، ۹۲، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸،
۱۰۹، ۱۷۲، ۲۰۰، ۲۱۲، ۲۱۶ (حاشیہ)
دیپال پور (پنجاب) ۳۱
دیبل ۱۲، ۱۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۴۲
دیداک ۱۵۷
دیسہ ۱۵۲
دیول (دیول بندر، دیبل بندر ٹھٹہ) ۱۱، ۱۲،
۲۴، ۲۵، ۲۶، ۳۶
دیہہ بکار ۶۵
دیہہ جنوبی ۱۴۰
دیہہ دڑو ۱۰۱
دیہہ قاضی احمد ۱۰۲

(ڈ)

ڈاڑہیارو ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۶۲، ۱۶۴، ۱۷۵، ۲۰۶
ڈاہرکی (ڈہرکی) ۱۰۰
ڈیارام کالج ۱۸۲، ۱۸۴
ڈیپلو ۱۰۳
ڈیرہ اسماعیل خان ۱۱۸
ڈیرہ غازی خان ۱۱۸
ڈینسو ہال (کراچی) ۱۸۸، ۱۸۹

(ر)

راجپوتانہ ۲۳، ۶۱، ۲۱۶ (حاشیہ)
راجکوٹ ۲۰۰، ۲۱۲
راجو دیرو ۱۰۷
رانی پور ۲۳۹
راور ۲۸
راولپنڈی (پنجاب) ۱۸۷
رتو دیرو ۲۶۲
رن کچھ ۱۴۱، ۱۷۲، ۲۴۸
رنی کوٹ ۱۶۸
روپا ۳۸، ۱۴۴
روضے دھنی ۱۳۳
روم ۲۸، ۶۸، ۷۶، ۲۶۸
رونجھان ۱۲، ۱۳
روہڑی ۱۲، ۳۵، ۵۷، ۵۹، ۶۶، ۷۰، ۷۳،
۱۰۱، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۳۳، ۱۴۰، ۱۴۴، ۱۴۷، ۱۵۵،
۱۶۸، ۲۰۱، ۲۲۷، ۲۳۷
رہمکی بازار ۱۰۳، ۱۵۹، ۱۶۸
ریاست بہاولپور ۲۲ (حاشیہ)
ریتی (اوباڑو) ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷
ریگستان ۸۱، ۱۰۷، ۱۲۴، ۱۳۰، ۱۳۷، ۱۳۸،

۱۵۲، ۱۶۸، ۲۰۰، ۲۰۵، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۸

(ز)

زندہ پیر ۳۵

(س)

سادہ ۴۴ (حاشیہ)
سادھ بیلہ ۶۲
ساکرہ ۲۶
ساکن ۱۰۲
سالوج ۲۷
سامرہ ۴۴
ساموئی ۴۸
سانگھڑ ۲۱۵، ۲۲۲
ساوندری ۳۰
ساہتی ۱۴۴
سبزل کوٹ ۱۱۸، ۱۳۰، ۱۴۱، ۱۵۷
سبی ۵۷، ۵۹، ۷۱، ۱۰۱، ۱۰۵، ۱۱۰
سرائے نوشیروان ۱۵۶
سرحد اپر سندھ ۲۰۶، ۲۲۶، ۲۲۸
سرحد سندھ ۱۵۰، ۱۵۷، ۲۲۸
سرندیپ ۲۴
سکھر ۶، ۱۲، ۳۵، ۵۴، ۱۰۰، ۱۰۴، ۱۱۳، ۱۱۵، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۸۵، ۱۸۷، ۱۹۴، ۲۰۰، ۲۰۵، ۲۰۸، ۲۲۰، ۲۲۴، ۲۲۹، ۲۳۳، ۲۳۶، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۹، ۲۵۱، ۲۵۴
سکھر پرانا ۶، ۱۳۲، ۱۳۳، ۲۴۵، ۲۵۱، ۲۵۴، ۲۶۱
سکھر نئو ۶۵
سکو ۱۲، ۱۳
سکہ ۳۱
سمہ ۱۲، ۱۳، ۲۴
سن ۶۱، ۸۱
سندھ ۵، ۶، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۸، ۳۰، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۹، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۸۱، ۸۲، ۸۴، ۸۸، ۹۲، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۵، ۱۱۸، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۷، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶ (حاشیہ)، ۲۱۷ (حاشیہ)، ۲۱۸ (حاشیہ)، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳،

۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹،
۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶،
۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۴، ۲۵۸،
۲۵۹، ۲۶۱، ۲۶۵، ۲۶۷
سندھ کالج ۱۸۲، ۲۴۷
سندھ مدرسۃ الاسلام ۱۸۲، ۱۸۴، ۲۰۶، ۲۴۷
سندھ یونیورسٹی ۲۱۶ (حاشیہ)، ۲۱۷ (حاشیہ)
سندھی ادبی بورڈ ۳۱
سنگرار ۵۷
سوات ۱۳۹
سورت بندر ۱۱
سون میانی ۱۵۲
سیستان ۱۱، ۲۰۵
سیسم ۲۷
سیوراہی (سیوراتی) ۲۲ ح
سیوستان (سہون) ۱۲، ۱۳، ۱۶، ۱۷، ۱۹، ۲۲،
۲۷، ۳۶، ۳۹، ۴۰، ۴۳، ۴۴، ۴۹، ۵۰، ۵۷،
۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۸۱، ۹۵، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۳۲،
۱۵۰، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۸۲، ۱۹۰، ۱۹۶، ۲۶۳،
۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۸، ۲۶۹

(ش)

شاہ بیلو ۶۲، ۱۳۳
شاہ جی ٹکری ۱۳۳
شاہی واہ ۱۴۷
شادی پلی ۱۹۵، ۱۹۹
شال کوٹ (کوئٹہ) ۵۷، ۱۷۲، ۱۹۵، ۲۲۰
شالامار باغ ۱۹۵
شام ۱۲۶
شاہپور ۱۱۷
شاہ کاہوام ۵۹
شکارپور ۳۸، ۶۲، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۶، ۱۱۰، ۱۱۳، ۱۲۲،
۱۳۰، ۱۳۲، ۱۴۲، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۶۴،
۱۶۹، ۱۷۰، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۷، ۱۹۷، ۲۲۰، ۲۲۴،
۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۳۳، ۲۳۶، ۲۴۱، ۲۴۲،
۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۴
شمالی ہندوستان ۲۱۶ (حاشیہ)
شہدادپور ۳۹، ۱۲۶
شہدادواہ ۱۲۷، ۱۶۹
شہرگل ۳۷
شیرشاہ بندر ۱۷

(ص)

صوبہ بکھر ۶۴، ۱۰۱

(ض)

ضلع پارکر ۲۴۱
ضلع جیکب آباد ۱۰۱
ضلع نوشہرو فیروز ۲۳۶

(ط)

طورسینا ۱۶

(ع)

عادل پور ۱۰۱
عامری ۳۴
عجم ۲۵، ۱۳۳

عراق ۲۵، ۱۵۶
عرب ۱۲۴، ۱۳۳، ۱۵۰، ۱۵۵
علی آباد ۱۴۰
عمرکوٹ ۶۱، ۱۰۲، ۱۰۹، ۱۲۳، ۱۳۰، ۱۴۷، ۱۵۴، ۱۶۱، ۱۶۸، ۱۷۲، ۱۹۵، ۱۹۹، ۲۴۵
عمرواہ ۱۵۹

(غ)

غزنی ۳۶، ۳۷، ۹۶
غیبی دیرہ ۱۰۲، ۲۰۶

(ف)

فتح آباد ۱۱۰
فرات ۱۷۵
فرشتہ (بھکر) ۳۵
فریئر ہال ۱۴۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۸، ۱۷۰، ۱۸۲، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۳
فولجی ۱۰۵

(ق)

قاسم خانی (روہڑی) ۷۰، ۱۶۹
قلات ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۲۳، ۱۵۲، ۱۷۰، ۲۴۸، ۲۵۰
قلعہ بکھر ۳۵، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۹۳، ۱۰۱، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۶۹
قلعہ حیدرآباد ۱۵۰
قلعہ سبزل ۱۱۸
قلعہ عمرکوٹ ۶۱
قلعہ قنذائیل ۲۷
قلعہ ملتان ۱۴۳
قلعہ میاں غلام شاہ ۱۱۹
قلعہ ولیم ۲۰۴
قلندر ۱۳
قنبر ۳۹، ۱۰۲، ۱۰۴
قندھار ۱۱، ۵۳، ۶۲، ۷۰، ۸۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۵۹، ۱۶۹، ۱۷۲، ۱۸۰، ۱۹۵، ۲۰۶، ۲۱۳، ۲۲۵
قنوج ۱۱، ۳۱

(ک)

کابل ۱۱۰، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۶۰
کاٹھیاواڑ ۱۲۴، ۲۰۰، ۲۱۵، ۲۵۲
کاجریلی ۵۰ (حاشیہ)
کاظمین شریفین ۱۵۶
کالج ڈیارام ۱۸۲، ۱۸۴
کتے کی قبر کا جبل ۱۵۸، ۲۰۶
کچھ ۴۷، ۵۰، ۵۹، ۱۲۴
کچھ بھج ۱۱۸
کچھی ۱۰۲
کراچی ۲۵، ۹۷، ۱۰۲، ۱۱۸، ۱۳۰، ۱۳۹، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۶۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۵، ۱۵۷، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۶، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۲، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۲۰۰، ۲۰۲، ۲۰۶، ۲۰۹، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۸،

۲۲۹،۲۳۱،۲۳۲،۲۳۴،۲۳۶،۲۳۷،۲۳۸،
۲۴۲،۲۴۳،۲۵۰،۲۵۱،۲۵۲،۲۵۳
کرچہ ۱۵۷
کرمان ۲۴،۲۵
کرنال ۸۸
کرور ۱۲،۱۳
کڑیوگنوہر ۱۳۳
کشمور ۱۰۰،۱۰۱،۱۶۸،۱۷۰
کشمیر ۱۱،۱۲،۱۳
کلکڑ ۱۰۲
کلکتہ ۱۳۹،۱۴۵،۱۴۸،۱۸۲،۱۸۹،۱۹۶،۲۰۰،
۲۲۰،۲۲۳،۲۲۸،۲۲۹
کلھوڑکی ۱۰۲
کندھی ۵۰
کنڈیارو ۵۷،۱۰۱
کوٹ ڈجی ۲۴۳
کوٹڑی ۳۸ ح، ۳۹،۱۰۲، ۱۴۷،۱۷۱، ۱۸۵،
۱۸۷،۲۲۳،۲۲۴
کوٹڑی بندر ۱۹۹
کوکن ۱۲۴،۲۲۰
کوہ پایہ ۱۲،۱۳
کوہستان ۱۰۷،۱۶۸،۱۷۲
کوہ سلیمان ۱۱
کوہ شملہ ۱۵۷
کوہ لک علوی (لکی) ۶۴،۶۴،۷
کوہ مکلی ۴۸ ح،۵۰
کوئٹہ (شال کوٹ) ۶۴،۲،۱۷،۱۹۵،۲۲۰،
۲۵۰
کھپرو ۲۱۵
کھرڑی (سکھر) ۱۳۲
کھوسکی ۱۰۲
کیچ ۱۵۲
کیکانان ۱۱
کیہر ۲۶۱

(گ)

گجرات ۵۰،۵۷،۵۸،۷۹،۱۲۴،۲۰۰
گدوبندر ۱۹۹،۲۲۳،۲۵۱
گنج آبہ (گنجابہ، گنداواہ) ۵۷،۱۷
گوابندر ۴۷
گوادر ۱۵۱،۱۵۲،۱۵۴،۱۵۵،۱۶۴،۲۴۸
گوبیہ (گوا) ۴۷
گوسرجی (تعلقہ سکھر) ۱۱۳

(ل)

لاڑکانہ ۳۹،۱۰۲،۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۹، ۱۴۶،
۱۵۷،۱۷۰،۱۹۶،۲۵۹،۲۶۱،۲۶۲
لاکھا ۱۲،۱۳
لاہوت لامکان ۱۶۸
لاہور ۳۷، ۳۸،۴۰،۴۱،۷۱،۸۰،۹۶،۹۸،
۱۴۵،۲۰۹،۲۱۲
لدھوگاگن ۱۴۴
لس بیلہ ۲۵،۱۵۲،۱۷۰،۲۴۸،۲۵۰
لک علوی ۶۴

لکھپت ۱۱۸، ۱۳۰
لکھنؤ ۳۸
لکھی ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۶
لکی (لک علوی) ۵۷، ۶۴، ۷۴، ۸۱، ۱۶۹
لنڈن ۱۵۳
لوہانہ ۱۲، ۱۳

(م)

ماتلی (حیدرآباد) ۳۵
ماتھیلو ۲۲، ۵۰، ۶۴، ۱۴۴
ماچھکو ۱۰۰، ۱۵۷
مارواڑ ۱۲۴، ۱۴۷، ۱۶۴، ۱۶۸، ۱۷۱، ۱۷۸، ۲۰۲، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۸
ٹیاری ۱۰۷
مٹھراؤ ۱۵۲، ۱۵۹
مٹھڑی ۱۶۹
مٹھن کوٹ ۱۶۹
مجلس محمدی ۲۰۹، ۲۱۰
محلہ پشاوریان نان پزان ۲۲۹
مدرستہ الاسلام کراچی ۱۸۲، ۲۰۹، ۲۱۲
مدینہ منورہ ۱۳۳
مروندہ ۱۴
مزار چہ ۱۰۱
مسجد اقصیٰ ۹۰
مسجد دبگران ۸۵
مسجد کعبہ ۶۸
مسجد مبارک (محلہ بھائی خان) ۸۹
مسجد مبارک (ٹھٹہ) ۲۱۳
مسقط ۱۴۷، ۱۵۱، ۱۵۵
مشہد مقدس ۱۱۴
مصر ۴۳
مقبرہ مرزا عیسیٰ ترخانی ۷۵
مکران ۱۱، ۱۲، ۲۲، ۲۴، ۲۵، ۱۰۳، ۱۲۴، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۵، ۱۶۲، ۱۶۴، ۱۷۲، ۱۷۸، ۲۰۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۴۸
مکلی ۴۸، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۶۳، ۷۹، ۸۲، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۸، ۸۹، ۹۳، ۹۵، ۹۷، ۹۸
مکہ معظمہ ۵۳، ۵۸، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۱۲۱، ۱۳۳
ملتان ۱۲، ۱۳، ۳۱، ۳۶، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۵۹، ۶۴، ۸۱، ۸۳، ۹۶، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۴، ۱۱۴، ۱۴۳، ۱۵۰، ۱۷۰، ۱۷۱، ۲۱۲
ملیر (تعلقہ کراچی) ۱۰۲، ۱۴۷
منارہ میر محمد معصوم بکھری ۱۶۹
منچھر جھیل ۱۵۰
مود ۲۲
مورو ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۹۲
موغلجا ۱۴۴
موغلی ۱۱۰
مہاراشٹر ۲۱۶ (حاشیہ)
مہارہ کی ۱۰۰
مہامرہ ۱۵۶
مہران (دریاء سندھ) ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۷۱، ۲۲۰، ۲۲۳، ۲۶۸

مہرکی ۱۴۴
متو ۲۲
میانی ۱۳۸، ۱۶۷، ۲۰۱
میرپورخاص ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۹، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۵، ۱۶۱، ۲۰۵
میرپورمہارہ (میرپورماتھیلو) ۱۰۰
میری ویدرٹاور ۱۷۳
میری ویدرگارڈن ۱۷۳، ۲۰۹
میونسپالٹی کراچی ۲۴۳
میہڑ ۱۷۰

(ن)

نارہ ۱۲
نجف اشرف ۱۵۵
نشان جمالہ وکمالہ ۶۱
نصرپور ۴۳، ۴۵، ۵۷، ۵۸، ۸۱، ۱۰۱، ۱۶۸
نصیرآباد ۳۹، ۱۰۲، ۱۰۴، ۱۵۷
ننگرپارکر ۱۴۱، ۱۵۲
ننگرکوٹ (گجرات) ۴۳
نوشہروفیروز ۱۰۱
نہرکی ۱۰۰
نہرگاج ۱۰۷، ۱۷۲
نیپرآباد ۱۰۱
نیرون کوٹ (حیدرآباد) ۱۲، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۱۰۲، ۱۱۸

(و)

وگہ کوٹ ۳۹

(ھ)

ہابل اور بابل کا کنواں (ہاروت و ماروت) ۱۵۶
ہالہ ۱۱۶، ۱۲۱
ہالہ کنڈی (ہالہ) ۵۹
ہالانی ۱۲۵
ہانگتارہ ۳۹
ہرات ۱۴، ۱۱۴، ۱۵۶
ہزاری باغ ۱۳۹، ۱۴۵
ہمیہ کوٹ ۳۹
ہند ۱۱، ۱۴، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۱۷۱، ۲۰۳، ۲۰۴
ہندوستان ۱۴، ۱۷، ۱۹، ۲۱، ۲۳، ۳۶، ۳۸، ۴۵، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۸۹، ۹۹، ۱۰۸، ۱۱۱، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۲۴، ۱۲۶، ۱۳۳، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۶، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۸۲، ۱۸۵، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۴، ۱۹۶، ۱۹۹، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۶، ۲۱۷ (حاشیہ)، ۲۱۹ (حاشیہ)، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۶، ۲۲۸، ۲۳۳، ۲۳۷، ۲۴۰، ۲۴۲، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰

(ی)

یمن ۱۵۰ (حاشیہ)
یورپ ۴۷، ۱۵۳، ۱۵۸، ۱۹۵، ۲۰۰، ۲۰۲، ۲۰۹، ۲۲۲، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۴۸

کتب

(آ)

آئین اکبری ۱۸۰

آفیشل گزٹ ۱۶۸

(ا)

ارغون نامہ ۵،۶

اسلامک کلچر، مخزن ۲۴

(ب)

بیگلار نامہ ۵، ۶، ۱۱، ۵۴، ۵۵، ۷۵، ۸۲

(ت)

تاریخ احمدی ۱۱۰، ۱۱۳، ۱۱۵

تاریخ طاہری نسیانی ۵، ۴۴، ۴۸، ۵۵، ۶۰، ۶۴، ۷۹

تاریخ طبری ۳۳

تاریخ معصومی ۵، ۶، ۲۵، ۲۸، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱ح، ۵۴، ۵۵، ۷۱

تحفۃ الکرام ۵، ۱۱، ۲۵، ۲۸، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۹، ۴۴، ۴۸، ۴۹، ۵۱، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۷۴، ۸۲، ۸۴، ۱۰۰، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵

تحفۃ الطاہرین ۱۱

تذکرۂ مشائخ سیوستان ۳۶۷

تواریخ جاگیرات ۱۸۱

(پ)

پل نامہ ۱۹۵

(چ)

چچ نامہ ۵، ۶، ۱۱، ۲۸، ۳۱

(خ)

خلیج نامہ ۱۵۶، ۱۶۱

خیرپور نامہ ۱۳۷، ۱۳۹، ۱۴۳، ۲۰۹

(ر)

رسائل امام تیمیہ ۲۱۶ (حاشیہ)

(س)

سندھ گزٹ ۱۸۹

سندھ سدھار (سندھی) ۱۶۳

سوانح احمدی ۲۱۸ (حاشیہ)

سیاحت نامہ ۲۰۰

(ف)

فتح نامہ ۲۳، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۳۰، ۳۱

فتوح البلدان ۳۳

(م)

مختصر تاریخ (سندھی) ۱۰۳

معاون سندھ ۲۰۹، ۲۱۳

مکران نامہ ۱۵۲، ۱۵۳

منتخب تاریخ ۵۵

(و)

وقائع سند ۳۱

وقائع سیر جیسلمیر ۱۴۷

Statement of Temporary Commissioners whose administration lasted for less than six months. The other Permanent & Temporary commissioners who were in office over six months have already been mentioned in the Book.

S. No.	*Name of the Officer.*	*The Rank from which he Rose &c.*	*Period of Administration*	*In What Year.*	*Particulars &c.*
1.	Mr. Belasis	Assistant Commissioner in Sind.	3 months	H.1268=1852 A.D.	During the absence of Sir Bartle Frere.
2.	Mr. Ellis	Inam Commissioner Deccan	40 days	H.1274=1857 A.D.	During the absence of John Jacob to Bushire in Persia.
3.	Major Henry Green	Political Agent Baluchistan	3 months	H. 1287 1862 A.D.	During the absence of Mr. Inverarity.
4.	Sir Charles Peile	---do---	----do----	H. 1294=1880 A.D.	During the absence of Mr. Erskine.
5.	Colonel Lamberk	Collector, Karachi.	----do---	H. 1295=1883 A.D.	----do----
6.	Colonel Boulton	---do---	----do---	H. 1300=1885 A.D.	----do----
7.	Colonel Trevor	Collector, Hyderabad.	4 months	H. 1301=1890 A.D.	During the absence of Mr. Trevor.
8.	Colonel Crawford.	Collector Karachi.	5 months by interval.	H. 1308-9=1891; 1893; 1894; 1895 and 1896 A.D.	During the absence of Sir Charles Olivant and Hon. Mr. H.E.M. James.
9.	Mr. Woodburn	Collector, Hyderabad.	50 days.	H. 1305 1895; 1897 A.D.	During the absence of Sir Charles Olivant and Hon. Mr. H.E.M. James.

Just as the book was nearing completion, fortunately 3 occasions acrose for the author to hold tea parties at his bungalow *viz., (i)* in honour of R.B. Diwan Dewanmal Khemchand. (2) R.B. Diwan Hashmat Rai transferred to Karachi and (3) R.B. Diwan Naraindas Motiram arrived from Karachi and Sayid Panah Ali Shah having been promoted to be the Inspector of Police &c.

OLD SUKKUR
Jamada I, 1318/
September 1900

KHAN BAHADUR KHUDADAD KHAN,
Jagirdar

next year up the Persian Gulf and the Tigris to Baghdad in connection with the Indo-European telegraph. Sir W. Merewether entrusted him with several delicate missions. He knowledge of Jagir and political matters especially qualified him for the important work of arranging and compiling the Jagir record with which work he was entrusted in 1873 and 1882. His vivid memory of events of remote date and of the notions therein, and his tact and of manner, combined to make the Khan Bahadur a valuable officer of the Government. He retired in May last, after an arduous and faithful service of 45 years, to his home in Sukkur to enjoy a well-earned rest &c.

In addition to the above the following were also the author's special duties which have been included in the book:

(i) With Sir George Clarke, Governor of Bombay, from Karachi to Thatta, thence to Sehwan and thence to Hyderabad.

(ii) With Sir Frederic Goldsmid to Bombay.

(iii) With Mr. Mansfield to Dahrara Hill where there is *kute ji kabar* (dog's tomb).

(iv) With Sir Mereweather to Jacobabad in connection with the disputes between the Sowdagars and Sardars and to Mithankote in the Punjab to settle the boundaries of sindh and the Punjab, and to Mooltan where sir Mereweather went to meet Lord Nrothbrooke, Viceroy of India.

(v) As extra Assistant Collector in connection with the Jagirat work, which was cleared.

(vi) With Sardar Mohammad Ayub Khan, second son of late Amir Abudl Rahman Khan who arrived from England to Karachi, and went from Karachi to Quetta.

(11) Muharram and Safar II. 1318==May & June 1900. a telegram announcing the capture of Maifking inTranswal reached Sindh.

(12) In the same months, Bridge between Kotri and Gidu Bunder was completed and opened for traffic.

Ist Safar II. 1318==May 1900 A.D.

The author was elected as member of the V.J. Technical Institute to represent Mir of Khairpur.

25th Safar II. 1318 == 24th June 1900 A.D. The decision of capital punishment in the case of Makhdum of Hala was reverted &c.

(6) Same month, the news of the victory of the British over the Boers in the Boer War was received and people observed holiday in its connection &c.

(7) Pir Shah Mardan Shah of Kingri was conferred the title of 'Shamsul-Ulama' in consideration of the help he gave in connection with the capture of Hurs. K.B. Sardar Mahomed Yacoob was given the title C.I.E. for his good services in connection with the plague. This was all owing to the kindness of Hon. Mr. James.

Shawwal H. 1317 == end of February 1900 A.D.

(8) Makhdoom Mahomed Zaman of Hala was tried for murder and was sentenced with capital punishment &c.

(9) Same month, arrival of H.R. Lord Northcote as Governor of Bombay and departure of H.E. Lord Sandhurst. Honourable Mr. James proceeded to Bombay to greet the former and bid farewell to the latter &c.

(10) On the 27th Shawwal 1317 H. == 28th February 1900 Honourable Mr. James accompanied by Mr. Vaughan and Establishment—English as well as Vernacular—arrived at Sukkur and pitched their tents on the camping ground.

On the 9th Ziqa'd H. 1317==12th March 1900 A.D., a Darbar was held near the Collector's Bungalow where about 1000 persons including Mirs, Jagirdars, Zamindars &c. were present. Mr. Mules enumerated in a short and well worded speech all the good deeds done by Hon. Mr. James who then returned an appropriate reply. Then the Commissioner began the ceremony of giving presents &c. to the deserving gentry. He commenced with *kimkhab.* Then the author was given a *sanad* in connection with the Jagir. The *sanad* was on golden paper written in English and Persian and covered with *kimkhab,* & also *khila't* of *kimkhab.* Mention was made as regards the author's services to the following effect: Mr. Khudadad Khan entered the service of Government in 1853, and in 1855 he was employed in the Jagir and Political Department under Major (now Sir) G. Goldsmid. He accompanied Major Goldsmid during the Mutiny on a secret mission to Jesalmir and Pokran through the Great Desert, and was again selected in 1861 to accompany Sir Henry Green on a mission in Gwadur and Ormara. In 1862 he assisted in establishing the telegraph line through the territory of Jam of Las Bela and the Khan of Kalat. He went with Mr. Mansfield the

ceived such: and such amount by this time. But as he was detained inservice by government he deserves being paid full pension &c.

Jamadul Akhir II. 1317 = October 1899 A.D.

(3) The author was given Jagir for two generations under the sanction of the Government of India received through the Government of Bombay. The Government stated that no more recommendations should be made for Jagir. As the author has served for 45 years in Sind and foreign service, he is granted the Jagir for his long, faithful and valuable services &c.

Return of Honourable Mr. James (pp. 289—303)

(1) When Honourable Mr. James returned he was received with enthusiasm by people at Keamari &c.

(2) H.E. Lord Cuizon arrived as Governor of India.

Rajjab II. 1317 = 1899 A.D.

(3) Arrival in Sind of Lord Sandhurst who unveiled the portrait of Sir Charles Pritchard at Frere Hall, and conferred the title of C.I.E. on R.B. Tahelram Khemchand and that of Rao Bahadur on Seth Vishindas Nihalchand and gave certificates of merit to several gentlemen of Karachi and Thatta &c.

(4) Lord Sandhurst accompanied by Honourable Mr. James proceeded to Hyderabad where he convened a Darbar and thence went to Jamrau and performed the opening ceremony of the canal of that name, thence came to diji Fort where he visited the Mir of Khairpur, and thence to Sukkur where he was received by the elite of the District and he shook hands with the gentlemen present, the author being the first with whom he did so. News was received of the decision in the case of Pir Shah Mardan of Kingri in his favour &c.

Sha'ban II. 1317 = 1899 A.D.

(5) Mr. Mules, Collector of Shikarpur, convened a large meeting in connection with famine relief and large amount of donations were promised on the spot; author helped the Collector much in the collections and was given the following certificate:-- "The Collector of Shikarpur begs to express his particular thanks to K.B. Khudadad Khan for the very valuable assistance given by him in collecting the funds."

one after another, Messers Cadel, Rein and Vaughan. Some of the chief events:

(1) After the plague subsided, those who had done good service were rewarded with *Lungis*, watches &c.

(2) He recommended the author for Jagir of 300 acres at the strength of Hon. Mr. James's note &c.

H. 1316 = 1898 A.D.

(3) He toured through the whole divisions of Noushero Feroze and Sukkur with his establishment with a view of see the state of lands, water &c. in order to give redress to the people &c.

(4) The third visitation of Plague. He took such precaution that it did not go beyond Karachi &c.

Return of Honourable Mr. James (pp. 273—276)

(1) Completed the arrangements to put down the plague &c. During the time the plague was raging at Karachi, the author did not remove from his premises to any segregation camp but believing in God, he passed all the time there as well as in Sukkur &c.

H. 1316 = 1899 A.D.

(2) Honourable Mr. James presided at the ceremony of unveiling the portrait of Sir Bartle Frere at the Frere Hall. And in the speech he delivered there, he said as follows pointing towards the author:- "There stands also my old friend Khan Bahadur Khudadad Khan who has been 45 years in the office of the Commissioner in Sind, Mir Munshi to Sir Bartle Frere. He is still the Commissioner's Mir Munishi."

(3) Honourable Mr. James was appointed Councillor.

Mr. R. Giles took charge of Commissionership (pp. 276-289)

H. 1316 = 1898 A,D.

(1) The report regarding the author's pension that was submitted to the Government with recommendation was returned with reply that according to rules the pension question will be considered at the time of the officer retires &c.

(2) The author applied for permission to retire from service and submitted the petition in Muharram.

H. 1317 = 1899 A.D.

It was submitted to Government with strong recommendation by the Commissioner who amongst other things also stated that if the author had retired 15 years ago he would have re-

(2) Hon. Mr. James went back to Calcutta to finish the Famine work and gave over charge to Mr. R. Giles, Collector of Karachi &c.

(3) The plague had not subsided yet. He adopted measures in the connection &c.

(4) The author notices some of the good features of Hon. Mr. James's career *viz.*, his love for the performance of his duty well. As an instance, when he was appointed Acting Councillor, he had some work in arrears, and he took leave without pay for 15 days and completed the work. No other out of the 17 Commissioners under whom the author served, ever did so.

H. 1316 = 1898 A.D.

(5) The author was recommended for full pay pension. Hon. Mr. James gave strong reasons for the same &c.

(6) Appointed Councillor. A Group photo was taken with his establishment as a token of esteem they had towards him. Each member of the Establishment possesses one copy as momento &c.

(7) He left the following note on record as regards the author: "About Khan Bahadur Khudadad Khan, I have recently written to Government and need say little more here. After 45 years of service he is about to retire, the last link with the administration of Sir Bartle Frere (2nd Commissoner) and a treasury of knowledge will go with him."

(8) Awarded a golden sword worth Rs. 2000 to the author with the following inscription on it in English as well as Persian. "Presented to Khan Bahadur Khudadad Khan on account of faithful and good service,-- by the Commissioner in Sind."

(9) He made the following note on record with a view to recommend the author for Jagir &c.

"He quite considers that Khan Bahadur Khudadad Khan's faithful and useful service is deserving of the exceptional rewards, if it continued to the end as it has been in the past." &c.

Departure to Bombay as Councilor. Farewell party given by him by the Europeans as well as natives.

Mr. R. Giles, Acting Commissioner (pp. 272—273)

H. 1316 = 1898 A.D.

He took charge of Commissionership. His Assistant were,

(5) Construction of the bridge between Kotri and Gidu Bunder started.

15[TH] COMMISSIONER

Sir A. Wingate (Acting) (pp. 266—268)

H. 1314 == 1897 A.D.

Arrived at Kotri from Bombay. His Assistant was Mr. J. Sladen and later Mr. Lawrence. Some of the chief events of his time:

(1) First plague appeared in Karachi, Thatta, Kotri, Hyderabad, Sukkur and Shikarpur. He made proper arrangements and spent a deal of money to eradicate it &c.

(2) The plague committee made groundless report against the author about the filthiness of his neighbourhood but the decision given by the Commissioner was not only satisfactory but exhonorating for the author &c.

(3) Death of Sardar Sher Ali Khan, ex-Walee of Kandhar, who used to get Rs. 5000 as pension &c.

(4) Depature of Sir Wingate, having been appointed Chief Secretary to the Governor of Bombay &c.

16[th] COMMISIONER

Mr. Giles (Acting) (p. 268)

H. 1315 == 1898 A.D.

He was Collector of Karachi when received charge of the Commissionership from Hon. Mr. James at Jacobabad. He is an experienced officer having served in succession as Assistant Collector, then as Deputy Commissioner Tharkarpar, Deputy Commissioner Upper Sind Frontier, Collector of Shikarpur and Collector of Karachi. His assistant was Mr. Sladen. Some of the chief events of his time:

(1) Second visitation of plague at Karachi. Mr. Giles took proper measures to put it down &c.

(2) The Hurs committed dacoities again &c.

Return of Honourable Mr. James (pp. 269—271)

H. 1315 == 1898 A.D.

He was made C.S.I.

His Assistant now was Mr. Cadel.

(1) Lord Sandhurst arrived at Jacobabad and conferred the title of G.C.I.E. on H.H. Mir Faiz Mahomed Khan Talpur, Ruler of Khairpur State, in a Public Darbar &c.

son of H.H. Amir abdul Rahman Khan, from Engtland. A deputation consisting of Mr. Lucas, Acting Collector, Mr. J. Sladen, Assistant Commissioner, Mr. MacIver Superintendent of Police and KB. Khudadad Khan, Mir Munshi, went to received him, and Khan Bahadur Khudadad Khan was his host up to Quetta. It was a hard task for the host as the Prince's men were rough &c.

(5) Colonel Crawford retired - grand parties held in his honour at Municipal gardens Karachi &c.

Death of K.B. Hasanali Effendi, President of Mahomedan Association in Sind &c.

(6) Death of K.B. Hasanali Effendi, President of the Mahmomedán Association in Sind &c.

(7) Appointment of Sir Charles Olivant as Chief Secretary and afterward Councillor to the Governor of Bombay, and his having given over charge of Commissionership to Mr. Woodburn, then Collector of Hyderabad &c.

The period of service of Sir woodburn being short, the principal event of his time was that he entrusted the author with the work of handing over a sword and *sanad* and *Kimkhab* to late Pir ali Gohar Shah, who had helped in the arrest of Hurs of Hyderabad and Tharparkar. The author did so in a Darbar held at the Pir's Village &c.

Honourable Mr. James Returned to Sind (pp.263-265)

H. 1313 == 1896 A.D.

(1) After taking charge he made a report to the Government as regards the dacoity of Hurs. Bachu Pasha their leader was sentenced to death. Pir Ali Gohar Shah who had helped in the arrest of the dacoits was conferred the title of *Shams-ul-Ulma,* in a public darbar; K.B. Mahomed Yacoob was given the title of *Sardar* and other who had helped were given rewards of swords &c.

H. 1314 == 1896 A.D.

(2) Passing of the encumbered Estates Act of 1896 by which long period is allowed for the coming of Jagirs under act and the Zamindars are pleased.

(3) Pir Ali Gohar Shah died without issue and was succeeded by his 3rd brother Pir Shah Murdan Shah &c.

(4) Honourable Mr. James was appointed member of the Supreme Council in connection with Famine &c.

bela. Good and satisfactory arrangements about the condolence gathering, salute of guns &c. made by the author under orders from the Honourable Mr. James.

Succession of Mir Sir Faiz Muhammed Khan Talpur, the second son of the late Mir Sir Ali Murad Khan to the throne of Khairpur State, and appointment of K.B. Kadirabad Khan as his Wazir &c.

(17) The author was given an address at the *Sind Madresa-tul-Islam* by the Muhammadan community to congratulate him on the occasion of his being granted the title of Khan Bahadur and speeches delivered there &c.

(18) By the kind order of Honourable Mr. James, the Shah Jehan's Masjid at Thatta was repaired, an account of which is given on pages 99-100 of this book.

(19) Arrival of Lord Elgin at Karachi and laying of the foundation stone of the Lady Dufferin Hospital and the holding of a levee, receiving visits from Mirs, Sardars &c.

H. 1312 = 1895 A.D.

(20) Hon. Mr. James was appointed member of the Supreme Council of Calcutta and gave over charge of Commissionership to Sir Charles Olivant.

Departure of Hon. Mr. James to England. He placed the following remarks on record regarding the author.

"His very long experience made him most useful."

14TH COMMISSIONER

Sir Charles Olivant (pp. 254—263

Arrived from Kathiawar in H. 1312 = end of 1895 A.D.

His Assistant was Mr. J. Sladen, some of the chief events of his time:

H. 1312 = 1895 A.D.

(1) Convention of Mr. Pinton to Mahomedanism and his transfer to Deccan in consequence.

(2) Dacoity of Hurs in some parts of the Hyderabad and Tharparkar Districts &c.

(3) Arrival at Karachi of Lord Sandhurst, Governor of Bombay. He was nephew of late mr. S. Mansfield. When he saw the certificate granted to the author by Mr. Mansfield, he greeted the author well &c.

(4) Arrival at Karachi of Prince Nasrullah Khan, 2nd

and bad land &c. in the Rohri Taluka, re-assessed the land revenue in such a way as was beneficial to the public as well as to the Government. This work was below his position but he took the trouble for the good of the poor zamindars &c.

(9) He assisted the people of Sind in their being represented in the Governor's Council by the appointment of an additional member of the council for Sind.

(10) At the end of the year during the Horse Show he held a Darbar at Jacobabad and granted the *sanad* of 'Khan Bahadurship' to the author and conferred the title of C.I.E. on K.B. Kadirabad Khan. Both of these were granted to the recipients at his recommendations &c.

(11) Arrived at Sukkur with the author to make special enquiry into the state of Talpur families of Khairpur as to their expenses of living, marriage &c., and made a report to the government with his recommendations, many of which were sanctioned; some of the Talpurs got the right of hereditary pension; some got pension for 2 lives, some for 1 life, and others got land, Jagirs, and arrangements were made for the education of their sons at the *Sind Madresa-tul-Islam,* Karachi at the cost of the Government. In the report he showed the needy circumstances of the Hyderabad and Mirpur Khas Mirs' families also. The Mirs and general public are well pleased with this arrangement and bless Honourable Mr. James.

(12) At the end of his tour, having left the establishment at Kambar (Larkana Division) he went with the author, Mr. Lucas then Assistant Commissioner in Sind, and Mr. Pinton Superintendent of Police Upper Sind Frontier, to see *Kuteji Kabar* (dog's Tomb) on Dahrara Hill &c.

(13) Death of Pir Muhammad Hizbullah Shah the famous Pir (Pagaro) in Sind. He was succeeded by his son late Pir Ali Gohar Shah &c.

(14) The author's pay was increased from Rs. 175 to 200 by the kidness of the Commissiner. He was made '2nd Grade Mukhtiarkar but was to act as 'Mir Munshi' as usual &c.

(15) Went to Lahore to give evidence before the Opium Commission. He was selected because he was the fittest person H. 1311 = 1894 A.D.

(16) Death of Mir Sir Ali Murad Khan Talpur at his estate, conveyance of his corps to Karachi en route to Ker-

H. 1308 == 1891 A.D.

(1) Late Mir Sir Ali Murad Khan of Khairpur was granted the title of G.C.I.E. by the Queen Empress and it was conferred upon him by Lord Harris at Shikarpur &c.

(2) The author was promoted to be '3rd Grade Mukhtiarkar' on Rs.175 with usual permanent traveling allowance and was to act as 'Mir Munshi' &c.

H. 1309 == 1892 A.D.

(3) Mr. James opened the Railway Line between Gidu Bunder and Shadi Pali and delivered a good speech on the occasion &c.

(4) Went to Calcutta as an additional member of the Supreme Council, giving over charge of commissionership to Colonel Crawford &c.

(5) The author went on leave for change to Bombay, Poona, Kathiawar, Ahmedabad, Ajmer, Jaipur, Delhi &c. and visited Lord Harris, Mr. (now Sir) W. Lee Warner Chief Secretary, Sir Charles Pritchard (Councillor), Mr. Edgerly Private Secretary and Sir Charles Olivant Political Agent Kathiawar &c.

(6) Hon. Mr. James came back to Sind and took charge of the Commissionership. A grand meeting was held on the Commissioner's steamer at Gidu Bunder to discuss the advisability of excavating Jamrau Canal. Many officials, Engineers and Zamindars were present. The engineers and several of the officials were first against the scheme but the zamindars were in favour, and Hon. Mr. James by his able reasoning succeeded in convincing the officials and Engineers as to the good that would accrue to the public and to the state by the excavation of Jamrau Canal. The Canal was excavated and opened by Lord Sandhurst in the last year, *viz.*, H. 1317 == 1899 A.D., and in the speech he delivered at the opening ceremony he mentioned exactly the same benefits as were shown by Mr. James to accrue to the public and to the Government &c.

H. 1310 == 1893 A.D.

(7) A large meeting was held at Karachi to commemorate the Jubilee of the English conquest of Sind. General Marston who had taken part in the Sind war, presided &c.

(8) Hon. Mr. James arrived at Rohri with a part of his establishment in the hot season, and after having personally traveled and enquired into the affairs as regards water, good

Frontier, was tried for bribery and dismissed from service &c.

(5) Abkari system was put on proper basis, &c.

(6) Increment of two guns in the salute for the late Mir Sir Ali Murad Khan, making the total number 19 &c.

(7) The author was appointed '4th Grade Mukhtiarkar' on a salary of Rs. 150 per month with permanent traveling allowance and was to act as 'Mir Munshi'.

H. 1304 == 1889 A.D.

(8) Lord Reay, Governor of Bombay, arrived at Karachi for the third time and accompanied by the Commissioner and the author went to Sukkur and opened the Lansdowne bridge for traffic, thence to Quetta, Shalabagh and Chaman. On his return, he held a levee at Karachi where he was given addresses by all the communities, and in reply to the address of the Mahmoedan community he said to Mr. Hasanali; "You Mr. Hasanali and Mr. Ghulam Dastgir were made 'Khan Bahadur' and Mr. Khudadad Khan, Commissioner's faithful Assistant, was made 'Khan Sahbi'" &c.

(9) Commissioner accompanied by the author went from Umerkote upwards in connection with the Shadipali Railway line. On return he was promoted to be a member of the Governor's Council &c.

12TH COMMISSIONER

Mr. (now Honourable) Trevor (pp. 231—232).

Arrived end of H. 1304==middle of 1889 A.D.

His Assistant were first Mr. Moore and then Mr. Jenkins. Some of the chief events of his time:

(1) Grant of *sanads* of new Jagirdars to the Baloches of Upper Sind Frontier and Larkana &c.

13TH COMMISSIONER

Mr. (now Honourable) H.E.M. James (pp. 232==254) Arrived in H. 1307==1891 A.D. from Bombay. His Assistant were in turn (1) Mr. Jenkins, (2) Mr. Lucas, and (3) Mr. J. Sladen.

Having been previously Assistant Collector and Assistant Commissioner in Sind, he had thoroughly mastered the needs of the Province, and during his commissionership carried out many things, all for the public goods. Some of the chief events and occurrences of his time were as under:-

H. 1297 == 1883-84 A.D.

(6) Increment of 2 guns in the salute for late Mir Sir Ali Murad Khan was sanctioned making the total number 17 &c.

(7) The author was entrusted with the important work of arranging and compiling the Jagir records and was given an increment in his pay &c.

(8) Death of K.B. Murad Khan, jagirdar of Habb at Karachi.

H. 1298 == 1884 A.D.

(9) Arrival in Karachi of Syed Amir Ali, Barrister at Law, from Calcutta in connection with the case of Bajarai Sayeds &c.

(10) The Madrasat-ul-Islam and Dayaram Jethmal Sind College opened.

H. 1300 == 1887 A.D.

(11) Queen Jubilee festivities in the Province of Sind &c.

(12) The author was recommended for the title of 'Khan Sahib' &c.

(13) Lord Reay, Governor of Bombay, and Mir Sir Ali Murad Khan and other famous Jagirdards arrived at Shikarpur during the day of Shikarpur Horse Show, and there were great festivities in the town &c. Mr. Erskine retired and went home in this year; a garden in the town of Karachi and also a wharf at Keamari (Karachi) were named after him.

11TH COMMISSIONER

Sir Charles Pritchard (pp. 217—231)

H. 1301 == 1888 A.D.

His Assistant was Dr. J. Pollen, then Mr. Mules and then Mr. Edgerly. Some of the chief of his time.

(1) Arrival in Karachi of Lord Dufferin, Viceroy and Governor General of India &c.

(2) Arrival in Karachi of Sardar Mahomed Ayub Khan, 2nd son of late Amir Sher Ali Khan of Afghanistan from Persia. The author was his host by the orders of the Government and he went upto Rawalpindi with him.

H. 1302 == 1888 A.D.

(3) Darbar held at the Denso Hall, at Karachi, to grant *sanad* of 'Khan sahib' to the author &c.

(4) Mr. Parumal, late Deputy Collector Upper Sind

(23) *(a)* The Commissioner retired and was appointed a member of Parliament in token of his meritorious services. He present valuable sword to the author and left several good notes on record as to his service &c.

(b) Mereweather Tower fund started and the tower was subsequently built at Karachi.

(c) The Government Garden was named after him as Merewether Garden in which Mirs put up when they go to Karachi &c.

(d) Merewether pier at Keamari (Karachi) was erected.

His Assistant was Mr. Lee Warner at the end.

9TH COMMISSIONER (ACTING)

Mr. Melville (pp. 206—207)

H. 1292 = 1877-78 A.D.

His Assistant was Mr. W Lee Warner. Mr. Melville was first Judicial Commissioner and Sadar Court Judge. Chief event of his time was third war in Khurasan. He interested himself in supplying animals, fodder and other necessaries &c.

10TH COMMISSINER

Mr. H.N.P. Erskine (pp. 207-216)

H. 1293 = 1879 A.D.

His Assistant were the following one after another:- (1) Mr. (now Sir) Charles Olivant, (2) Dr. Pollen, and (3) Mr. Edgerly.

Mr. Erskine, having been before Assistant Commissioner and Collector of Karachi, was well acquainted with the province. Some of the chief events of his time.

H. 1293 = 1879 A.D.

(1) News of the death of Amir Sher Ali Khan of Afghanistan reached Sind.

(2) The work of old and new Jagirdars was started and the author was appointed Extra Assistant Collector in this connection, having been recommended by the Commissioner that there was no one else in Sind so able for the work &c.

H. 1295 = 1881 A.D.

(3) Re-arrangement of Assistant Collectors, Deputy Collectors, and Mukhtiarkars and their pay and grades &c.

(4) Issue of circulars on revenue matters &c.

(5) Late Sardar Sher Ali Khan, ex-Walee of Kandhar, visited Karachi.

ments and also the author, the Commissioner went to Multan to accost Lord Northbrooke, viceroy of India, to Sind &c.

The programme of Viceroy's journey was altered owing to danger fever which then prevailed in Sind. He came to Sind by river instead of by land, and visited Kan of Kalat and Mir of Khairpur at Sukkur whence he went to Bombay, visiting Hyderabad and Karachi on the way &c.

H. 1288 = 1872 A.D.

(13) The news of the assassination of Lord Mayo, Viceroy of India, reached Sind &c.

(14) Jam Mir Khan of Las Bela fled after his defeat from Shah Ghazi Mula Walli Muhammad, Vazir of the Khan of Kalat, and came to Karachi to take refuge and was made a State-prisoner &c.

H. 1289 = 1873-74 A.D.

Hitherto Baluchistan was under the Commissioner in Sind since its conquest. Lord Lytton, Viceroy of India, arrived in Sind and separated Baluchistan from Sind and appointed a special Agent to the Governor General for it &c.

(16) Sir Phillip Woodhouse, Governor of Bombay, arrived in Kashmore from Punjab, and visiting different noted places in Sind by land went to Bombay by sea &c.

(17) Construction of rail-road between Kotri and Multan on the left of the Indus started &c.

H. 1290 = 1875 A.D.

(18) Passing of the Encumbered Estates Act. Mr. H.E.M. James had a hand in this work &c.

(19) Departure of late Mir Sir Ali Murad Khan Talpur to Bombay to pay respects to the Prince of Wales &c.

H. 1291 = 1876 A.D.

(20) The author was recommended for the award of a certificate of merit from the Government of India as per letter No. 746 dated 26th September, 1876.

(21) Sir Richard Temple, Governor of Bombay, arrived in Sind *via* Tharparkar en-route to Kandhar and break-fasted at a place which was since then named after him as Temple Dero. He opened the water-works at Karachi on his return &c.

H. 1292 = 1877 A.D.

(22) Late Mir Sir Ali Murad Khan went to Delhi at a gathering of the Nawabs and Rajas on the occasion of the Queen Victoria becoming Empress of India &c.

able Political as well as Military officer. His Assistant was Mr. John Moore.

Some of the chief events of his time:

H. 1284 = 1868 A.D.

(1) Grant of *sanad* in connection with the award of a sword as mentioned in the events of the 7th Commissioner.

(2) The Sind Official Gazette started &c.

(3) Boats plying between Sukkur and Rohri were reply beaced steamers.

H. 1285 = 1869 A.D.

(1) Severe famine in Marwar so much so that people sold their children.

He went to Umerkote and started relief works. Famine allowance was granted to the Government servants &c.

(5) The author was appointed Mir Munshi on promotion, *viz.,* his pay was increasd from Rs. 80 to Rs. 135 per month &c.

(6) Industrial exhibition at Frere Hall for one week &c.

(7) The author was ordered to write an account of the famous ruined places in the province of Sind. The account was written, translated into English and published and sent to Sir Bartle Frere in England, and copies were distributed among other officers in Sind &c.

H. 1286 = 1870 A.D.

(8) Dispute between the *Sardars* and merchants of Baluchistan was satisfactorily settled by the Commissioner. He was ordered by the Government of India to do so. He had to reside at Jacobabad for about 4 months for the purpose &c.

(9) "Jirga" laws were introduced for the Frontier people and they continue still &c.

(10) Sukkur or Shahdad-wah was excavated and its source changed &c.

H. 1287 = 1871 A.D.

(11) Having left his establishment at Kashmore, the Commissioner accompanied by Mr. Palley (who was then assistant Commissioner) and the author, went to the Chachran (Bahawalpur) and had an interview with the Lieutenant Governor of the Punjab at Mithankote and settled the boundaries of Sind and the Punjab &c.

(12) Accompanied by Mr. H.E.M. James who was then his assistant and several Head officers of different depart-

6th COMMISSIONER

Mr. A.D. Roberison (pp. 185—188)

Assistant Mr. John Moore. There being now only one assistant.

1) 1283 H. == 1867 A.D. Holding of a grant Darbar in the Frere Hall on the occasion of conferring the title of C.I.E. on late Seth Naoomal and speech of the Commissioner in praise of the former and translated by the author.

2) Same year arrival of Haji Malbari, Governor of Kokan, in Turkey in Asia, *en route* to Constantinople and was author's guest &c.

Return of Mr. Mansfield from leave.

(11) Same year. Holding of aDarbar at Umerkote to confer the title of Star of India on late Mir Sher Muhammad Khan of Mirpur Khas &c.

(12) Same year. Compilation and publication of Khalij Namah, i.e., a book on Persian Gulf by the author.

7TH COMMISSIONER (ACTING)

Mr. Havelock (pp. 188—194)

H. 1283 == 1867 A.D.

His Assistant Mr. John Moore. Some of the chief events of his time:

H. 1283 == 1867 A.D.

(1) Old system of Police was changed and new one introduced in its place by which remuneration of Police officers was increased and the Persian and Urdu names of their official designations were changed to the present English ones &c.

(2) Sir Fitzgerald, Governor of Bombay and MR. S. Mansfield councilor arrived in Sind &c.

(3) Falling of shooting stars one morning at 6 o'clock &c.

(4) Reward of an English sword given to the author K.B. Khudadad Khan by the Commissioner in a durbar, for his meritorious services &c.

8TH COMMISSIONER

Sir William Mereweather (pp. 194—206)

Arrived in 1284 H./1868 A.D. after the Victory of Abyssinia &c.

He was an old officer and had taken part in the wars in Sind, Punjab, Balochistan and Abyssinia &c., and was an

5TH COMMISSIONER

Mr. Mansfield (pp. 178--1840)

He arrived in the end of the year 1279 H. == 1862 .A.D from Bombay. His assistants were Max Melville and Mr. Erskine and after the departure of the latter Mr. John Moore.

Some of the chief events of his time.

(1) Examination of taluka records through Rao Bahadur Waman Rao, who is famous for his "girdi" (high-handedness).

(2) 1280 H. / 1863 A.D. started for Persian Gulf and Baghdad with the author in connection with the Indo-European Telegraph &c. &c.

(3) Same year. Death of Amir Dost Mohammad Khan of Kabul &c.

(4) 1281 H. /1864 A.D. Touring excursion of Messers Mansfield, Max Melville and John Moore with the author in the hills of Dahrara and visit to *Kute ji Kabar* (Dog's Tomb) west of Sind &c.

The author's pay was raised to Rs. 80/- per month and he took over charge of the head munshi's post in Revenue and Registration Department &c.

(5) 1282 H. == 1865 A.D. Abolition of Judicial Assistant Commissionership and opening of Sadar Court under a Judicial Commissioner &c.

(6) Same year. Excavation of Umarwah Tharwah and Mithrau in Thar to meet the long flet want of the people &c.

(7) Same year. Sir Bartle Frere, Governor of Bombay visited Sind &c.

(8) Same year. Passing of the Local Fund Act 1865 &c.

(9) Same year. Grant of a salute of 15 guns for the Khairpur State &c.

(10) End of 1283 H. == beginning of 1867 A.D. Late Sardar Sher Ali Khan, ex-Walee of Kandhar arrived at Rahamki Bazar in the Thar-Parkar District with a letter from Late Amir Sher Ali Khan of Afghanistan for the Commissioner.

Same year. Departure of Mr. Mansfield on leave for 6 months.

(13) 1276 H. == 1858 A.D. Major (Now Sir) Frederic Goldsmith left with the author on a secret mission, for Jessalmir and Pokran via Umerkot &c.

(14) End of year 1276 H. == 1859 A.D. Sir Bartle Frere appointed member of the Supreme Council. He wrote 150 letters to Chiefs in Sind, copies of the said letters are incorporated in the book as is also an account of examples of his popularity i.e. his visit to a Brahman, a fisherman and a tailor &c.

Address gien to Sir Bartle Frere and a grant Hall named after him, built by the people of Sind &c.

(15) 1276 H. == 1859 A.D. Death of General Jacob &c.

4TH COMMISIONER

Mr. Inverarity (pp. 171—178)

His Assistant were Messers Shaw Stuart and Honourable Mr. Gibbs, Some of the chief events of his times.

(1) 1277 H. == 1860 A.D. Railway communication between Karachi and Dabheji started by Sir George Clarke, governor of Bombay. Some account of the latter's knowledge of Persian &c.

(2) 1278 H. == 1861 A.D. Starting of Sir Hernry Green and Colonel William Green with the author on a special mission, for Gwadur and Ormara &c.

(3) 1279 H. == 1862 A.D. Establishment of telegraph line through the territory of the Jam of Las Bela and the Khan of Kalat &c. &c.

(4) Beginning of 1279 H. == 1862 A.D. Insurrection by Ranas and Sodas of Nagarparkar and its suburbs &c.

(5) 1279 H. == 1862 A.D. Begari Canal widened and extended and Mithrao Canal excavated and breakwater onstructed at Manora (Karachi) &c. &c.

(6) 1279 H. == 1862 A.D. Arrival of 3 European Photographers in Sind and their photographs of various Sindhis &c. &c.

Appointment of Mr. Inverarity as a member of the Governor's Council.

(7) 1279 H. == 1862 A.D. Compilation and publication of Mekran-namah by the author &c. &c.

H, 1270=1853 A.D.

Certain Mirs of Hyderabad and Mirpur Khas who were political prisioners at Calcutta, Hazaribagh, Poona, Lahore &c. were allowed to return to Sind and granted pensions &c.

H. 1271=1854 A.D.

(8) Institution of inquiry into the Jagir system &c.

H. 1273=1856 A.D.

(9) Departure of Sir Bartle Frere to England on leave for eighteen months for change.

3RD COMMISSIONER

Colonel (afterwards General) Jacob (pp. 166—171)

H. 1273 = 1856 A.D.

His assistants were Mr. (afterwards Honourable) Gibbs and Mr. Shaw Stuart.

Some of the chief events:

H. 1273 = 1856 A.D.

(1) Abolition of forced labour and arbitrarily fixing of Bazar rates &c.

(2) Late Mir Sir Ali Murad Khan left for England to obtain redress of grievances, but was not successful &c.

(3) Captain Mac Donald came from the Punjab with establishment to Sind to carry on survey work in Sind &c.

In the beginning of 1274 H. = 1857 A.D.

(4) Colonel Jacob with Sir Lews Palley started for the Persian Gulf to suppress insurrection near Bushire and left Mr. Ellis who arrived from Deccan in charge of the province &c.

Return of Sir Bartle Frere from leave

H. 1274 = 1857 A.D.

(10) Indian Mutiny 1274 H. = 1857 A.D. &c.

It took place also at Karachi, Hyderabad, Shikarpur and Jacobabad, but it was soon put down and those who helped in putting it down were rewarded, &c.

Mr. Bartle Frere was honoured with the title of "Sir" &c.

(11) Sir Bartle Frere laid the foundation stone of Sind Railway. The construction of First Railway in Sind started between Karachi and Kotri &c.

H. 1274 = 1857 A.D.

(12) Death of Sayed Sweni, Imam of Muscat &c.

1ST COMMISSIONER

Mr. Pringle (pp. 161—162)

(H. 1263==1847 A.D.

Sind reduced to Commissionership, was joined with the Bombay Presidency under Sir George Clarke, Governor of Bombay. Many were the ordinary works done in his days, but some of the chief of the them were as under:

(1) Enquiry was instituted and Accessory possessions of late Mir Sir Ali Murad Khan reported to Government.

(2) Lord Dalhousie passed through Sind by the Indus in Hijri 1266==1849 A.D.

(3) Organization of 1st and 2nd Sind Baloch Regiments in the aforementioned year.

(4) Annexation of the fortress of Multan and the Punjab to the English dominions (same year).

In 1267==1850 A.D. Mr. Pringle retired.

2ND COMMISSIONER

Mr (afterwards Sir) Bartle Frere (pp. 162-165)

Arrived from Bombay and took charge of Commissionership in H. 1268==1851 A.D. His Assistants were Messers Ellis and Bellasis.

H. 1269==1852 A.D.

(1) Certain accessory possessions of Mir Sir Ali Murad Khan of Khairpur about which report was made by Mr. Pringle, were decided upon to be restored to the English. A proclamation was received to the effect from Lord Dalhousie and the possessions restored to the English and Mir Sir Ali Murad Khan was reduced from Rais-ship &c.

(2) By the exertions of Mr. Ellis under orders from the Commissioner, the system of Persian character and language was replaced by Arabic Sindhi in Government offices and Sindhi Schools were started &c.

(3) Appointments of Tapadars, Kardars, Mukhtyarkars and Daftardars for the convenience of ryats &c.

(4) Death of Nawab Bahawal Khan of Bahawalpur.

(5) Establishment of civil courts &c.

(6) Establishment of municipalities in accordance with Act 26 of 1852 &c.

(7) Excavation of the Eastern Nara &c.

of governing. Chief events and reforms or any other occurrences during their administration. H. 1259 or 1260=1843 A.D. up to the present times H. 1318=1900 A.D. (the date of the Honourable Mr. H.E.M. James, C.S.I., I.C.S., Commissioner-in-Sind).

Sir Charles Napier (pp. 159-161)
1843—1847 A.D.

Conquest of Sind by Sir Charles Napier and his appointment Governor of the province by Lord Ellenborough, the then Viceroy of India. Karachi made the capital of Sind. All the Talpur ruling Mirs of Sind except the late Sir Mir Ali Murad Khan Talpur deprived of their territories and sent to Bombay as State prisoners &c. Mir Ali Murad Khan left in undisturbed enjoyment of his dominions in consideration of the help he had rendered to Sir Charles Napier in the war &c. &c.

1. Land assessment ordered to be paid to the British Officers instead of to the Talpur Officers &c. &c.

2. Enforcement of law to punish the offenders against Government with execution and confiscation of property &c. &c.

3. Presentation of *Salami* Parwanas to Jagirdars, grantees &c. on the Queen's Birthday &c. &c.

4. Capture of the Late Mir Sher Muhammad Khan Talpur &c. &c.

5. Appointment of Major Henry Preedy as Collector and Magistrate of Karachi, Captain Rothburn of Hyderabad and Major Galdeni of Upper Sind (Shikarpur) &c. &c.

6. Appointment of European Deputy Collectors, and Native Sazawalkars and Kardars under the three District Officers &c. &c.

7. Organization of the Police, Capitain now General Marston appointed Commanding Officer of the whole province over three Captain &c. &c.

8. Death of Sardar Muhammad Akbar Khan, the eldest son and Prime Minister of Late H.H. Amir Dost Muhammad Khan of Afghanistan (H. 1233 == 1847 A.D. &c.).

9. Retirement of Sir Charles Napier in the same year when there was peace all over the Province &c.

over some portions of Sind before 92 H. year=711 A.D.

[CHAPTER—II: PRE-BRITISH PERIOD (pp.13-158)]

I. The Brahman Dynasty after the reign of the Rai Dynasty in H. year 7= = 628 A.D. &c. (pp. 13-16).

II. Conquest of Sind by Arabs of the Bani Umayyid family H.92=711 A.D. 93/ 712 A.D. &c. (pp. 16-30).

III. The advent of the Bani Abbas family rulers H.132=750 A.D. (pp. 31-33).

IV. The conquest of Sind by Mahmud of Ghazna H.416=1025 A.D. &c. (pp. 33-35).

V. (a) The Ghur Dynasty rule H. 591=1194 A.D. &c.
(b) Account of the seven Ranas, the rulers of Sindh, who paid tribute to Nasiruddin Kubacha. 610 H.=1213 A.D. &c. (pp. 35-45).

VI. The Soomra Dynasty H. 801/1398 (pp.45-50).

VII. The Jams of Sammas H. 875/1470 A.D. (pp. 50-62)

VIII. The Arghun Dynasty H. 927/1521 A.D. &c. (pp. 62-72)

IX. The Mughul Tarkhan dynasty. (pp. 72-110).
(a) Account of Kokal Tash Dynasty H. 962-1554 A.D.
(b) The Nawabs of akbar the Great, who came after Kokal Tash to Bakhar with their names and periods of their rule.
(c) The Mughul Tarkhanis who reigned from Laki (i.e. close to Sehwan) downwards in lower Sind up to the sea shore, with capital at Thatta
(a) The Nawabs, rulers &c. who ruled over Thatta under the sovereignty of akbar, the Great (H. 1090/1679 A.D.) with their periods &c.

X. The Rulers in Sindh, Jagirdars, Pirs, Chiefs and their tribes, ruling over different parts for about a century &c. &c. (pp. 110-116).

XI. The Abbasi or Kalhoro Dynasty, H. 1131/1718 A.D., (pp. 116-140).

XII. The Talpur Dynasty, H. 1199-1784 A.D., (pp. 140-158).

[CHAPTER—III: SIND UNDER BRITISH RULE, (pp. 159—303]

Names of Governors and Commissioners and their time

AN EDITED SUMMARY OF THE CONTENTS IN ENGLISH APPENDED AT THE END OF THE ORIGINAL (PRINTED) COPY

[CHAPTER-I: INTRODUCTORY, (pp. 1-22)]

1. Praise of the almighty God and the changes in the administration &c. of the Province by His decree &c. &c.

2. Praise of the Prophet Muhammad and his four friends, who with his advice and by order of the All-powerful Providence preached religious doctrine and laid down rules &c. for the conduct of wordly affairs &c.

3. Praise of the British government, their equity and justice, the security of person and property and liberty enjoyed by the subjects &c. &c.

4. Brief account of the Author regarding his acquaintance with the general-history of each town of Sind &c.

5. The book is entitled "Lubb-e-Tarikh-e-Sind". It comprises the pieces selected from the following histories of Sind: Chach Nama, Masumi, Tahiri, Beglar Nama, Tuhfatul Kiram &c., including some general notes kept by author from time to time since 50 years &c.

6. The ancient and modern boundaries of Sind, its administration by the rulers, with their names and castes and the places from which they came &c. their capitals in Sind and the character of each ruler. The present condition of their descendants, the tribes they are now mixed with and how far they are in existence any longer &c. The state of their capitals (whether ruined or flourishing) &c.

7. Compilation of the book at the desire of the Honourable Mr. H.E.M. James, C.S.I., I.C.S., Commissioner-in-Sind, who himself knowing much of histories, takes the greatest interest in historic facts &c.

8. Historic events commence from Hijri year 92/711 A.D. up to H.1318/1900 A.D. (i.e. up to the administration of the present Commissioner-in-Sind, the Honourable Mr. H.E.M. James, C.S.I., I.C.S. &c.).

9. a) How the Sind Province was denominated &c.
   b) Boundaries &c. of Sind in ancient times.
   c) A brief account of Alexander the Great, 328 B.C. &c.
   d) Old capitals and divisions, chief seats of Governors.
   e) Brief account &c. &c. of the Arabs and their attacks

Rabi I, 1318/July 5, 1900 (305). The news items dated Safar 25, 1318 A.H. June 24, 1900 A.D. are the last events mentioned in it (302). The book was printed in litho at the *Riyaz-e-Hind* Press, Amratsar in 1318 A.H./1900 A.D.

The Present Edition.

For preparing the present edition, the lithographed copy of the work was the only available source which was used till nearly two thirds of the book were printed. At that stage, a manuscript copy of the book, transcribed on June 11, 1905 A.D. was received from the Secretary, Sindhi adabi Board. This copy was identical with the lithographed copy except that it was helpful in correcting the printing mistakes of the litho edition. The scribe's completion note (309-311) and the appendix (312-317) in the present edition are taken from the manuscript copy, and are not to be found in the lithographed copy.

So far as the first part of the book dealing with the Pre-British period of Sind history is concerned, the reader will be well advised to consult the original sources which have been used by the author rather indifferently. A few important corrections have been provided in the foot-notes, but the entire narration is so frequently marred by inaccuracies, that a correction note at each point would have swelled the bulk of this volume. The author has used the Persian language so indifferently that his expressions are not only confusing but frequently annoying. Without detracting from the author's ideas or style, the sentence structure has been modified to make the present edition readable as far as possible.

The summary that follows this introduction is taken from the lithographed edition to which it is appended. It has been corrected as far as possible, and to facilitate reference to the original text the pages of the present edition have been indicated against each chapter.

University of Sind,
Hyderabad Sindh,
8th June 1959.

N. A. BALOCH.

soleum of Qalandar Shahbaz and the Shah Jehan's mosque at Sehwan (9-11), *(ii)* Miraza Isa, Mirza Baqi and Mirza Jani Beg's tombs at Makli (82-86, 89), *(iii)* Shah Jehan's mosque at thatta (99-100), *(iv)* the Bakhar Fort (125), and mausoleum of Shah Muhammad Makki at Hyderabad (133). On the basis of the inscription on Mirsza Jani Beg's tomb, he suggests a correction in the year of his death erroneously recorded in *Tuhfat-al-Kiram* (89). His mention of the inscription is in all probability lost to us.

The information recorded by the author about the persons known to him and the places visited by him is original and, therefore, valuable one. He had seen the descendants of the last Mughal Governor of Bakhar (126), and also mentions the names of the *Sardar* (chief) of the Channas (22), the *Sardar* of the *Likhis* (120), and the *Sardars* of other important communities who once wielded power in the northern Sind (110-116). In his official capacity, he met many important personages, such as Amir Sher Ali Khan ruler of Af;ghanistan (184), his son Sardar Muhammad Ayyub Khan (217), Sayyid Shah Mardan Shah 'Pir Pagaro', the Talpur nobles and other dignitaries of Sind. He was in direct contact with the Commissioners in Sind and even some of the Governors of Bombay knew him personally. His personal remarks about these contemporary figures are original and interesting once.

But for the information about the contemporary persons and events, the present work should merit little attention by any serious student of sind history. Being a loyal servant, the author's presentation of the contemporary events is almost that of an official historian of the British Government in Sind. As such, the author's viewpoints are identical with official viewpoints, and hence, lack objectivity. The chronology of th events given by the author is often confused due to his attempt at giving both the Hijra and the Christian years for each item and event. It is perhaps safer to rely on the years of the Christian era which was being officially used in those times. His expression and style are also very defective. Having been schooled after the British occupation of Sind when the quality of Persian instruction in the indigenous schools had deteriorated, his knowledge and use of Persian idiom remained weak and defective.

Lubb-e-Tarikh was completed by the author on Friday 7,

which was published in 1886/1299. In the preface, Dr. John Pollen has acknowledged the help received from "Khan Saheb Khudadad Khan, Political Head Munshi in the Commissioner's Office."[1]

Lubb-e-Tarikh-e-Sind.

Lubb-e-Tarikh-e-Sind, which is the author's main work, was compiled by him at the desire of Hon. H.E.M. James (2), the Commissioner in Sind (1889-1900 A.D.). The main objective of the author was to write an account of the important contemporary events, particularly, of the British rule in Sindh (2); as such, he has devoted nearly half of the book (159-303) to the British Period. The author has mentioned chronologically the important events from the British consequent of Sind in 1843 A.D. to 1900 A.D. He was himself a witness to most of the events from 1853 A.D., when he first entered the Government service, to 1899 when he finally retired. Thus, *Lubb-e-Tarikh* becomes a contemporary source of information for nearly 50 years of British rule in Sind. Being one of the key persons employed in the Political Department of the Commissioner's Office which was the nerve centre of the British rule in Sind, he has recorded an eye witness account of many events of political importance. References to the secret missions led by the British Officers from Sind to the neighboring countries (e.g. Jesalmer & Marwar, Las Bela & Kalat, and Persian Gulf & Iraq), in which the author himself had also participated, should be useful for the study of the expansion of British political power in those times further north-west in the sub-continent. Besides, many other important events have been mentioned by the author, which indicate the development of the revenue and administrative policies as well as the system of irrigation and communication in the Province.

So far as the history of Sind prior to the British conquest is concerned, the author has used, though often indifferently, the well-known Provincial histories, such as *Chach-Namah, Tarikh-e-Sind* by Mir Masum, *Tarikh-e-Tahiri* by Mir Tahir Muhammad Nisyani, *Arghun-Namah* (or Turkhan-Namah), Beglar-Namah and Tuhfat-al-Kiram. The author's owns contribution consists in his use of the inscriptions on *(i)* the mau-

[1] History of Alienations in the Province of Sind, the Commissioners Press, Karachi, 1886, Vol. I, Preface. P. iv.

an account of the following historical places at the end of 1869/1289: Mangho Pir, Shah Bilawal, Lahoot, Darwat and Ranikot in the Karachi District; Nasarpur, Tando Fazal Talpur, Makhdum Nuh (Halla), Rahmaki Bazar, and Lal Odero in the Hyderabad District; Khawaja Khidr, Mir Muhammad Masum's Minar, Shah Khairuddin, Qasim Khani, Bakhar Fort in the (then) Shikarpur District. This account written in Sindhi, was also translated into English by the Government Translator, and both the Sindhi and the English versions were published and distributed among the officials in Sind and Great Britain. Many copies of the Sindhi edition and a few of the English edition were with the author at the time of writing *Lubb-e-Tarikh* (196-97).

5. *Pul-Nameh* (پل نامہ) : this 'Monograph on Bridge' was so named after the Lansdowne Bridge on the Indus, between Rohri and Sukkur, which was opened by Lord Reay, Governor of Bombay, in 1886-87 A.D/1304 A.H. (229). The author accompanied Commissioner Sir Charles Pritchard on the occasion. After the opening ceremony of the Bridge, the Governor proceeded to Quetta from where he went to Chman and shal Bagh near Qandhar. In *Pul=Nameh,* the author who accompanied the Governor's entourage along with the Commissioner, wrote an account of this entire journey (229-30).

6. *Sayahat-e-Nameh* (سیاحت نامہ): In 1892 A.D./1309 A.H. the author proceeded on one month's leave, and during this period he visited Bombay, Poona, Rajkot, Ahmadabad, Ajmer, Delhi, Amratsar and other places, and finally return to his home town Sukkur. In *Sayahat-Nameh,* he wrote a date-wise account of this journey (238).

7. *Khairpur Nameh* (خیرپور نامہ): A monograph on the history of the Khairpur State in which the author has particularly dealt with the events of Mir Ali Murad Khan's period (162), including his death and dispatch of his body to Karbala. The book was published in litho at Karachi in 1894/1312.

The author is also said to have compiled a monograph on the historical graveyard of Makli at Thatta and called it *Makli-Nameh.* He read an address at the local Ma'sumi Imambara which was published under the title of *Afsos-Nameh.* He assisted in the compilation of the history of Jagirs

شد ز جهان خوش چو گل از بوستان   داغ فزوده بدل دوستان
شد چو غریق یم عفو حق او   سال وفاتش بغریقی بجو
1320

چهارم شوال کہ یکشنبہ بود   بود بہ حق همدم و رحلت نمود
در همہ دم رحمت رحمان او   باد بهاري بدل و جان او

The author left two sons behind , Agha Abdul Majid Khan who rose to the position of Deputy Manager Incumbered State, and Agha Abdul Hamid Khan who became a public man and is still living at his parental home in Sukkur (old town).

His Compilations:

Except the present work, *Lubb=e=Tarikh,* the author mostly compiled monographs pertaining to the following specific topics which were suggested by opportunities or responsibilities arising out of his position in Government service.

1. *Waqa'i Sair-e-Jesalmer:* (وقائع سیر جیسلمیر) : In 1859/1276, the author accompanied Major Frederic Goldsmid to Jesalmer and Pokran in Marwar. They proceeded *via* Umerkot, spent three months on this mission, and returned to Sindh *via* Rohri. The author compiled an account of this journey in this monograph which was published in 1867/1283 (168).

2. *Makan Nameh* (مکران نامہ) : In 1861/1278, the author accompanied Major Goldsmid to Las Bela and Makran, and visited Soan Miani, Pasni, Ormara and Gwadar. After spending two months on this mission, the party returned by steamboat from Gwadar to Karachi. The author wrote a date wise account of this journey and called it *Makran Nameh* (174), which was published in 1862/1279 during the term of office of Commissioner Mr. Inverarity (176).

3. *Khalij Nameh* (خلیج نامہ) : In 1863/1280, the author accompanied the Commissioner, Mr. Mansfield, from Karachi to the Persian Gulf (*Khalij-e-Faris*) and from there to Baghdad (179-180). He wrote a detailed diary of this journey entitled *Khalij-Nameh* (181) which appears to have been published in 1866/1282 (187).

4. *An Account of Historical Places*: At the orders of Commissioner Sir William Mere weather, the author compiled

قطعہ تاریخ تعمیر مسجد

آن خان بہادر خداداد خان --- چو ساختہ معبد عجائب
تاریخ لطیف گفت ہاتف --- اللہ . چہ مسجد غرائب
1902

چو مسجد ساخت آن خان خداداد --- کہ دوري طاعت رب الصمد
لطیف قادري تاریخ تعمیر --- بگفتا: خانہء حمد خداوند
1320 مطابق 1902

The author died early next year in 1903 (Sunday, 4th Shawwal 1320 A.H.), and was buried in the mosque built by him. The following inscription* in Persian stands on his grave:

کتبہ تاریخ وفات

تاریخ وفات حسرت آیات جناب ذي شان مرحوم مغفور خان بہادر خداداد خان صاحب نور اللہ مرقدہ، سابق میر منشي کمشنر آفیس، پینشن برادر و جاگیردار ساکن سکر کہنہ روز یکشنبہ چہارم شوال 1320ھ -- 1903ع
(فقر ها در نثر)

"خداداد خان حمیدہ صفات"
1903

"خیر خواہ سرکار"
1903

"زهي پاکباز خداداد خان"
1903

قطعہ در نظم

خان بہادر کہ خداداد خان بود --- در آفاق شجیع زمان بود
بخت بلندش ز خدا یار بود --- منت مولایش مدد گار بود
بخت خدا داد چو یاریش کرد --- دولت خوش آئینہ داریش کرد
حشمت او زهرہ ور شیر بود --- دشمنش اندر قدمش زیر بود
ذائقہ جام اجل را چشید --- رخت ز دنیا سوي عقبيٰ کشید

* For these as well as the following inscriptions on the author's grave, I am indebted to Sayyid Ata Husain Shah Musavi who copied them out for me.

police officer' (193). Earlier in 1863/1279, he had accompanied the Commissioner to Nagarparkar where the Ranas of that place had revolted against the British Government, and rendered useful assistance to Captain Tarwid on that occasion (175).

His success in service was also due to his working knowledge of more than one language at a time when the British officers having newly conquered the country needed trustworthy servants who could serve as interpreters between the rulers and the ruled. The author could speak and "served as a translator in Persian, Arabic and Balochi" (191). He could also speak Urdu, and once he replied to an address given to him "in Hindustani" (192). He also knew Pashtu and a little English which he could speak and write. Sindhi was his mother tongue, in which he served as an examiner under the Education Department. He was as much acquainted with the archaeology and history as with the arts and crafts of Sind. He served as a member of the V.J. Technical Institute, Khairpur.

After having seen a long and successful service career of 45 years, he lived a short but contented period of 3½ years (May 1899-Dec. 1902) of retired life at his home town Sukkur. During the following his retirement, he was invited to important official functions and *darbars* wherein he was assigned a position of honour and given seat near the Commissioner. The author himself gave parties in honour of high officials. On March 10,1900 A.D., the Commissioner Hon. H.E.M. James accepting the author's invitation came to his bungalow in the old ; Sukkur town, along with the Assistant Commissioner (294-95). During May-June, 1900 A.D., he invited some other high officials, at the time of their transfer from or to Sukkur (303). These are the last events recorded in the present work after the completion (June, 1900 A.D.) of which little is known about the remaining 2½ years of the author's life. It appears that he devoted these last days to prayers. In 1902 .A.D he built a mosque, as is indicated by the following inscriptions:*

* For these as well as the following incriptions on the author's grave, I am indepted to Sayyid Ata Hussain Shah Musavi who copied them out for me.

to him, in an open *darbar* at the Coimmisioner's Bungalow at Karachi, a sword in recognition of his valuable services (109, 209). The Commissioner Sir William Mereweather gave him a Merit Certificate *(sanad dt. Sept. 16, 1868)* and a sword (194), and in 1876/1291 he recommended to the Government of India that the author be rewarded with a Merit Certificate (200). The day when Sir William Mereweather was leaving Sind, he presented to the author a sword and Rs. 300 in cash (205). Also when Commissioner Hon. H.E.M. James was leaving in July 1898/1316, he presented to the author a sword with silver handle, Rs. 2000 in cash, and a medal with an inscription recognizing the author's long and meritorious services to the Government (275). In 1885/1299, the author was recommended for the title of 'Khan Saheb' (214) which was conferred on him in 1888 (280) and the *sanad* (document) granting the title was publicly presented to him on August 21, 1888, at a function organized at Denso Hall in Karachi (221). In 1892, the Commissioner Hon. James recommended the author for the title of *'Khan Bahadur'*(230) which was conferred on him, and the *sanad* granting him the title was presented to him in the beginning of 1893/1210 in a public function at the time of the Annual Horse Show at Jacobabad (240). Again a the recommendation of Hon. James (275-76), the Government of India granted a 'III Class Jagir" of 300 acres for two generations to the author (287) in October, 1899, and the grant document was presented to him by Hon. James on March 12, 1900, in a *darbar* held at Sukkur (299-300).

Thus, it is obvious from his service record, that the author was a rusted servant of the British Government with a clean loyalty record, which was officially recognized and duly rewarded. He seems to have been a man of good personal qualities that he endeared himself to all the Commissioners under whom he served. Also all the Assistant Commissioners were kind to him (203). He had the talents and the tact to perform the various duties under the Political Department as well as other special duties which were frequently assigned to him. Mr. Havelock, the Acting Commissioner in 1867 A.D., was so much impressed by his efficient handling of practical situations that he left a note to the effect that 'Munshi Khudadad Khan would prove to be a good

kana, Nasirabad, Pir Godrah, Dedak and Kharchh) and stayed with him there for five months (181, 191); *(viii)* in 1870, he accompanied the Sind commissioner Sir William Mereweather who went to Jacobabad to decide a dispute between the Khan of Kalat and the Sardars of the Bolan Pass and Mithri who had revolted against the Khan (179); Sir William Mereweather had full confidence in him and he assigned him duties connected with secret missions (299); *(ix)* in the beginning of 1817, he accompanied Sir Mereweather from Sukkur to Chachran-Mithankot, *via* Bahawalpur, when the Commissioner went there to settle the Sind and Punjab boundary line (197-98-); *(x)* by the end of 1871, the again accompanied Sir Mereweather who now proceeded from Karachi to Multan to meet, Lord Northbrooke, the Viceroy of India, who then passed through Sukkur, Hyderabad and Karachi on his way back to Bombay (198-99); (xi) in 1880/1294, he was appointed to put in order the complicated record in the Commissioner's Office pertaining to the Jagir grants (208-211); *(xii)* he was then associated with the compilation of a history of Jagir grants[1] which was completed in 1886 (213); *(xiii)* in 1888/1301, he was put in charge of the entourage of Sardar Muhammad Ayub Khan (s/o the late Amir Sher Ali Khan, ruler of Afghanistan), who arrived from Iran with more than 1200 persons, to play host to them and arrange for their meals at Kotri, Rohri and Reti on their railway journey through the Sind Province (217-18); *(xiv)* in 1886-87/1304, Lord Reay, the governor of Bombay, arrived in Karachi and proceeded to Sukkur to perform the opening ceremony of the Lansdowne Bridge (on the Indus between Rohri and Sukkur), and the Commissioner, Sir Charles Pritchard, selected the author to accompany him to Sukkur on this occasion (229). This was the fourteenth time that he was assigned a special duty.

For his devoted services, he received rewards from time to time. He was awarded with a certificate of merit, one sword, cloth for 'turban' (of honour), and a Benaras-made *shal,* for his services with Major Goldsmid in Jesalmer and Pokran (168), and a *lungi* for his services in Makran (174). On September 19, 1867, the Acting Commissioner presented

[1] Vide *Infra*, p. 10.

1891/1308, his basic salary was increased to Rs. 175 p.m (234), and in 1893/1310 further to Rs. 200 plus additional allowances (246). He retired in May 1899, after a long service of 45 years.[1] The commissioner, Hon. H. E. M. James, remarked on his retirement that he was "the last link with the administration of Sir Bartle Frere and a treasury of knowledge will go with him." Also when Hon. James had recommended him earlier for the grant of Jagir, he had said, "There would never be a Khudadad Khan again and nobody would dare to quote his case as a precedent.

Throughout his service period, he was the loyalist of the loyal and the most trusted servant of the British Government. From the very beginning. He gained confidence of his superiors and was employed on secret missions. He mentions with pride at least the following fourteen special duties which were successively assigned to him: *(i)* in 1859/1276,[2] he accompanied Major Frederic Goldsmid on a secret mission to Jessalmer and Pokran in Marwar (168, 177, 191, 278): *(ii)* in 1861/1278, he accompanied the entourage of the Governor of Bombay, Sir George Clarke, alongwith the Sind Commissioner Mr. J.D. Inverarity, from Karachi to Gharo, Makli, Thatta, Hyderabad and Sehwan (172-173); *(iii)* in May 1861, he accompanied, on an important secret mission (296), Major Henry Green, the Political Superintendent Upper Sind Frontier, to Gwadar and Oramara (173-191); *(iv)* in the same year again, he accompanied Major Goldsmid to Makran in connection with the telegraph line in Las Bela and Kalat (174, 191, 278, 289); *(v)* in 1862/1297, he went with Major Goldsmid to Bombay to identify the photographs of the dignitaries of Sind (176); *(vi)* in 1863/1279-80, he accompanied the Sind Commissioner Mr. S. Mansfield and other officers, from Karachi to Persian Gulf, and from there onwards (passing through Bushahr and Basrah) to Baghdad (179, 191); *(vii)* in 1864/1280, he again accompanied the Commissioner Mr. Mansfield to the Darbarha Mountain (*via* Lar-

---

[1] Cf. the Commissioner's speech (p. 246) dt. March 12, 1900, mentioning that he retired "last May".

[2] So on p. 191; on pp 99, 168 & 177, it is 'beginning of 1859' which will fall in the year 1275 A.H. which ended on July 30, 1859. On p. 177. 'the beginning of 1859' is equated with (1274 A.H. which needs correction. On pp. 168 & 278, even 1858 is entioned which would equate with 1274-1275 A.H. The author's chronology is viously confused.

Major Goldsmid that, soon after Khudadad khan was employed in British service at a comparatively younger age.

In *Lubb-e-Tarikh,* the author, through frequent references, has deliberately set forth his complete service record, from his first appointment to his retirement, including the special duties that he performed and the rewards that he received.

He was first employed as a *munshi* (clerk) under the Judicial Deputy Magistrate at Shikarpur, in 1853/1270 (190, 279, 298).(1) In the beginning of 1854/1270,(2) he was employed on a permanent basis in the Political & Jagirs Department under Col. Frederic Goldsmid (165, 190, 208, 209). He served there, from the time that Department was attached to the Commissioner's Secretariat, up to 1857/1274 (190). At that time he was getting a salary of Rs. 30 p.m. (191). In 1864/1280, he earned an increase of Rs. 20 p.m. (191), and was appointed as 'First Munshi, Revenue Department (181). From Ist Sept, 1867, he got Rs. 30 more by way of allowances from other Departments (193). In 1869, he was appointed as 'First Munishi in the Commissioner's Office' and as a 'Munshi in the Registration Department', at Rs. 135 p.m. He also received some additional allowances for assisting in the school examinations (196). In 1880/1297, hje was promoted from 'First Munishi' to the post of a 'Second Class Extra Assistant Collector' (210-11). After reduction of this post, some important matters regarding Jagirs and Political were entrusted to him for completion in 1882 (299), and the author worked in the Jagir Department for one year at Rs. 200 p.m. (223). Thereafter, he served under the Political and the Registration Department, and got Rs. 100 p.m. from the Political Department and Rs. 30 from the Registration Department (and additional allowances for other duties). After abolition of the Registration Department, the author was appointed to the post of "Mukhtiarkar Grade IV" at Rs. 150 p.m. (223). In

(1) On p. 190, the employment is mentioned to have taken place in 'the beginning of 1853' which is incorrect. On p. 165 it is clearly stated that in ' the beginning of 1854' he was employed in the Political Department following 'a few months service' under the Deputy Magistrate at Shlkarpur. It means that he was employed at Shikarpur sometimes in the second haf of the year 1853 A.D.

(2) The reference to his employment on a permanent basis 'in the beginning of 185 (165, 208) may be treated as basically correct one' and accordingly the equivalen of '1854-1271' (165, 190) and '1855-1271' (209) should be corrected to '1854-127

tories of Sindh from the earliest times to the authors' own days. Our author was the last one of his two earlier contemporaries and the very last of all to compile a history of Sind in Persian.

The Author

The present work contains copious biographical details covering the period extending from 1853 to 1899 when the author was in service under the British Government. There are, besides, a few other references pertaining to the author's family background and to the last few years of his life after retirement from service. The following biographical sketch is based mainly on the author's own information included in the present work. The numerals within brackets refer to the pages of the Persian text.

The author Khudadad Khan was son of Raza Muhammad Khan alias Razu Khan, and his family had been long settled in Sind at Sukkur (old town) (1,208,305). After the fashion of his times, the author wrote his surname as 'Afghan' (208, 305), but his family belonged to the Tareen stock of the Pathans, and before migration to Sind, they were settled at Pishen (305) in the present Quetta Division. According to the author. Sher Khan tareen who during the second quarter of the seventeenth century, attacked Gandava from Pishen and occupies it, was from among his ancestors (77-78).

The author had an elder brother, Allahdad by name who dies in 1301AH/1888 A.D. (221). Both the brothers were born at Sukkur where the family had settled since generations. The author's date of birth is not known, but as he was 15 years old by the beginning of the year 1854 A.D. (cf. 165), it may be considered to have taken place at the turn of the year 1838 A.D. He is said to have been educated by Akhund Allah Bakhsh at a *village-maktab* near Chiman in the Sukkur taluka of the present Sukkur district. There he learnt Sindhi, Persian and some Arabic. Later, he joined another *maktab* at Shah Khairuddin's mosque at Sukkur, and he was studying there when an English officer, Major Frederic Goldsmid wh was also the *Nazir-e-Madaris* (Inspector of Schools), visite the *maktab,* and being impressed by the intelligence of you Khudadad, he sought his father's permission to take the l under his own care. Probably, it was due to the patronag

INTRODUCTION

The tradition of history writing was founded in Sindh with the compilation of accounts of Muhammad bin Qasim's conquest of 'Sind' (712 A.D.). these accounts, originally recorded in Arabic, were translated into Persian in 613 A.H., and this translation known as *Fatehnama* alias *Chachnama* is the first book extant on the history of 'Sindh" and perhaps one of the earliest historical works compiled in the sub-continent. Since then, the tradition of history writing has been continued on in sind, as elsewhere in the sub-continent, and the present work *Lubb-e-Tarikh-e- Sind,* compiled in 1318 A.H /1900 A.D., constitutes the very last link of that tradition.

After the British conquest of Sind in February, 1843, A.D., the British officers emulating the example of the princes and nobles of the previous ruling dynasties, encouraged local scholars to compile works on history. As a result, three works were compiled during the British period. The first one, *Tazah Nawa-e-Ma'arik* or 'History of Sind and Afghanistan' was compiled by Munshi Mirza Ata Muhammad of Shikarpur in Jumada II, 1271A.H., at the instance of Mr. Estwick, Collector of Shikarpur.[1] The second one, *Ainah-e-Jahan Numa* was also compiled at the instance of a British officer by Makhdum Pir Muhammad alias Muhammad Aqil of Khuhra who died in 1293 A.H.[2] The third one was the present work, *Lubb-e-Tarikh-e-Sind*, which was compiled by our author at the instance of Hon. H.E.M. James, the Commissioner in Sindh,[3] and finished in Rabi-I, 1318/July 5, 1900 A.D. Of these three works, the first one deals with the contemporary events of approximately 50 years prior to 1271A.H. The last two works represent attempts at writing comprehensive his-

---

(1) Cf. *Tazah Nawa-e-Ma'arik*, edited by Aqa A. Hayye Habibi and published by the Sindhi Adabi Board, Hyderabad-Karachi, 1959, p. 14.

(2) The only manuscript copy of this work is with the descendants of the author at Khuhra in the Khairpur district. I had seen the first volume of it some 15 years ago.

See the text, pp. 1-2.

1st Edition 2009 Copies 1000

All rights reserved. No part of this book may be reproduced in any form or by any electronic mechanical means, including storage and retrieval system, without express permission in writing from the publishers.

Price Rs. 285-00

To be had from
Sindhi Adabi Board's Book Stall,
Tilak Incline, Hyderabad
Sindh, Pakistan.
Phone: 022-2633679
Website:www.sindhiadabiboard.org
Email: www.sindhiab@yahoo.com

Published by Syed Zawar Hussain Shah Naqvi Secretary Sindhi Adabi Board from Sindhica Academy Karachi.

LUBB-E-TARIKH-E-SIND

Compiled by

KHAN BAHADUR KHUDADAD KHAN

(IN 1900 A.D.)

Edited by

DR. N. A. BALOCH

Sindhi Adabi Board

Jamshoro, Sindh

2009